

HH گُلشنای پُرسش

آراستہ

ایبٹس احمد

(ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج)

گُلشنِ پُرسِ شان

ہرستہ

اَلِیَاسِ اَحْمَد

(ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج)

پچھلے کا نیک منہ کی طرح پُرسِ شان
پیشہ کا نیک منہ کی طرح پُرسِ شان

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹	سر		سہنہای گفتنی
۴۹	صورت	۱	محمد
۴۹	چشم	۶	نعت
۴۱	مژگان	۸	مُسْن
۴۱	سینہ	۱۰	عشق و محبت
۴۱	دل	۱۶	خصوصیات عشق و محبت
۴۵	پاتھ	۱۷	اوصاف محبت
۵۰	لو	۱۷	مشکل محبت
۵۱	جامہ عاشق	۱۸	کوشش محبت و جذبہ محبت
۵۱	پیرا ہن	۱۹	اثر محبت
۵۱	گریبان و دہن	۲۰	انجام محبت
۵۳	سراپائے معشوق	۲۰	انتہائے محبت
۵۴	قد یار	۲۰	گوناگون
۵۶	صورت یار	۲۲	عاشق
۵۷	زلف یار	۲۶	مشوق
۶۲	روئے یار	۲۷	کم بستی
۶۳	اہر وئے یار	۳۰	شباب
۶۴	مژخیز یار	۳۲	آخر شب باب
۶۵	زرگس شہلا	۳۳	آغاز عشق
۷۰	بینی	۳۹	سراپائے عاشق

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۰	نقاب	۷۰	عارض
۹۰	دوپٹہ	۷۰	لب لعلین
۹۱	پیراہن و نقاب	۷۲	دہن
۹۱	محرم	۷۲	دندان
۹۱	تکدہ	۷۲	خطِ سبز
۹۲	دامن و گریبان	۷۴	خال
۹۴	آلاتِ کشتنی	۷۴	گردن
		۷۵	جباب
۹۴	تبیغ یار	۷۵	دل
۹۴	خجھر یار	۷۵	دست و بازو
۹۵	ناوگن پیکان	۷۷	کلائی
		۷۷	موئے میان
۹۷	سامانِ آرائش	۷۸	بدن
		۷۸	پاؤں و کفٹ یا
۹۹	معشوق کی تصویر	۷۹	ادائیں جن کا تعلق سراپا سے ہے
۱۰۰	نقوشِ مانی	۷۹	تیرِ نظر
۱۰۰	تصویرِ معشوق	۸۲	تبسم یار
۱۰۵	تصویرِ عاشق	۸۳	بوسہ جاں بخش
۱۰۵	تصویرِ عاشق و معشوق	۸۴	گفتارِ یار
۱۰۸	معشوق کی ادائیں	۸۵	سادگی، شوخی و نزاکت
۱۰۸	سیر و شکار	۸۶	انگڑائی
۱۱۰	خاموشی	۸۷	خوابِ ناز
۱۱۰	مزاجِ یار	۸۷	خرامِ ناز
۱۱۱	تعنّاف	۸۹	نشانِ کفٹ پا
۱۱۲	غرور	۸۹	نگہت زلفِ یار
۱۱۳	شوخی	۹۰	جامہِ معشوق
۱۱۳	غمرہ و ناز و انداز	۹۰	دستار

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۵	انداز	۱۱۴	انکار و صل
۱۴۵	ہوشیاری	۱۱۵	روٹھنا
۱۵۳	ہمت و عالی حوصلگی	۱۱۶	بیوفائی و بدعہدی و بیہوشی
۱۵۵	پاس یار	۱۱۸	بیداد
۱۵۶	معشوق سے خطاب	۱۲۱	رجش
۱۵۹	سوال و جواب	۱۲۱	تلون طبعی
۱۶۱	راز و نیاز	۱۲۲	پشیمانی
۱۸۲	انتہائے راز و نیاز	۱۲۳	شرم و حیا
۱۸۳	نوائے عاشق	۱۲۳	سلام کرنا
۱۹۷	کارہائے عاشق	۱۲۴	قسم کھانا
۱۹۸	مصائب معشوق	۱۲۴	رحم و التفات و وفا
۲۰۱	مصائب عاشق	۱۲۷	پریش
۲۰۱	بینج و غنیم	۱۲۸	بدگمانی
۲۰۲	زخم دل و زخم جگر	۱۲۸	بھولاپن
۲۰۶	سنگ طفلان	۱۲۹	ادا ہائے دیگر
۲۰۶	گونہ گوں	۱۳۷	عاشق کی ادائیں
۲۳۵	مشغلہ عاشق	۱۳۷	بیخودی
۲۳۵	گریہ و زاری	۱۳۸	بیہوشی
۲۳۹	آہ و نالہ و فریاد و فغاں	۱۳۸	بیقراری و بیتابی
۲۴۱	یاد یار	۱۴۰	سستی و جنون
۲۴۵	یاد ماضی	۱۴۱	وحشت و دیوانگی
۲۵۰	تقصیر	۱۴۲	خاموشی
۲۵۱	گونہ گوں	۱۴۲	سادگی و سادہ دلی
۲۵۳	شیوہ عاشق	۱۴۳	نزاکت مزاج و طبیعت
۲۵۳	وفا و تسلیم و رضا	۱۴۴	غرور و استغنا
		۱۴۴	رتبہ عاشق

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۷	کفر و ایمان	۲۵۵	راز عاشق
۲۹۹	وحدت و کثرت	۲۵۷	داستان عاشق
۲۹۹	گوناگوں	۲۶۰	جذبات عاشق
۳۰۰	ناصح	۲۶۰	شوق
۳۰۴	رقیب	۲۶۱	امید و یاس
۳۰۹	زندہ	۲۶۲	آرزو و تمنا
۳۱۰	مناظر قدرت	۲۶۸	حسرت
۳۱۰	نسیم و صبا	۲۶۹	رشک
۳۱۱	چمن	۲۶۹	افسردہ دلی
۳۱۱	غنچہ	۲۷۰	بدگمانی
۳۱۲	گل	۲۷۰	ضبط
۳۱۳	بلبل	۲۷۱	ندامت
۳۱۵	گل و بلبل	۲۷۲	اضطراب
۳۱۷	باغبان	۲۷۲	ارادہ
۳۱۸	صیقا	۲۷۳	گوناگوں
۳۲۰	مُرخ اسیر	۲۷۵	آداب عشق
۳۲۸	نفس و آشیان	۲۷۸	مذہب عاشق
۳۳۱	خطاب گل بہ گلچیں	۲۸۰	مضامین جن کا تعلق مذہب سے ہے
۳۳۲	آبد بہار	۲۸۰	شیخ و زُنار
۳۳۳	بہار	۲۸۰	سجود
۳۳۶	حُزَن	۲۸۰	امام
۳۳۷	برنگ گل	۲۸۱	زاد
۳۳۸	آبشار	۲۸۴	واعظ
۳۳۸	جو	۲۸۶	شیخ
۳۳۹	میر نو	۲۹۱	پارسا و اللہ والے
۳۴۰	آفتاب	۲۹۳	صوفی
۳۴۰	مناظر مختلف	۲۹۳	دیرو حرم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۸	جبر و اختیار	۳۴۲	خمریات
۳۸۹	عصیان	۳۴۲	سیخانہ
۳۸۹	دعا	۳۴۳	جام
۳۹۰	سزا و جزا	۳۴۳	پیمانہ
۳۹۱	بمطلب میرسد جو ایسے کام آہستہ آہستہ	۳۴۴	ساغر
۳۹۱	تحریر خط سے پہلے کے جذبات	۳۴۵	مے
۳۹۱	خط بہ یار	۳۴۷	مطرب
۳۹۲	مضمون خط	۳۴۷	ساتی
۳۹۳	پیامبر	۳۵۱	پیر مغان
۳۹۴	انجام خط	۳۵۲	رند
۳۹۴	واپسی پیامبر	۳۵۴	مختب
۳۹۷	جواب خط	۳۵۷	نوائے رند
۳۹۷	وعدہ	۳۶۸	توبہ
۳۹۹	انتظار	۳۷۱	مضامین مختلف
۴۰۱	محل یار	۳۷۱	ہمنہ دوست
۴۰۱	آند یار	۳۷۲	اللہ کی بارگاہ میں گزارش
۴۰۳	مکان عاشق	۳۷۴	جواب بارگاہ ایزدی
۴۰۴	مہمان عاشق	۳۷۴	کلیم و طور
۴۰۵	محل عاشق	۳۷۷	محمود و ایاز
۴۰۶	رخصت یار	۳۷۸	منصور
۴۰۸	عاشق کا دیار یار کی طرف رو نہونا	۳۷۸	بچپن
۴۰۹	شہر یار	۳۷۸	جوانی
۴۰۹	ربگدز یار	۳۸۰	پیری
۴۱۰	کوچہ یار	۳۸۲	وطن
۴۱۳	پاسبان	۳۸۲	غربت
۴۱۴	کاشانی یار	۳۸۳	بیابان
۴۱۴	دیوار کاشانی	۳۸۵	گردش دوران

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۴۳	موت کے بعد	۴۱۲	بامِ کاشانہ
۴۴۴	لاش	۴۱۵	درِ یار و آستانِ یار
۴۴۵	تجہیز و تکفین	۴۱۶	شگِ آستان
۴۴۵	سوک	۴۱۶	خاکِ در
۴۴۶	پھولوں کی محفل	۴۱۶	کوئے یارِیں عاشق کی صدا
۴۴۷	عبرت	۴۱۷	محفلِ دوست
۴۴۸	زندگی	۴۲۱	شمع و پروانہ
۴۵۱	ہستی و نیستی	۴۲۴	وصل
۴۵۷	محبوب کا مزار پر آنا	۴۲۵	شبِ وصل
۴۵۹	شمعِ مزار	۴۲۶	مِرخِ سحر
۴۶۰	مشقتِ غبارِ عاشق	۴۲۶	مؤذن
۴۶۲	اخلاقیات	۴۲۶	رخصت
۴۶۴	اطاعت	۴۲۸	ہجر
۴۶۴	قناعت	۴۳۱	شامِ ہجر
۴۶۴	تسلیم و رضا	۴۳۲	شبِ ہجر
۴۶۴	صبر	۴۳۵	چارہ گر
۴۶۵	دوستی	۴۳۶	بیمار
۴۶۷	کرم	۴۳۶	بسترِ بیمار
۴۶۷	نصیحت	۴۳۷	بیمار کا خطابِ حکیم سے
۴۶۷	طریقہٴ زندگی	۴۳۷	عبادت
۴۶۸	اخلاقیات کے مختلف پہلو	۴۳۹	انجام
۴۸۰	صحرائے محشر	۴۳۹	وعدہٴ فردا
۴۸۵	بہشت	۴۳۹	نگاہِ واپسین
۴۸۶	دوزخ	۴۳۹	تمنائے آخر
		۴۴۰	پچکی
		۴۴۰	دمِ واپسین و وقتِ نزع
		۴۴۱	موت

سخنہائے گفتنی

راقم الحروف شاعر نہیں مگر مدت سے شعر و سخن سے لگاؤ ہے بالخصوص اس صنف شعر سے جسے غزل کہتے ہیں،

شاعری ایک قسم کی مصوری ہے، 'مصور مادی اشیاء کی تصویر کھینچتا ہے' اور شاعر خیالات جذبات اور احساسات کی 'شاعری وجدانی اور ذوقی چیز ہے' چند الفاظ میں اس کی جامع تعریف ممکن نہیں، ایک موزون طبع انسان پر کوئی جذبہ طاری ہو، اس جذبہ کے ماتحت اس کے دل میں اچھے خیالات پیدا ہوں اور ان خیالات کو وہ مناسب اور موزون الفاظ میں ادا کر سکے تو خیالات کی اس نئی صورت کو شعر کہیں گے، ایک عمدہ شعر میں وزن، ردیف، قافیہ، ترنم، تخیل، سادہ اور شیریں الفاظ، طرز ادا اور تاثیر سب کچھ ہونا چاہئے

شاعری کیا ہے فقط تصویر جذباتِ ہنساں

قوتِ تخیل کے ہمراہ تاثیرِ زبان

عالمِ شعر و شاعری میں غزل کو وہی رتبہ حاصل ہے جو تختہ گلاب کو چمن میں یا بالفاظ دیگر جس طرح دنیائے رنگ و بو میں گلاب بے مثل پھول ہے، اسی طرح دنیائے نظم میں غزل بے مثل صنفِ شعر ہے، غزل آبروئے شاعری،

غزل میں اجمال ہوتا ہے مگر اس اجمال میں بوئے گل کی سی ہمہ گیری ہوتی ہے، علاماتِ غزل میں جامعیت ہوتی ہے، چمن، گل، بکبل، صیاد، باغبان، قفس، آشیان، برق، میکدہ، مے، ساتی، محتسب، اغیار، پاسبان وغیرہ رسمی اشعار میں بلکہ زندہ استعارے ہیں، ان کے سہارے شاعر جو چاہتا ہے نہایت خوبی سے کہہ دیتا ہے،

غزل کے بادہ و ساغریں مشاہدہ حق بھی ہے اور مطالعہ کائنات بھی، غزل حدیثِ دلبران بھی ہے اور حکایتِ سوختگاں بھی، غزل کے حسن و عشق و افسانہ و افسوں میں زندگی کی ساری پہنائیاں سمٹ آئی ہیں،

کہنے کو غزل کا موضوع عشق و محبت کے سوا کچھ نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ادائل ہی سے شاعر نے اس کو جذباتِ انسانی کے اظہار کا ایک ذریعہ بنالیا، اور ہر قسم کے جذبات مثلاً رنج و خوشی، محبت و ندامت، امید و یاس وغیرہ اس میں ظاہر کئے جانے لگے، یہاں تک کہ اخلاق و مواظبت تک اس سے مستثنیٰ نہیں ہے،

غزل کہنا عوم میں آسان سمجھا جاتا ہے بالخصوص آجکل، لیکن واقعہ یہ ہے کہ غزل کہنا، بہت مشکل، روایت و قافیہ کی پابندی تو الگ رہی اظہارِ خیال ایسے نرم و شیریں الفاظ میں ہونا چاہیئے جو نقائص سے بھی پاک ہوں اور جن میں روانی بھی ہو اور آمد بھی، اثر بھی ہو اور موزونیت بھی، سادگی بھی ہو اور مستحضر اپن بھی، جن الفاظ میں غزل گو شاعر کی مشکل پیش کی گئی ہے وہ الفاظ کچھ غیر شاعرانہ سے ہیں، غزل گو شعرا کی زبان سے اس مشکل کا حال سنئے، ۵

جز شہر تو نسبتی نہ انم _____ خونِ جگر سے ہیں روانی
 سخن بے چاکِ دل بربِ نیاید نکتہ سنجار را _____ دیلِ ایں سخنِ صانعِ شکافِ خامہ را ماند
 مجھ کو شاعر نہ کہو تیر کہ صاحب میں نے _____ دردِ دل لاکھوں کئے جمع تو دیوان ہوا
 مصرعہ کبھی کبھی کوئی موزوں کر دے میں _____ کس خوش سلیقی سے جگرِ خوں کر دے میں

غزل گو شعراء کو جو عزت و مرتبہ حاصل ہے وہ اُن کے مستحق ہیں، اگر زمانہ سازگار ہوا تو اُن کی بڑی قدر و منزلت ہوئی،

قدرِ رواں گو ہر سخن کے ریاض
 منہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں
 اگر نہ سازگار ہوا تو تحسینِ سخن شناس اور شاعروں کی واہ واہ کیا کم ہیں، ۵
 شاعر کو مست کرتی ہے تعریفِ شعر کی
 سو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں

ہندوستان میں زبانِ اردو کے آغاز کے ساتھ ہی غزل کا عروج شروع ہوا اور یہ عروج اُسے مدتوں
 اصل رہا، حالی چوٹی کے غزل گو شاعر تھے مگر سرسید کے زمرہ احباب میں داخل ہونے کے بعد انھوں
 نے یہی نہیں کیا کہ ترکِ غزل گوئی کی بلکہ غزل گوئی کو ایک بیکار سی چیز کہی، اُن کے بعد ایک ایسا
 طبقہ پیدا ہو گیا جو غزل کے خلاف اور آزاد نظم کا دلدادہ ہے، پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ
 غزل کی طرف شعراء اور تعلیم یافتہ طبقہ کا رجحان بالکل نہیں ہے، بہر حال جب تک زبانِ اردو
 کا قیام ہے باوجود نشیب و فرازِ روزگار کے غزل کی محبوبیت اور دلکشی قائم رہے گی، غزل کی سی

دلربائی کسی اور صنفِ شاعری میں کوئی کہاں سے لائیگا

جو لگاؤ مجھ کو شعر و شاعری سے تھا اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی اچھا شعر سننے یا پڑھنے کا موقع ملتا تو اُسے لکھ لیتا، اچھے اشعار کی جستجو میں اگر وقت ملتا مطالعہ بھی کرتا، عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، رفتہ رفتہ اس خوشہ چینی سے اشعار کا کافی ذخیرہ ہو گیا،

تمتعِ زہرِ خوشہ گوشتِ یا منتم
زہرِ حسرتِ منے خوشہ یا منتم

۱۹۳۷ء میں اُن اشعار کا گلدستہ ”بہار“ کے نام سے معارف پریس اعظم گڑھ سے نبع ہوا، یہ گلدستہ ادبی حیثیت سے کیا درجہ رکھتا تھا اس کے متعلق میں کیا عرض کروں، متعدد رسائل اور اخبارات میں اس پر تنقید ہوئی، ان رسائل اور اخبارات میں سے ہر رسالہ اور اخبار نے اس کے لئے دو کلمہ خیر کہے، اجاب و کرم فرما بھی اس کے مطالعہ سے محفوظ ہوئے ہمارے محترم کرم فرما مولوی حاجی ابوالحسن صاحب آئی ای ایس ریٹائرڈ انسپکٹر آف سکولس، تو اب تک اس سے جی بھلا لیا کرتے ہیں، پبلک کے ایک مخصوص طبقہ نے بھی اظہارِ پسندیدگی کیا اور گلدستہ کو بہ نظر تحسین دیکھا، اب یہ گلدستہ نایاب ہو رہا ہے، اس سے یہ مطلب نہیں کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ بک گئی، مرزا غالب نے اپنے دیوان کے متعلق کہا تھا کہ ۷

ایں مے از قحطِ خریداری کُن خواہ شد شن

تو پھر موقعِ بہار کو کیا غلط فہمی ہو سکتی تھی، ہوا یہ کہ کچھ جلدیں بکیں، بیشتر تقسیم ہوئیں، جو بچ رہیں وہ تلج کمپنی لاہور کے سپرد کر دی گئیں اور معاوضہ میں دوسری کتابیں لے لی گئیں

بعد تقسیم ملک لاہور سے کتاب منگانا آسان نہیں، اس لئے میں نے ”گلہ ستر بہار“ کے متعلق نایاب کا لفظ استعمال کیا ہے،

ترتیب ”گلہ ستر بہار“ ایک خاص اصول کے ماتحت تھی، منتخب اور چوٹی کے اشعار کے ذریعہ یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ آغاز عشق سے لے کر انجام عشق تک عاشق کس طرح مراحل زندگی اور مراحل محبت طے کرتا ہوا پیوندِ خاک ہو جاتا ہے، کیا کیا مصیبتیں اس پر نازل ہوتی ہیں، اور وہ ان کو کیسے جھیلتا ہے، اُس کی تربت پر کیسی بیکسی برستی ہے اور عرصہ محشر میں وہ کس طرح داؤدِ محشر کو مخاطب کرتا ہے اور اس کا خطاب کس طرح ایک دوسری ہستی کو بے چین اور پریشان کر دیتا ہے، اس غرض کے لئے سیکڑوں سرخیاں قائم کی گئیں اور ہم معنی اور ہم مضمون اشعار ایک سرخی کی تخت میں دُج کئے گئے، سرخیوں کے قائم کرنے میں کافی زحمت ہوئی، اکثر سرخیاں قائم نہ ہو سکیں کیونکہ مناسب اشعار نہ مل سکے، بعض سرخیاں تشنہ رہ گئیں، کچھ ایسی سرخیاں بھی قائم کی گئیں جن کا تعلق براہِ راست عشق و محبت یا زندگی عاشق سے نہ تھا، بہر حال وہ کتاب شائع ہوئی،

بعد اشاعت ”بہار“ بھی سلسلہ مطالعہ اور انتخاب اشعار جاری رہا،

زگینیاں و حسن ازل کی تھیں ستھر

سب کھنچ کے آگئیں نگہ انتخاب میں

آہستہ آہستہ پہلے ذخیرے میں کافی سے زاید اشعار کا اضافہ ہو گیا، پنشن کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ ذخیرہ بھی پہلے ذخیرے کے ساتھ بشکل ”گلہ ستر شائع کر دیا جائے، خیال یوں ہوا کہ

مکن ہے مصروفیت تفکرات دنیوی محو کرے یا کم از کم اُن کی شدت میں کمی کر دے اور اگر کچھ نہ سہی
تو کچھ وقت بجائے بیکاری کے باکاری میں صرف ہو جائے،

بیالے خاموے ماتمِ روایت
پریشاں ساز گیسوے حکایت

پھر خیال ہوتا تھا کہ ”ہمار“ ہی سی کتاب شائع کرنے میں کیا لطف کیونکہ اتنا تو جانتا
تھا کہ ۷

در کمر بستہ مضمون رنگیں لطف نیست
کم دہد رنگ ار کسے بند و خنایے بستہ را

مگر کسی دوسری نوعیت کی کتاب شائع کرنا جس میں اشعار ہی اشعار ہوں اور جو قدر
دھچپ بھی ہو آسان نہ تھا، دوسرا سبب تالیفِ گلستانہ کا یہ ہوا کہ مزید اشعار کے
ساتھ سال جمع کرنے میں قدرے زحمت ہوئی تھی اور قدرے عرق ریزی بھی اور اگر نیا گلستانہ
شائع نہ ہوتا تو یہ محنت رائگاں جاتی، اشعار کے جمع کرنے میں جو زحمت ہوئی اُس کے متعلق
کیا عرض کروں، نہ جانے کتنی کتابیں، کتنے دوادین اور کتنے رسائل زیرِ مطالعہ ہے ۷

سہ یوں لائے داں سے ہسم دل صہ پارہ ڈھونڈ کر

دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اُٹھٹا لیا

یا یوں سمجھئے کہ ۷

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازمِ نداشت

خوشہ چیں بؤدم من آں روزے کہ خرمن داشتم

یہ بھی خیال ہوا کہ آخر اس قصہ پارینہ کے دہرانے میں ہرج ہی کیا ہے ۷

تازہ خواہی داشتن گر داغمائے سینہ را
 گاہے گاہے باز خواں این قصّہ پار سینہ را
 غرض کہ سال و پڑھ سال کاوش کی، سلسلہ مطالعہ بھی جاری رہا اور ترتیب کتاب بھی
 یہ کاوش کبھی کبھی تکلیف دہ ثابت ہوئی اور کبھی کبھی پُر لطف بھی،
 حدیث و دلکش و افسانہ از افسانہ می خیسند
 دگر از سر گر منتم قصّہ زلف پریشان را

اب مجموعہ تیار ہے اور شائع ہو رہا ہے،
 در مخزنِ جگر گہرے چند جمع ہو
 دلال گشت دیدہ بد اماں منہ ختم
 سچ تو یہ ہے ایسا مجموعہ مکمل ہو ہی نہیں سکتا، دنیا کے شاعری ایک بھر ناپید اکٹرا رہے
 نہ جانے اس میں کس قدر گہر ہائے آبدار پنہاں ہیں، کیسے ممکن تھا کہ میری رسائی ہرگز نہ ہوتی

یہ گلدستہ بجائے ”بہار“ کے ”گہمائے پریشان“ کے نام سے موسوم کیا جا
 رہا ہے، غالباً یہ تقاضائے سن ہے کہ جو چیز پہلے شکل بہار نظر آتی تھی وہ اب گہمائے
 پریشان ہو کر رہ گئی، فطرت کا اٹل قانون ہے کہ عمر کے زیادہ ہونے کے ساتھ رنگین
 چیزوں کی رنگینی بھی کم ہو جاتی ہے، بیس چیس سال پہلے ایک اچھا شعر ایک ہفتہ تک بخود
 کرنے کے لئے کافی تھا، اب اگر زبان سے اتنا بھی نکل گیا کہ شعر اچھا ہے تو بہت ہے

یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ موجودہ گلدستہ بالکل ”بہار“ ہی سا ہو اور فرق محض حجم میں ہو اس لئے اس میں چند باتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے، ”بہار“ میں ترتیب اشعار یوں تھی کہ موجودہ شعرائیں سے کسی کا شعر درج ہے، اس کے بعد ہی کسی استادِ دورِ اول یا دورِ متوسط یا دورِ آخر کا، اس ترتیب میں آسانی تھی اور لطفِ تقابل بھی، مگر تقدّم اور تاخّر کے لحاظ سے یہ ترتیب موزون نہ تھی،

پارہٴ دل بر جگر نختِ جگر بر روئے دل

پارہ ہارا دو حتم آتا پریشاں دو ختم

پہلا اضافہ اس مجموعے میں یہ ہے کہ اشعار کی جگہ کا تعین تقدّم اور تاخّر کے لحاظ سے کیا گیا ہے، اس میں جو زحمت ہوئی اُس کا انداز قارئین شاید نہ کر سکیں، اساتذہ کے دور کے تعین میں کافی چھان بین کرنی پڑی، غیر معروف شعرا کی جگہ کے تعین میں تو بڑی مشکلیں پیش آئیں، اس سے بڑھ کر یہ مشکل تھی کہ بہت سے اشعار ایسے ہیں جن کے متعلق یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کن کے ہیں، ایسے اشعار کی جگہ کا تعین محض اُن کے الفاظ اور بندش کے لحاظ سے کیا گیا، ظاہر ہے کہ ایسے اشعار کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صحیح جگہ پر ہیں، کافی کوشش کے بعد بھی مجھے یقین نہیں کہ ہر شعر اپنے صحیح مقام پر ہے، دوسرا اضافہ یہ ہے کہ جن اشعار کے متعلق ادبی لطائف معلوم تھے وہ لطائف درج کر دئے گئے، مقصد یہ ہے کہ اشعار پڑھتے پڑھتے طبیعت اُگتا نہ جائے، بعض بعض لطیفے دلچسپ ہیں جن سے قارئین محفوظ ہونگے، یہ لطیفے صحیح ہیں یا غلط اس کے متعلق تحقیق کے ساتھ میں زیادہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ نہ تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی نہ تحقیق کر سکتا تھا، مگر بیشتر لطائف صحیح ہیں، اگر یہ لطائف صحیح نہ بھی ہوں جب بھی ان میں

ایک کیفیت ہے جو لطافت دے جائیگی، ان لطافت کے شامل کرنے سے کتاب کا حجم قدرے زیادہ ہو گیا ہے۔

یوں ہی فسانہ، مشبہجراں دراز تھا
پھر اس پہ بیچ بیچ میں یہ داستانِ دل

تیسرا اضافہ یہ ہے کہ چند ہندی کے اشعار بھی درج کر دیے گئے ہیں، فارسی اور اردو کے اشعار کے مقابلے میں ان کی تعداد نہیں کے برابر ہے، مگر میں ہندی نہیں جانتا کرتا کیا ورنہ دائعہ تو یہ ہے کہ ہندی زبان میں بیش بہا اشعار کی تعداد کافی ہے، چونکہ اضافہ یہ ہے کہ اساتذہ سابق کی تصویریں شامل کر دی گئی ہیں، غالباً قارئین اس اضافہ کو پسند کریں گے۔

لیکن ہے ترتیب کتاب قارئین کو پسند نہ ہو، بہر کیف اس کا زیادہ اثر نہ ہونا چاہئے قارئین سرخسوں کو نظر انداز کر کے اور ان سے آزاد ہو کر گلدستہ کا مطالعہ کر سکتے ہیں، شاید ہی کوئی صغیر ایسا ہو جس پر چوٹی کے دو چار شعر نہ ہوں،

بہت سے شعرا سے زیادہ سرخیوں کے تحت میں آگئے ہیں، مجھے معلوم تھا کہ
بزرگِ چہ سحر آمیز باشد
طبیعت را ملال انگیز باشد

اس لئے میں نے کوشش کی کہ ایک شعر ایک ہی جگہ درج ہو مگر ممکن ہے فرد گزشت ہو گئی ہو، علاوہ اس کے کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جو صحیح معنوں میں ایک سے زیادہ سرخیوں کے تحت

میں لکھے جاسکتے تھے اور لکھے گئے،

انتخابِ اشعار کا معاملہ ذاتی ذوق اور پسند پر منحصر ہے، پھر بھی اس میں ذوقِ سلیم کو کافی اہمیت حاصل ہے، ذوقِ سلیم کیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اس کی تعریف مشکل ہے، بہر حال اگر اس کی تعریف لازمی سمجھی جائے تو میں یہ عرض کر دوں گا کہ ذوقِ سلیم وہ قوتِ سخن فہمی ہے جس کے ذریعہ سے شعر کا صحیح مفہوم سمجھا جاسکے، اور اس کے مرتبہ کا صحیح تعین کیا جاسکے، شاید اس قوتِ سخن فہمی کو میں ایک مثال سے واضح کر سکتا ہوں، مدت ہوئی میں نے بیدل کا شعر

تجدیدِ نازِ آشفۃ رنگِ لباسِ آرائیت
بے پردگی دیوانہ طبعِ نعتابِ افکنیت

مرزا ثاقب مرحوم کو سنایا، شعر سننے کے بعد انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اس مضمون کا مرزا داغ کا ایک شعر ہے جو کہیں زیادہ صاف اور رواں ہے، مرزا داغ کا نام سن کر میں نے چونکا، لیکن جب مرزا ثاقب مرحوم نے شعر سنایا تو معلوم ہوا کہ ذوقِ سلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ سے اشعار کے صحیح معنی سمجھے جاسکتے ہیں اور اس کے مرتبے کا صحیح تعین ہو سکتا ہے، مرزا داغ کا شعر آپ نے سنا ہو گا اور میں بھی سن چکا تھا، ممکن ہے آپ کا ذہن شعر کے اس مفہوم کی طرف منتقل ہوا ہو جو مرزا صاحب نے بتلایا لیکن میرا ذہن تو کبھی اس مفہوم کی طرف منتقل نہیں ہوا، شعر سننے سے

✓ خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

ملاحظہ فرمایا آپ نے، ایک ذوق سلیم رکھنے والے انسان نے اس شعر کے معنی کو صحیح سمجھا اور کس قدر بلند کر دیا گویا ڈرے کو آفتاب کر دیا، کہاں شاہد مجازی کا پس چلین ہونا اور قدرے چھیننا اور قدرے ظاہر ہونا اور کہاں شاہد حقیقی کا اسی ادا کو اختیار کرنا، ذوق سلیم کہاں سے کہاں پہنچا

ذوق سلیم بھی حالات کے تابع ہوتا ہے، اگر آپ خوش و خرم ہیں تو رنج و غم والے اشعار آپ کو پسند نہ آئینگے اور اگر آپ پر رنج و غم کی گھٹنا چھائی ہوئی ہے تو سرخوشی والے اشعار یوں ہی سے معلوم ہونگے، علامہ عبدالرحمان مصطفیٰ مرآۃ الشعر نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے یہ مسئلہ صاف ہو جائیگا :-

میرے ایک مکرّم دوست ہیں، جوانی میں بی بی کا انتقال ہو گیا، مدتوں آپر رہے اور تڑپتے رہے، مگر زمانہ آخر صبر کی سل چھاتی پر رکھ کر مانا، ایک دن اُن کے ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں، شدہ شدہ شعر کا ذکر آگیا، کہنے لگے ایک دن لیٹا ہوا بیاض ہاتھ میں لئے اشعار پڑھ رہا تھا یہ شعر آگیا :-

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات

ہنس کر گزار یا اُسے رو کر گزار دے فراقِ درم سہم

پڑھ کر دل پر چوٹ لگی اور یہ کہہ کر بیاض پھینک دی، ہنس کر کیوں کر گزار دے، ایک دن پھر وہی مشغلہ تھا، اُسی بیاض میں یہ شعر نظر آیا :-

اے شمع صبح ہوتی ہے رفتی ہے کس لئے

تھوڑی سی رہ گئی ہے اے بھی گزار دے عیش سوا

شعر کے پڑھتے ہی معلوم ہوا کہ کسی نے ڈوبتے کو پانی سے نکال لیا اُسی دن

سے کچھ صبر آگیا، اب تھوڑی بہت جو کچھ ہے، تھوڑی کے خیال سے گزری جا رہی ہے۔“

شعر دونوں اپنی اپنی جگہ پر اچھے ہیں، لیکن غمگین جذبات نے ایک کو ٹھکرایا اور دوسرے کو پسند کیا۔

دو شخص ذوق سلیم رکھتے ہیں، اس کے یہ معنی ہرگز نہ ہونگے کہ یہ دونوں ہر شعر کو ایک ہی مقام دیں یعنی اس کے مرتبے کا تعین دونوں ایک ہی کریں، ایک صاحب سے خاکسار خوب واقف ہے، وہ ذوق سلیم رکھتے ہیں، انھوں نے فانی کے شعر

وہ اٹھا شور محشرِ آحسری دیدارِ میت پر

اب اٹھا چاہتی ہے لاشِ فانی دیکھتے جاؤ

کی کئی بار تعریف کی ہے اور یہ کہہ کر کہ میں نے ایسے مناظر آنکھوں سے دیکھے ہیں فانی نے کیا صحیح تصویر کھینچی ہے! مولانا عبدالسلام ندوی کے ذوق سلیم سے کون منکر ہو سکتا ہے، اُن کا خیال ہے کہ جذبہٴ غم کا اظہار اگر صاف لفظوں میں کیا جائے تو اُس سے کراہیت پیدا ہوتی ہے اور لکھنؤ کی شاعری کو اسی جذبہ کے علانیہ اظہار نے نہایت مکروہ کر دیا ہے، اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ دورِ جدید کے قنوطی شاعر بھی اس مکروہ طرزِ ادا سے نہیں بچ سکے، مثال کے طور پر انھوں نے فانی کا مذکورہ بالا شعر پیش کیا ہے۔

دوسری مثال سنئے، ایک صحبت میں ایک صاحب نے زیب النساء کا یہ شعر پڑھا ہے

چوں وعدہ دیدارِ تو افتاد بہ محشر

کارم ہمہ افتاد بغیرِ قیامت

اور اس کی تعریف کی، دوسروں نے بھی تعریف کی، مرزا ثاقب مرحوم موجود تھے، انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہتر شعر سنو، اور کسی استاد کا یہ شعر پڑھا ہے

وعدہ وصل بفردا نہی و می دانی

ہر کہ امروز ترا دید بفسردا نرسد

زیب الفسار کا شعر پڑھنے والے زیب الفسار ہی کے شعر کو ترجیح دیتے رہے اور مرزا ثاقب مرحوم استاد کے شعر کو

ایک اور مثال سن لیجئے، بیخود موبانی کا شعر ہے :

نشین بچونکنے والے اب اپنی زندگی یہ ہے

کبھی روئے کبھی سجے کے خاکِ نشیمن پر

خوب شعر ہے مگر میں نے ایک رسالہ میں دیکھا کہ ہمارے صوبے کے ایک مشہور شاعر نے اس شعر کی وہ گت بنائی کہ الامان و الحفیظ

حاصل کلام یہ کہ ایک شخص باوجود ذوقِ سلیم رکھنے کے بھی اشعار کے انتخاب میں دوسروں کے نکتہ نظر سے غلطی کر سکتا ہے، مجھے تو ذوقِ سلیم رکھنے کا دعویٰ بھی نہیں، اس لئے گزارش ہے کہ اگر اشعار کے انتخاب میں ذوقِ سلیم سے کام نہ لیا گیا ہو تو قارئین اس کو میری کم مانگی پر محمول کریں، اپنی دانست میں انتخابِ اشعار میں میں نے کافی احتیاط سے کام لیا ہے، عموماً ایسے شعر منتخب کئے ہیں جن کے متعلق از دل خیزد و بردل ریزد والا فقرہ استعمال کیا جاسکے، پھر بھی اختلاف رائے کا امکان ہے، بصورت اختلاف رائے میں یہ عرض کر دینگا کہ

شنیدم اُنچہ از پاکانِ ملت
ترا با شوخی زندانہ گفتم

اس وقت اردو خطرات سے محصور ہے، بڑی بڑی محترم اور مقدس ہستیاں
اس کے درپے آزار ہیں، نہ جانے اردو غریب نے کیا خطا کی ہے، بہر حال ہے
مقتوب، سہ

مُلا بنا دیا ہے اسے بھی محاذِ جنگ
اک صلح کا پیام بھی اُردو زبان کبھی
اس بُرے وقت میں بھی اُردو کی محبوبیت میں چنداں فرق نہیں، کم از کم اہل نظری
سمجھے ہیں سہ

کسے کہ محرم بادِ صبا ست میداند
کہ باوجود خزاں بچے یا سمن باقیمت
امید ہے کہ انصاف پسند طبقہ اُردو کا ساتھ دیگا اور اُن خطروں میں بھی کمی ہو جائیگی
جن سے اُردو محصور ہے،

فاکسار کی عمر کا بیشتر حصہ ملازمت میں گزرا، وہ کام جو میرے تعلق تھا اُس کو ادب سے
دُور کا بھی واسطہ نہ تھا، اہل علم اور اہل ذوق کی صحبت بہت کم میسر ہوئی، ہاں سہارنپور
کا قیام البتہ اس سے مستثنیٰ رہا، جہاں مجھے جعفر عباس صاحب جعفر سے اکثر علمی اور
ادبی گفتگو رہا کرتی تھی، ایسی صورت میں اس محبوبہ کو صحیح معنوں میں مکمل کرنا میرے

بس کی بات نہ تھی، بہر حال طبیعت کو شعر و سخن سے لگاؤ رہا ہے اور اب تک ہے، اس لگاؤ کو میں بصورتِ عذرِ اشاعت پیش کرتا ہوں۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کے غمبیدہ کا

اس کتاب کی اشاعت کا مقصد ذاتی نام و نمود نہیں، مجھے اپنی بے کمالی کا احساس ہے اور میری گناہی اس کی دلیل ہے، قارئین سے توقع ہے کہ لغزشوں کو نظر انداز کرینگے، اگر اس کتاب کے مطالعہ سے کچھ لوگوں کا کچھ وقت بھی روحانی مسرت اور سکون میں گزرا تو میں سمجھوں گا کہ محنت رائے گاں نہ گئی۔

ما نقتدر صرف رہ یار کردہ ایم

کاریکہ کردہ ایم ہمیں کار کردہ ایم

باوجود فطری خاکساری کے جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر بشرطِ اجازت دو شعر علامہ شبلی کے پیش کروں۔

سالمہا گوشیں جہاں زمزمہ زار خواہد بود

زیں نواہا کہ دیوں گنبد میسنار زدہ ام

ساعسر زندگیم حیف کہ جسزدر دنداشت

مگر این جرعه آحسر کہ بیایاں زدہ ام

اب شاید کسی دوسری کتاب کی تالیف کی ہمت نہ ہو، نہ سر میں سرخوشی ہے نہ جذبات

میں اُنک ے

پانی وضو کو لاؤ رخِ شمعِ زرد ہے

مینا اٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

اب طبیعت سکون چاہتی ہے ے

ہدایتا بکے چوں موجِ بیتابِ سفرِ باشم

ہزنگِ آبِ گوہرِ آرمیدن آرزو دارم

مگر اس دنیا میں سکون کہاں میسر! اب میں آپ حضرات سے رخصت ہوتا ہوں اور
سمعِ خراشی کے لئے عذر خواہ ہوں ے

سکِ میری قیمت سے انہی پائیں یہ حُسنِ قبول

پھول ہم نے کچھ چُنے ہیں اُن کے اُمن کے لئے

الیاس احمد

سہ ماہِ مارچ ۱۹۵۷ء

بنام شاید نازک خیالان
عزیز خاطر آشفته حالان
فہیمت

حمد

اے برتر از خیال قیاس گمان و دھم
دفعہ تمام گشت و پایان رسید عمر
تو خود چو لعبتی اے شہسوار شیریں کا
پر توے حسنت نہ گنجد در زمین آسمان
اے در رنگ و پوئے تو ز آغانہ
یہ شعر فیضی کی شنوی نلدن کا ہے، دوسرا مصرعہ یوں تھا :-

طاؤس نطفہ بلند پرواز

جب فیضی نے شعر سنایا، عرفی نے کہا "طاؤس را چہ پرواز از این بام تا آن بام، عفا
گو"۔ فیضی نے مشورہ قبول کیا،

اے متاع درد و راز ارجان انداختہ
ہمہ جاز تو گفت گویے بہت
یک چراغیست درین خانہ کہ از پر تو آن
ہر کجای نگہی انجمنے ساختہ اند

بانی خانہ و تبحر خانہ میخانہ یکسیت ^{رای} چن در بھان خانہ بسیار ولے صاحب ہر خانہ یکسیت

اے بوصفت بیان ماہمہ ہیچ ہمہ آن تو آن ماہمہ ہیچ
ماکنہ حقیقت نہ رسم ^{جان آرا} اے یقین گمان ماہمہ ہیچ

آفتاب از پر تو خوش است اُمم در حجاب نامرئی آتشکار اگر دہ خود را و پنهانی ہنوز
در بحر وجودش دو جہان نقش آب است یہ غلجید باہستی اوستی ماہچو سراب است
تجدید ناز آشفقہ رنگ لباس آرائیت بیدل بے پردگی دیوانہ طرح نقاب افگندنت
آسمان خم بر سر کوئے تراز تعظیم شد افصح عمر این محوار ادت صرف یک تسلیم شد
اے نام تو زینت زبانا حنین حمد تو طراز داستانہا

کس نیست در جہان کہ بجان بائل تو نیست ^{یکارام} افسوس اینکہ جلے کسے در دل تو نیست
یک تیر بصد سینہ یک رُو بصد آئینہ — یک شاہ بصد کشور یک ماہ بصد ایوان
چشم وحدت بکشا سجد و میخانہ یکسیت حینی خانہ بسیار ولے صاحب ہر خانہ یکسیت
آنکہ در دو جہان نمی گنجد نیاز در دل دروند خانہ دوست

کہ کشید دامن فطرت کہ بقید ما و من آمدی قرۃ العین تو بہار عالم دیگری ز کجا باین چمن آمدی
بتون کی بھی یہ یاد ہے چند روز ^{پیر سجاد} ہمیشہ ہے نام اللہ کا
رونق اسلام تیرے رُو سے ہے یک رنگ کفر کا رشتہ تری گیسو سے ہے

پرستش کے قابل تو ہے اے کریم کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم
دہی نور ہے سب جگہ جلوہ گر ^{میر حسن} اُسی کے یہ ذلے ہیں شمس و شمر

جلوہ ہر رنگ میں اُس بت ہر جانی کا قائم یہ پریشان نظری جرم ہے مینائی کا
ہر سنگ میں شرار ہے تھے ظہور کا سودا موسیٰ نہیں کہ سیر کر وں کوہ طور کا

صورت ہمیں اُس محسوس کی پہچان اگر آئے سودا ہرزہ میں کچھ اور ہی جھمکا نظر آوے
 اُس کے فروغِ حسن سے جھکے ہو سب میں ہر شمع حرم ہو یا کہ دیا سوسنات کا
 نظر آگیا جو وہ جلوہ نہیں ہے تابان اُسے دیکھنا کچھ تماشا نہیں ہے
 وہ کون دل ہے جہاں جلوہ گر وہ نور نہیں یقین اُس آفتاب کا کس ذرے میں ظہور نہیں
 ہے جلوہ گر وہ ہم میں پر آلودگی سے دو ذرا لہجہ تا جس طرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا
 کمالِ قدرتِ حق ہے نظیر کیا کہتے تپ کر آگیا جو شاہ کو ہے وہی ہے گد کو عیش و طرب
 بندہ ہوں حسنِ سیرت و عشقِ مجاز کا تمنون ہر آئینہ میں جلوہ ہے اُس جلوہ ساز کا
 وہ آیا نظر بار بار پر کسی نے عشق یہ حیرت ہے اُس کا سراپا نہ کھیا
 نہ ترے عشق میں بلبل ہی کو نالان دیکھا ہر اُفتاب چاک ہر گل کا گلستان میں گریبان کھیا
 حسنِ پری اک جلوہٴ متانہ ہے اُس کا آتش ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُس کا
 جو چشم کہ حیران ہوئی آئینہ ہے اُس کا جو سینہ کہ صد چاک ہو آئینہ ہے اُس کا
 وہ یاد ہے اُس کی کہ بھلائے دو جہان کو حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُس کا
 یوسف نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُس کا
 شکرانہ ساقی ازل کرتا ہے آتش بریزے شوق سے پیمانہ ہے اُس کا
 عاجز نواز دوسرا تجھ سا کوئی نہیں دلہ رنجور کا انیس ہے حمدِ علمِ لیل کا
 دل و دیدہ اہلِ عالم میں گھر ہے دلہ تمہارے لئے ہیں مکان کیسے کیسے
 معرفت میں تیری ذاتِ پاک کے دلہ اُڑتے ہیں ہوش و حواسِ ادراک کے
 خداوندِ ارض و سما ایک ہے زند قسم ہے خدا کی خدا ایک ہے
 ترا حسنِ ہم جلوہ گر دیکھتے ہیں جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں

کہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے غائب پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے
 حرم و دیر میں ہے جلوہ پُرفن اُن کا منیر دو گھروں کا ہے چراغ اک سُرخ روشن اُن کا
 زمین و آسمان کی زینتوں پر غور کرنے سے دل پس پردہ کوئی رنگین ادا معلوم ہوتا ہے
 ذات معبود جاودانی ہے شوق لکھنی باقی جو کچھ بھی ہے وہ فانی ہے
 کعبہ و دیر میں جلوہ ہے نمایان اُن کا فیا بہار دو گھروں کا ہے چراغ اک سُرخ تابان اُن کا
 دل گبر و مومن میں تیری جگہ ہے نورِ سلیمان صنم ہے کسی کا خدا ہے کسی کا
 لالہ و گل میں اُسی رشکِ چمن کی ہے بہا اتنی غازیو باغ میں کون ہے لے با و صبا کیا کہنے
 بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار دل اُس پہ گھونگٹ یہ کہ صورت آجک نا دید ہے
 ذرہ ذرہ سے تجلی آشکار دیگر صاحب جلوہ مگر رُپوش ہے
 تو رنگ بہار ہے چمن میں سدرشن تو شعلہ شمع انجمن میں
 گر دون پہ مہ و مہر گل و شمع زمین پر جلیل اک جلوہ جاناں ہے کیس اور کیس اور
 مے بے رنگ کا ہر رنگ میں رسوا ہونا امیر کبھی میکیش کبھی ساتی کبھی مینا ہونا
 کہ کے کچھ لالہ و گل رکھ لیا پردہ میں نے دل مجھ سے دیکھا نہ گیا حُسن کا رسوا ہونا
 کس درجہ حُسن و صورت ہے بے پردہ آشکار دل صدا بحساب صورت و معنی لئے ہوتے
 ہر طرف پیش نظر ہے وہ جمال و دلفریب حُسن دیکھتے ہیں یوں بہار گلشنِ اسیا دھم
 میسر ہو کسے دیدار اُس کا اقبال کہ ہے وہ رونقِ محفل کم آیت
 چھپتی پھرتی ہے گلون میں بنکے حُسنِ رنگ بو شکار کندگی لبلی فطرت کو شاید ہے یہی محفل عزیز
 گر لے قطرہ شبیم گلون کے امن پر فانی تجلیات کے دریا بہا دے تو نے
 باغ میں بل و گل بزم میں پروانہ و شمع بھیس ملے ہوئے پھرتی ہے محبت تیری

دھوکا قدم قدم پہ تری بزم ناز کا ^{جگر} مراد آباری کیا سخت مرحلہ ہے طلسم مجاز کا
 ہزار دن قربتوں پر یوں مرا بھور ہو جانا دل جہان سے چاہنا اُس کا وہیں سے دور ہو جانا
 تو نے سو سوز نگ سے پروا کیا دل دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا
 بہارِ لالہ و گل شوخیِ برق و شر ہو کر دل وہ آئے سامنے لیکن حجاباتِ نظر ہو کر
 جیسے کہ تم آئینہ میں ہو اور نہیں ہو افسر ایسے ہی ہر اک شے میں خدا ہے بھی نہیں بھی
 غبارِ قیس بن کر لیلیٰ محسوس نشین ہو کر سہیل عیان ہیں کچھ کہیں ہو کر نہان ہیں کچھ کہیں ہو کر
 جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے اتحد جو ہے اپنا نظر نہیں آتا
 کیا کوئی کہے اُس کی حقیقت کہ وہ کیا دل ہاتھ آئے تو بُت ہاتھ نہ آئے تو خدا ہے
 وہ بارگہِ عالی خود سب سے مستغنی تجدو آئے جسے آنا ہے جائے جسے جانا ہے
 کون ترانہ ریز ہے پردہ ساز میں مزاج مزاج کس کی صدائے جانِ فرا سمع نواز گوش ہے

نعت

یا رسول اللہ حبیبِ خالقِ یکتا توئی شمسِ تبریز برگزیده ذوالجلالِ پاک بے ہمتا توئی
 بہر سو رقصِ سبیل بود شب جائیکہ من بودم خرو محمد شمعِ محفل بود شب جائیکہ من بودم
 خطِ سبز و لبِ لعل و رخِ زیباداری دلہ خطِ شیدہ و شکل و شمائلِ حرکات و سکنات
 اے چہرہ زیبائے تور شکِ بتانِ آذری دلہ ہر چہ دو صفت می کنم در حسن از ان زیباتری
 تو از پری چاک تری و زبرگ گلِ نازک تری دلہ دوزہر چہ گویم بہتری حقا عجائبِ دلبری
 آفاقا گردیدہ ام مہرِ بتان و رزیدہ ام بسیار خوبان دیدہ ام اما تو چیزے دیگری
 عالمِ ہمہ بنمای تو خلقِ خدا شیدائے تو دینِ نرگسِ عنائے تو آورده رسمِ دلبری
 من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جانِ خبر و غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما
 من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جانِ خبر و غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما
 امروز شاہِ انجمنِ دلبرانِ کیست مافقہ دلبر اگر ہزار بود و بسد آن کیست
 گویم ہر پاک تو از مدحتِ ماستغنی است دلہ دستِ مشاطہ چہ با حسنِ خدا داد کند
 اے دلِ غلامِ شاہِ جان باش و شاد باش دلہ پیوستہ در حمایتِ لطفِ الہ باش
 بہارِ عالمِ حُشّش دلِ جانِ نازہ میداد — بہ رنگِ اربابِ صورتِ ابہ بویاربابِ معنی
 برنگِ صورتِ تصویرِ احمدِ عربی مفتحون دگر نہ از قلمِ صورتِ آفرینِ برخواست

دہ تخی عشق احمد بندگان چیدہ خورا
 بہ خاصان شاہ می بخشد مئے نوشیدہ خورا
 ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر عزت بجاری
 نفس گم گردہ می آید جنبید و بایزید اینجا
 سرخوش از بادہ تو خم شکنے نیست کہ نیست اقبال
 مست لعلین تو شیرین سخن نیست کہ نیست
 در قبلے عربی خوشترک آئی بہ نگاہ
 راست بر قامت تو پیرہنے نیست کہ نیست
 تا حدیث تو کنم بزم سخن می سازم
 ورنہ در خلوت ما انجمنے نیست کہ نیست
 گلستان میں جا کہ ہر اک گل کو دیکھا گویا
 نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
 رسول ہاشمی نبیوں میں ختم الانبیا ٹھہرے اتیر
 حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوب خدا ٹھہرے
 او مدینے میں خدائی کے بلانے والے محمد
 منتظر اور بھی دو چار ہیں آنے والے
 محمد وہ کتاب کون کا طفرائے پیشانی سہیل
 محمد وہ حریم قدس کا شمع شبستانی
 تعالیٰ اللہ ذات مصطفیٰ کا حسن لاشانی
 کہ کیا جمع ہیں جس میں تمام اوصا امکانی

حُسن

دستے کہ در پیالہ حُسنِ شراب رنجیت — در دے کہ ماند کہ در قرح آفتاب رنجیت
 دامن نگہ تنگ گلِ حُسن تو بہارِ عشقِ گلچین بہارِ تو ز دامن گلہ دارد
 اے حُسن تو آتشِ صحرائے قیامت زیبا نسّا دین ناز تو بر ہم زدنِ غوغائے قیامت
 دستے کہ پیکرے تو بدین آبِ تابِ یخت بخود موہانی گردِ رہت بر آئینہ آفتابِ یخت
 اُس حُسنِ نیم رنگ کے صدفے کہ جس کی بچ قائم ہلکی سی ایک شوخی کی تہ ہو حیا کے ساتھ
 وہ کیا کچھ نہیں حُسن کے شہر میں تیر نہیں ہے تو رسم وفا ہی نہیں
 — تکلف سے بری ہے حُسنِ فانی آتش قبای گل میں گل بوڑ کمان ہے
 جلوہ ماہ ایک شبِ فصلِ بہار چارون — بزمِ جہان میں کس قدر حُسن بھی بے ثبات ہے
 یہ شبابِ حُسن یہ حُسنِ شبابِ حیرت حشر تک اُن پر ہی عالم ہے
 وہ مصوّر تھا کوئی یا آپ کا حُسنِ شبابِ آبی غازی پوری جس نے صورت دیکھ لی وہ پیکرِ تصویر تھا
 الٹی کیسی کیسی صوئیں تو نے بنائی ہیں اکبر الہ آبادی کہ ہر صورت کیلجے سے نگالینے کے قابل ہے
 حُسن کی جس خریدار لئے پھرتی ہے — ساتھ بازار کا بازار لئے پھرتی ہے
 چتون سے میں نے جان لیا تھا اُنھیں مگر جلیل حُسنِ نظر فریب نے دھوکا دیا مجھے
 اللہ اللہ حُسن کی یہ پردہ داری دیکھئے آرزو بھید جس نے کھولنا چاہا وہ دیوانہ ہوا
 اب نہ کہیں نگاہ ہے اور نہ کوئی نگاہ میں اصغر محو کھڑا ہوا ہوں میں حُسن کی جلوہ گاہ میں

اللہ اللہ رے اُس بت کا جمال — دیکھ کر جس کو خدا یاد آیا
 حُسن اُن کا بہ مستزاج وفا حُسنِ اک نمونہ تھا بے مثالی کا
 جنون کا نام خرد رکھ دیا خسرو کا جنون دل جو چاہے آپ کا حُسن کر شمع ساز کرے
 حُسن سے بہتر نہیں جادو کوئی چرخِ نظر نگری حُسن سے بڑھ کر کوئی افسوس نہیں
 اُٹھی تھی بحرِ حُسن سے اک موج بے قرار سہیل فطرت نے اُس کو پیکرِ انسان بنا دیا
 حُسن کی جلوہ ریزیاں جیب میں کائنات میں غرق رنگِ ثبات آگیا ہستی بے ثبات میں
 جذبِ حُسن یار کا ہم یہ اثر دیکھا کئے خلق شوق اتنا ہی بڑھا جتنا اُدھر دیکھا کئے

عشق و محبت

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما مولنا روم اے طیبِ جملہ علتہائے ما
 عاشقی پیدا است از زاری دل دلت نیست بیماری چو بیماری دل
 بہ عالم ہر کجا درد و غمے بود عاقبتی بہم بردند و عشقش نام کردند
 قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز و دم درکش حسنِ حسنِ این قصہ عشق است در دفتر نمی گنجند
 چہ درد است این کہ عشقش نام کردند صفتی دزد آشوب خاص و عام کردند
 نہ تنہا عشق از دیدار خیزد جاتی بسا کین دولت از گرفتار خیزد
 مرا فروخت محبت و لے نمیدانم حیم خان خانان کہ مشتری چہ کس است و بہای من چند است
 عشق در اول آخر ہمہ وجد است و سماع طالب ابنِ شرا بیت کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است
 یہ شعر ان چار شعرون میں سے ہے جو ہانگیر نے ترک میں طالب کو ملک الشعرا کا خطاب دیتے وقت انتخاباً
 درج کئے ہیں، جی چاہے طالب کے بقیہ تین شعر بھی سن لیجئے :-

لب از گفتن چنان بستم کہ گوی (۱) دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد
 ز غارتِ چمن بر بہار منتہا است (۲) کہ گل بدست تو از شاخ آزار تر باشد
 دو لب خواہم کی در مے پرستی (۳) یکے در عذر خواہی ہائے مستی
 عشق حقیقت مجازی لگیر ——— این دم شیر است بہ بازی لگیر
 شد طیب ما محبت منتش بر جان ما ظہوری محنت ما راحت ما درد ما درمان ما
 نہ طربا نہ شادمانہا است نسبتی عشق و سواس و بدگمانہا است

قیمت دوستی چہ می پرسی نسبتی عاشقی صد زیان یک سود است
 نورِ معشوقِ ازل در دلم از یار افتاد مردِ طاهر و جید عکسِ خورشید ز آئینہ بہ دیوار افتاد
 جتنے کو کہ از قیدِ خرد بیرون کشم پارا غنی کتم ز بخر پائے خویشین امان صحرار را
 عشق بر یک فرش بنشانند گدا و شاہ را دل میل کیسان میکنند پست و بلند راہ را
 سرِ دغم عشق بوالہوس راند ہند سرد سوز دل پر و اند گس راند ہند
 عسکر باید کہ یار آید بکشتا این دولت سر دہمہ کس راند ہند
 دو عالم با خننِ نیرنگِ عشق است — شہادتِ ابتداء جنگِ عشق است

یعنی دونوں عالم کو ہار جانا عشق کا کھیل ہے اور شہید ہو جانا عشق کے معرکہ کی ابتدا ہے

محبتِ جادۂ دارد درونِ خانہ دلہا ناصر علی علی چو تارِ سمجہ گم گردید این رہ زیرِ نرنگِ
 عشق تند افسردہ طبعان را بہ جوش آرد علی دلہا میل سازد گرمیِ خورشیدِ چشمہٴ یخ بستہ را
 عشقِ عالم سوز را با کفر ایمان کا نیست دلہا گردن مادر کندِ سمجہ و زنا نیست
 طمعِ فاتحہ از خلقِ ندر ایم نیل نیاز عشقِ من در پسِ من فاتحہِ خوانم باقیست
 یا زجانان یا زجان بایست دل برداشتن قاتنی رسمِ الفت نیست بایک دل دو و لبرداشتن
 ندر و عشق سامانے و یکس تیشہ دارد اقبال خراشد سینہ کسار و پاک از خون پر ویر است
 وہی خانہ خراب بس دکھ کو جانے میر سجا سجا کہ جس کا عاشقی کے پہنچ گھر جائے

ہوس سے ہم کیا تھا عشقِ اول قائم وہی آخرہ کو ٹھہرا فن ہمارا
 قائم آتا ہے مجھے رحمِ جوانی تہ سیری دلہا مرچکے ہیں اسی آزار میں بیمار بہت
 ہوس ہے عشق کی اہل ہوا کو ہم تو میان دلہا سنے سے نامِ محبت کا زرد ہوتے ہیں
 عشق ہے تازہ کار تازہ خمیال تیر ہر گھبہ اُس کی اک نئی ہے چال

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا تیر کہیں سینے میں آؤ سہ ہوا
 کہیں آنکھوں سے ہو کے خون بہا کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
 محبت ہے یا ہے کوئی جی کارگ دل سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا
 دل لگا ہو تو جی جہان سے اٹھا دل موت کا نام پیار کا ہے عشق
 اکے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہا دل دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں
 ہم طور عشق سے تو دامن نہیں میں لیکن دل سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کئے ہے
 حُسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش دل رفتہ رفتہ دلبران کے کان میں بالے پڑے
 آگے تو بہت دھوم تھی مجنوں کے جنوں کی تاباں اب گرم مرے دم سے ہے بازار محبت
 عشق کیا شے ہے کسی کامل سے پوچھا چاہئے دل کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہئے
 روداد محبت کی مت پوچھ یقین مجھ سے یقین کچھ خوب نہیں سُننا افسوں ہے یہ افسانہ
 کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق دل اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دو انہیں
 عشق میں امتیازِ رتبہ نہیں دل ای وفا خاکپاے ایاز ہے محمود
 تشبیہ کس مزہ سے میں لذت کو اُس کی دن جرات کچھ دل ہی جانتا ہے مزہ دل کی چاہ کا
 کرے بخود وہ سودا ہے محبت خدا جانے کہ کیا شے ہے محبت
 عشق سے کس کے دل کو لاگ نہیں ناتخ کون سا گھر ہے جس میں آگ نہیں
 وصل میں احتمالِ شادی مرگ متون چارہ گردِ دلادوا ہے عشق
 خط بڑھا کا کل بڑھے زلفین بڑھیں گیسو بڑھے ذوق حُسن کی سرکاریں جتنے بڑھے ہندو بڑھے
 کس درجہ تنگ ہوں تم سے ہاتھوں کے جنوں رند لاؤں کہاں سے روز گریبان نئے نئے
 اے دل تمام نفع ہے سوداے عشق میں منقح صدرین اک جان کا زیان ہے سو ایسا زیان نہیں
 خان آذرہ

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے
 محبت ہو کسی کی یا عداوت نیم دہلوی مزدے جائیگی جو دل سے ہوگی
 شاید اسی کا نام محبت ہے شیفۃ شیفۃ اک آگ سی ہے سینہ کے لذر لگی ہوئی
 ساری دنیا سے جدا تھی میری طرزِ میکشی صغیر تھی محبت اس کی صہبادل مرا پیمانہ تھا
 سرمایہ سوز و ساز ہے عشق عیش نیرنگ نیاز و ناز ہے عشق
 نواب مرزا شوق نے شنوی بہار عشق میں عشق کے فلسفہ پر تقریر کی ہے 'تقریر قدمے طویل ہے مگر
 سننے کے لائق ہے' اُردو لٹریچر میں ایسے کامیاب تجزیہ کی مثال مشکل سے ملیگی، اس تقریر میں عشق
 آفات آسانی کہا گیا ہے اور پھر اس کی خصوصیات یوں بیان کی گئی ہیں :-

شع ہو کر کہیں پگھلتا ہے	کہیں پروانہ بن کے جلتا ہے
کہیں سرمہ ہے چشم تر ہے کہیں	کہیں صندل ہے دردِ سر ہے کہیں
کہیں آتش ہے یہ کہیں ہے خلیل	کہیں ساقط ہے مثل نبضِ علیل
کہیں فرقت کا درد مند ہے یہ	کہیں معذرت کا درد پسند ہے یہ
کہیں جسمِ جگر کا پھانسا ہے	دردِ بسنکر کہیں کراہا ہے
کہیں عارض کا خال بنتا ہے	کہیں چشمِ عنزال بنتا ہے
کہیں افقی زلفِ یار ہے یہ	کہیں تریاقِ زہر مار ہے یہ
گر یہ چشمِ غونچکان ہے کہیں	خندہِ زحیم عاشقان ہے کہیں
کہیں خنجر ہے دستِ قاتل کا	کہیں مرہمِ جراحتِ دل کا
ہے کہیں تاجِ بادشاہی کا	کہیں کشکول ہے گدائی کا
گلِ رُخسارِ آتشین ہے کہیں	نالہِ بلبلیِ حنین ہے کہیں

سیکڑوں جی سے کھوئے اس نے — لاکھوں سیڑے بٹوئے اس نے
 اب یہ جانا کہ اسے کتے ہیں آنا دل کا — ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا
 رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہے — داغ اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں
 کیا بری چیز محبت ہے الہی توبہ — ظہیر جرم ناکر وہ خطا وار بنے بیٹھے ہیں
 عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید — عالی خود بخود دل میں ہے اک شخص سما جاتا
 ہم نے اول سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک — دل ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کسی
 تو ہی نہیں ہے ریز محبت سے آشنا — محمد رسولی دہ دیا رخصت میں رسم ستم نہیں
 سب کو خبر ہوئی مرے حال تباہ کنی — اٹھ جائیگی جہان سے اب رسم چاہ کی
 الفت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہون پیرا — دونوں طرف ہوا آگ برابر لگی ہوئی
 رواج عشق کے آئین دی ہیں کشور دل میں — رہ و رسم وفا جاری جو آگے تھی مواب بھی ہے
 کچھ بھول تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے سہما — معنی لوگ کچھ اور بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں
 اہل ظاہر کہتے ہیں جس عشق کو آزار جان — فی الحقیقت ہے وہی آرام جان اہل درد
 جل رہا ہے دل مگر لب میں خموش — عشق اس چپارگی کا نام ہے
 بھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انسان — اکبر آبادی سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے
 نہ آیا میں عشق کرنا نہ آیا — ریاض مے عسر بھرا اور مرنا نہ آیا
 عشق میں دل گنوا کے حال یہ ہے — شاقب لکھنوی کچھ میں کھویا ہوا سار ہتا ہوں
 کچھ کھیل نہیں ہے عشق کی لاگ — احمد علی شوق پانی نہ سمجھ یہ آگ ہے آگ
 محبت رنگ دے جاتی ہے جیل دل سے ملتا — جلیس مگر شکل تو یہ ہے دل بڑی مشکل سے ملتا ہے
 محبت نہیں آگ سے کھیلنا ہے — آرزو لکھنوی لگانا پڑے گا بھانا پڑے گا

معین گیا رازِ محبت آرزویوں ہی آرزو لکھنوی وہ مجھ سے پوچھنے بھجکے مجھے کہتے حجاب آیا
 تھی خطا اُن کی مگر وہ آگے کجب سامنے — جھک گئیں میری ہی آنکھیں سمِ الفت دیکھنے
 گرفتارِ محبت بھی کہیں آزاد ہوتے ہیں — محبت جس کو کہتے ہیں وہ اُن کے بخیر ہوتی ہے
 یہ دوزنگی تیری عشقِ فتنہ زرا اچھی نہیں — ابتدا اچھی ہے لیکن انتہا اچھی نہیں
 کچھ ملتے ہیں اب بختِ مکی عشق کے آئنا — ہنرِ نالوں میں رسائی ہے نہ آہوں میں اثر ہے
 دلون کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد حُسنِ ترے جنون کا خدا سلسلہ دراز کرے
 مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی وحشت خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا
 عشق سے لوگ منع کرتے ہیں اثر لکھنوی جیسے کچھ اختیار ہے گویا
 اپنی وفائے ان کی جفاؤں کا ہوش تھا دل کیادن تھے جبکہ دل میں محبت کا ہوش تھا
 پوچھا اثر سے میں نے جو دل کا معاملہ دل اک آہِ سر دیکھنیج کے خاموش ہو گیا
 مذاقِ عشق ہو کامل تو صورتِ شبِ نیم دل کنارِ گل میں رہے اور پاکباز رہے
 آغازِ محبت کی لذتِ انجام میں نا مشکل ہے دلِ جب دل کو مسو رہتے تھے باتھ لگانا مشکل ہے
 محبت اور اظہارِ محبت دل یہی تو بات ہے دیوانہ پن کی رازِ محبت
 عشقِ پابندِ وفا ہے نہ کہ پابندِ رسوم اسی آدنی سر جھکانے کو نہیں کہتے ہیں سجدہ کرنا
 یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تیر دل محبت اور مرگِ ناگمانی
 فانی کھنڈِ قاتل میں شمشیرِ نظر آئی قاتی لے خوابِ محبت کی تعبیرِ نظر آئی
 عجب جوش پر ہے شبابِ محبت جگرِ آباہی محبت ہے مستِ شرابِ محبت
 اس جذبہِ الفت کا ادنیٰ ایہ فسانہ ہے دل سمٹے تو دل عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

مذاقِ عشق کا معیار اونچا ہوتا جاتا ہے ولا نظر بیگانہ حُسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے

دوا ہر درد کی ہے اسے ولایت گورکھ پوری مگر دردِ محبت لا دوا ہے
رضا کتنی حسین و مختصر شرحِ محبت ہے رضا لکھنوی نہ اس آئے تو دوزخ ہے جو اس آئے تو جنت ہے

بہت رنگین ہے رو داؤِ محبت سہیل بہت آگے ہیں ہم دنیا و دین سے

محبت معنی و الفاظ میں لائی نہیں جاتی شری پالی یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

محبت اور دلِ دونوں کی فطرتِ حشرِ سامان ہے ولا کبھی طوفان میں کشتی ہے کبھی کشتی میں طوفان ہے

زندگی ہے تمام سوز و گدازِ نشترِ تھکامی اے غمِ عشق تیری عمر دراز

کیا خبر تھی اس مین کا نوٹن کے سوا کچھ بھی نہیں تربو نا تھ آغا اس محبت کو ہمارے خزان سمجھا تھا مین

لُطفِ دوزخ بھی لُطفِ جنت بھی حمار ہائے کیا چیز ہے محبت بھی

محبت بھی کیا شے ہے اللہ جانے ولا ہیں جتنی زبانیں ہیں اتنے فسانے

خصوصیات عشق و محبت

اوصافِ محبت

عشق را با ہر دلی نسبت بہت درِ چہر است رفیع خان ذل قطرہ برگل شبنم و درِ قعر دریا گوہر است
 نہ ہر کس را محبت مایہ دار است اقبال نہ با ہر کس محبت سازگار است
 بر دید لالہ با دلغ جگر تاب دلِ عمل بدخشان بے شرار است
 ایک صورت کے لئے اس عشق میں معنی سیکڑوں صورت کی ہیں رسوائیاں
 لاکھ چاہت کو چھپائے کوئی پر چھپتی نہیں نفیر پیار کی آنکھ اور اُلفت کی نظر چھپتی نہیں
 تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط حالی اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا
 یہ کس غضب کی ہے بے اعتباری اُلفت — ہم ان کی اور وہ ہماری نظر کو دیکھتے ہیں
 بڑی احتیاط طلب ہے جو شراب سا غر دل میں ہے بے نظیر شاہ جو چھلک گئی تو چھلک گئی جو بھری ہی تو بھری ہی
 اللہ لے اعتمادِ محبت کہ آج تک فانی ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کئے بغیر
 ہر چند دردِ عشق کا درمان نہیں مگر شکایتِ مداوی بنتی نہیں ہے فکرِ مداوا کئے بغیر

مشکلِ محبت

تردیکو کے میری آنکھوں کو یہ بات سنا تا ہے اکثر
 ہیں کہتے جس کو چاہ میان وہ مشکل ہے آسان نہیں
 نظیر اکبر آبادی

نواب یوسف علی خان ناظم (والی رام پور)

سُ اُلفتِ بری بلا ہے کہ ناظم سا آدمی رِنت کشِ عس و میر بازار ہو گیا
 سہل ہے ملنا ننگا ہوں کا مگر ایتسہ دل سے دل ملنا بہت دشوار ہے
 کون کتنا ہے چاہ مشکل ہے بیان لیکن اس کا بناہ مشکل ہے
 ترکِ مشکل بناہ مشکل ہے سخت کا فریہ چاہ مشکل ہے
 اشک آنکھوں میں جگر میں دردِ حورِ شل میں ہے اِک محبت کی بدلت گھر کا گھر مشکل میں ہے
 یہ عشق نہیں آس اتنا ہی سمجھ لیجے بگمراہ آبادی اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

کرشمہ محبت و جذبہ محبت

من از آن حُسنِ روز افزون کہ یوسف داشت دانستم
 کہ عشق از پردہ عصمت برون آرد ز لیحنا را حافظ

جبرانِ فسون سازِ عقی عشقم کہ جالت فیضی از دیدہ درون آید و در سینہ بنگد
 من نہ ز اختیارِ خود میرودم قفائے او ——— آن دو کندِ عنبرین می کشد م کشاں کشاں
 عشقِ آن خاغانِ خرابے بہت ——— کہ ترا آرد و بجانہ ما
 عشقِ ازین بسیار کرد است و کند ——— سبھ را ز نار کہ دست و کند
 عشقِ را اگر رخصتِ شوخی نمی بودے ز حُسن ——— دست کے کرے زلیخا سوئے پیراہن دراز
 محبتِ این چنین عاشقِ نوازیِ این چنین باید ——— زدیستی شکتی سوختی انداختی رفتی
 پھرتے ہیں میرِ خوار کوئی پوچھتا نہیں حیر اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی
 بکھو رونا بکھو ہنسنا بکھو حیران ہو رہنا درد محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

کیسا ہی وہ بُرا ہو پہ لگ جائے جس دلِ نڈیر اکبر آبادی لگتا ہے دل کو پھر مہی واللہ سب سے خوب
اتنا تو جذبِ عشق نے بائے کیا اثر برق اُس کو بھی اب ملال ہے میسے ملال کا

اثرِ محبت

مشغولیِ عشقِ دادِ جسمی جاتی از شغلِ جانِ مضرغِ مارا
کیا سے کیا کر دیا محبت نے میرا اثر اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں
بچتا نہیں ہے جو کہ ہے بیمارِ عشق کا گلابِ آشفقتِ یار کسی کو ہو نہ یہ آزارِ عشق کا
لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے جرأت کون سے شہر میں ہوتا ہے کہ ہر تہا ہے
دل یہ جس کے لئے پہلو میں تپان ہوتا ہے تو سن یوں سن رہا ہے کہ اُسے بھی خفقان رہتا ہے
کھیل سمجھو نہ دگی دل کی — خون رُلائیگی یہ لگی دل کی
میں کیا کون کمان ہے محبت کمان نہیں اصغر رگ رگیں دوڑی پھرتی ہے نشتر لے ہوئے
نہ ذوقِ تنخیل نہ شوقِ تماشا جگرِ آدابی محبت ہے اب اور بیزارِ بیان ہیں

محبت و مدارا (نباہ)

اُس بلائے جان سے آتش دیکھیے کیونکر نبھے آتش دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوش دست
میں بھی کچھ خوش نہیں ونا کے کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی
میری اُن کی بھی نبھی نہ نبھی حمید دل ہی تو ہے بلا بلا نہ بلا
نہ کرو اب نباہ کی باتیں — تم کو اے مہربان دیکھ لیا کہ

انجامِ محبت

طریقِ عشق میں مجنون و کوہن کو نہ پوچھ کلم ہزاروں ہو گئے غارتِ سوا یک و معلوم
 جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے میسر اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
 خواریاں بدنایاں سولیاں مٹھنی عشق نے شکلیں یہ سب کھلائیاں
 پہلے سے اگر جانتے انجامِ محبت ذوق لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نامِ محبت
 دیکھے کیا ہو مالِ عاشقی — انتہائے سوز سے آغاز ہے
 یا ہماری ہی قیمت ہے کہ محروم ہیں ہم حسرت یا مگر ان کی محبت کا نتیجہ ہے یہی

انتہائے محبت

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم میسر اب ہوئے خاک انتہائی ہے
 ابتدا جس کی انتہائے سوز — انتہا اُس کی بس خدا معلوم
 ابتدا وہ تھی کہ دنیا تھی ملامت گر مری آئی آدنی انتہا یہ ہے کہ کوئی کچھ نہیں کہتا مجھے
 دل سراپا درد تھا وہ ابتدائے عشق تھی فانی انتہا یہ ہے کہ فانی درد اب دل ہو گیا

گونا گوں

ساقیا یک جہرہ وہ زانِ آبِ آتش گوں کہ من
 در میانِ پختگانِ عشقِ موحنم ہنوز حافظ
 بنازم بہ بزمِ محبت کہ آنجا — گدائے بر شاہے مقابل نشیند

نواز شے زکرم می کند محبت نیست نظیری تو ان شناختن از دوستی مدارا را
 طفلانِ شہر بے خبر اند از جنونِ ما — یا این جنونِ ہنوز سزاوارِ سنگ نیست
 از سعیِ کا عیش شود خام بیشتر صائب پیچہ بہ مرغِ بالِ فشانِ دامِ بیشتر
 رقیباں کی نہ کچھ تفصیر ثابت ہے نہ خواب کی منظرِ جانِ نا مجھے ناحقِ ستانا ہے یہ عیشِ بدگماں اپنا
 وہ کیا کرے کہ محبت کا اقتضا ہے یہی ہدایت و گرنہ فائدہ اُس کو مرے ستانے سے
 اُف ری گرمیِ محبت کہ ترے سوختہ جاں توں جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے
 اب زباں پر بھی نہیں آنا کہیں اُلفت کا نام ذوق لکے مکتوبوں میں کچھ رسمِ کتابت ہو تو ہو
 اُلفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جائے دل یہ درد سراپا ہے کہ سر جائے تو جائے
 کیا جانئے کیا اس کا سبب کئی دن سے — وہ پیار بھی کرتے ہیں تو ہوتا ہے گماں اور
 جذبِ عیشِ سلامت ہے تو انشا اللہ داغ کچھ دھاگے میں چلے آئیگے سرکار بندے
 مائلِ عرضِ تمنا ہے دلِ خازنِ خراب — المددِ المددِ دلے غیرتِ مردانہ عیش
 لاکھ نازک ہو رشتہ اُلفت جلیل ٹوٹا ہے یہ تارِ مشکل سے
 اللہ ایسے جذبِ محبت کو کیا کروں — رگِ رگ کو جس نے درد بھرا دل بسا دیا
 پھونکدے لہ غیرتِ سوزِ محبت پھونکدے جگرِ مراد آباد اب سمجھتی ہیں وہ نظریںِ حم کے قابلِ مجھے
 پائے صنم ہے اور جبینِ حرمِ نواز اخترِ تہری رسم و رولِ شہرِ محبت نہ پوچھئے
 محبت کا اعجاز تم خود ہی دیکھو اثرِ بدایونی ستم کا ارادہ کر م ہو گیا ہے

عاشق

در چشم محققان چه زیبا و چه زشت — عمر خیام — منز لگه عاشقان چه دوزخ چه بهشت
 پوشیدن بیدلان چه اطلس چه پلاس — زیر سر عاشقان چه بالین چه خشت
 هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بقت — حافظ — ثبت است بر جریده عالم دوام ما
 در بزم مزن بلند دستان — آهسته که خفته اند دستان
 گز نام و نشان من پرسد بگو قاصد — آواره و مجنونے رسوا سر بازارے
 بلبل نیم که ناله زخم درد سرد هم — شمری نیم که طوق به گردن در آورم
 پروانه نیستم که بیکدم شوم عدم — شمع که جان گدازم و دم برنیاورم
 اشک میخیزد به رخ و چهره زردے دارم — ظیف افغانی — نالم از درد و ندانم که چه دردے دارم
 چشم بے درد تر نمی باشد — فیضی — هر صدف پر گهر نمی باشد
 هوای باد و گرت نیست در سرت فیضی — دل پر آتش و چشم پر آب یعنی چه
 دل آشفته و چشم خونبار داری — ولہ — مگر با محبت سرو کار داری
 اوراق حال ما زنگ می توان نمود — نظری — قدمے ز حال خویش به سیما نوشته ام
 از بند هم پیرس نه مومن نه کافر — من رسم این دیار ندانم مساوم
 در ریاض آفرینش لاله سان روئیده ام — پائے در گل داغ بر دل شعله در دامان ما
 مرا اندوه دل و لگیر کرد است — نسبتی — در آغاز جوانی پیسر کرد است
 نه شکوفه نه برگے نه گلے نه سایه دارم — همه حیرتم که ما را بچه کار کشت دهنقان

بیرغمان علی خان عثمان نظام دکن

بہ عثمان عشق و این کافر تباں را ادائے دلکش و مستانہ دادند
 ز قیدِ ننگِ نامِ آزاد شد سالک چہ می پرسی سالک از آن آوارہ رندے خرابے بادہ پیائے
 دل تماشائی تو دیدہ تماشا شائی دل فرخی یزدی من بھنکرِ دل و خلق بہ تماشا ئے من است
 من عاشق گواہ من این قلبِ چاک چاک عشقِ در دستِ من جز این سندِ پارہ نیست
 کہتے ہیں عاشقان مرا حال دیکھ کر داؤد شاید تو دل دیا ہے کسی بیوفا کے ہاتھ
 مرا احوال چشمِ یار سے پوچھ ولا حقیقت درد کی بیماریا سے پوچھ
 مرے حال پریشان کی حقیقت صنم کی زلف کے ہزار سے پوچھ
 کس طرح سے مانے یار کہ یہ عاشق نہیں حیر رنگ اڑا جاتا ہے ننگ چہرہ تو دیکھو تیر کا
 سمجھے تھے ہم تو تیر کو عاشق اُسی گھڑی ولا جب تیرا نام سُن کے وہ بیتاب سا ہوا
 سخت کافر تھا جس نے پہلے تیر ولا شیوہ عشق اختیار کیا
 عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو تیر سے ولا پاتا ہوں زرد روز بروز اس جوان کو
 نامرادانہ زینت کرتا تھا ولا میتہ کا طور یا وہ ہے ہم کو
 سر ہانے تیر کے آہستہ بولو ولا ابھی پُپ روتے روتے سو گیا ہے
 عجب احوال ہے تابان کا تیرے تابان کہ رونارات دن اور کچھ نہ کہنا
 بہارِ آخر ہوئی ہے اب تو یسے نے گریبان کو یقین یقین کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پس کر
 آہ کیوں بار بار کرتا ہے سچ بتا کس کو پیار کرتا ہے
 روئے ہے بات بات پر جرأت جرأت یہ گرفتار ہے کہیں نہ کہیں
 آنکے دیوانوں کو بھی کیا ضبط ہے اوقات کا شیدی دوپہر ہنستے رہے گرد و پسر رویا کئے

جام شرابِ عشق سے دونوں ہیں بے خبر آتش بلبل چمن میں مست ہے ہم کوئے یار میں
دیوانگی عشق بڑی چیر ہے آتش دلہ یہ اس کا کرم ہے جسے دیوانہ بنا دے
میں تو عاقل تھا زمانے کا پر الفت کے طفیل تاب کوئی دیوانہ کہے ہے کوئی سودائی مجھے
رہتے پھرتے ہیں ساری ساری را — اب یہی روز گار ہے اپنا

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر ذوق پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر
میں وہ مجنون ہوں کہ زندان میں نگبانوں کو ظفر میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا
نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا نور نہ جو کسی کے کام نہ آ سکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں
دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار غالب دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
بہت جی خوش ہوا حاتی سے مل کر حاتی ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں
ان دنوں خوش جنون ہے تمسے دیوانے کو — طوقِ زنجیر لے جاتے ہیں پہنانے کو
آج ارشد کو عجب حال میں ہم نے دیکھا ارشد رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

کسی نے لی رہ کعبہ کوئی گیا سوے دیر اسی فانی پڑے ہے تھے بندے مگر ترے در پر
کوئی اکبر سا بھی دیوانہ نطنز آیا ہے کم اکبر آبادی پھر دن روتا ہے جو پوچھو تو سب کچھ بھی نہیں
دنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر ریاض رگس نوک کا جوان ہے کس آن بان کا
کیا چھلکتا یہ کوئی جامِ شراب آتا ہے دلہ لے میں قربان مرا عہد شباب آتا ہے
گلِ مُرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے دلہ شکلِ معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے
یہ نشان پائے گئے گم شدہ دیوانوں کے — ٹکڑے صحرا سے کچھ آئے ہیں گریبانوں کے

گرفتار محبت ہوں اسیرِ دارمِ الفت ہوں حرّت میں بسوائے جہانِ آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں
موسمِ گل میں عجب رنگ ہیں دیوانوں کے دلہ چاک دامان ہے کوئی چاک گریبان کوئی

اب اس کو کیا کرے کوئی اگر تم کو نہ باور ہو
 بتو کتنا تو جاتا ہوں مسلمان ہو تو کافر ہو
 انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
 یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

اب کون ہے رموزِ محبت کا راز دان آئی الدنی اک ہم ہے ہیں ہم کو کوئی پوچھتا نہیں

فانی کو یا جنون ہے یا تیری آرزو ہے فانی کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا
 دیکھانہ آنکھ اٹھا کے بھی اہلِ درد نے دلا دُنیا گزر گئی غنیمِ دنیا لئے ہوئے
 دستِ جنونِ عشق کی کلکاریاں نہ پوچھ جگر مراد آبادی ڈوبا ہوا ہون سر سے قدم تک بہار میں
 آجائے اگر ضد پر اپنی کوئی دیوانہ دلا خود گرد پھرے آکر کعبہ ہو کہ بتخانہ

تو ہزار عذر کرے مگر ہمیں شک ہے اور ہی کچھ جگر
 ترے اضطرابِ نگاہ سے تری احتیاطِ کلام سے

دیکھانہ زمانے میں مجذوبِ سامستا مجذوبِ سرزائے کافرانہ دیوانہ کا دیوانہ
 مجذوب کو جب دیکھا محفل کی طرف آتے دلا گھبرا کے پکار اٹھے دیوانہ ہے دیوانہ
 سمجھا تھا نہ سمجھا ہے نہ سمجھے گا رضا کچھ رضا کہنو دیوانہ بھتا دیوانہ ہے دیوانہ رہے گا
 کہیں چھپتے ہیں اُن کے دیوانے نشرِ تنگامی ایک سی بات ایک سا انداز

معشوق

دوا برو کمان و دو گیسو کند فردوسی بہ بالابہ کردار سرو بلند
ہم رخ پُر از گلِ ہم چشم خواب ہم لب پُر از مے بہ بوی گلاب
یہ دہی فردوسی ہے جو خدائے سخن کہا جاتا ہے اور جس کے متعلق تقاضی کہتے ہیں :-

سخن گوئے پیشینہ و انائے طوس

کہ آراست زلفِ سخن چوں عروس

علامہ شبلی "ہم رخ" والے شعر کے متعلق کہتے ہیں :- "اس شعر پر غور کرو 'ہم چشم خواب' کے

مبالغہ اور بے ساختگی پر متاخرین کے ہزاروں تکلفات اور مضمون آفرینیاں تیار ہیں"

فغان کیں لولیانِ شوخ شیرین کارِ شہر آشوب حافظ چنناں برونند صبر از دل کہ نثر کاں خوانِ یغارا

یارب آن شمع شبافروز ز کاشائے کیست دلہ جانِ ماسوخت و پیرسید کہ جانانہ کیست

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد دلہ بند و طلعتِ آن باش کہ آنے دارد

مرا یا ریت سنگین دلِ سنگم دستِ پیمانے قیامت قاتلے ز تار و اے نامِ سلما

از کجا در روزگارِ من فتاد چوں تو سنگین دلِ بلائے کافرے

معشوقِ مابہ شیوہ ہر کس برابر است باما شراب خورد و بہ زاپہ نسا ز کرد

گمے کُطفِ و گمے تہراست کارِ دلیرِ بے من مگر کُطفِ از برائے دیگران قہرا ز برائے من

خوبی ہمیں کہ شمشہ و ناز و حسرت نامِ نیست بسیار شیوہ است بتناں را کہ نامِ نیست

مرا یا ریت شیریں کارِ می نازم کہ در گیتی سڑ چٹل محو ندارد و بیچ کس مایے چنیں یا رے کہ من دارم

آں صلیح فراموشے، آں عسبردہ انگیرے اقبال
 آں پردہ نشیں شوخے، آں شوخ کم آمیزے
 چرمی پرسی ربود از دل متاع صبر و تسکین را سالک
 پریشاں کا کلے رنگیں اولے محفل آراتے
 خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو منہر جاننا
 یہی اک شہر میں قاتل ہا ہے

ستود ترا جو حال ہے اتنا تو نہیں وہ ستودا
 کیا جائے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا
 جتنے ہیں خبر ویاں سب دلستاں ہیں لیکن دلہ
 اللہ نے تجھی کو اک جانتاں بنایا
 برق کو اٹھا چہرے سے وہ بُت اگر آوے بیتہ
 اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے
 کیا جائے کس نے تجھے محبوب بنایا پیش
 پر جس نے بنایا سو بہت خوب بنایا

جو جلوہ صسم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں ذوالعزت اللہ
 خدا کی حسدائی میں کم دیکھتے ہیں
 کوئی تو ہے گل چہرہ کوئی سرد و رواں ہے عشق
 دیکھا تو یہاں ایک سے ایک آفت جاں ہے
 اللہ ہے یوسف کی مے گرمی بازار غافل
 گرتا ہے حسد یاد خریدار کے اوپر

جب واقف راہ و روش ناز ہوئے تم مصحفی
 عالم کے میاں خانہ بر انداز ہوئے تم
 دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا میراث
 دشمنی پر تو پیار آتا ہے

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا ہے دلہ
 بندہ بندہ خدا خدا ہے

کون سا گل نہیں گلزارِ جہاں میں مغرور آتش
 کس کے چہرے میں نہیں چین جی پیٹھ ٹی سی
 کیوں سنے غرض تو من مضطر موتیں
 صنم آخر خدا نہیں ہوتا

تابِ نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں دلہ
 اور بن جائینگے تصویر جو حیراں ہونگے

جس طرح ماہ سائے ستاروں میں ایک سے ذوق
 یوں میرا مجہیں بھی ہزاروں میں ایک سے

ایک جگہ دوسرا مصرع یوں دیکھا ہے :-
 یوں ہی وہ مجہیں بھی ہزاروں میں ایک سے

عدوئے جاں بہت بے باک نکلا جفا
 بڑا متاثر بڑا سفاک نکلا

قمریاں عاشق ہیں تیری سرو بندہ ہے ترا ——— بلبلیں تجھ پر خدا ہیں گل ترا دیوانہ ہے

بے مروت، بی وفا، بیدا و گر تنہا نام کیا کیا آپ نے پیدا کیا
کچھ ایسی بن گئی تصویر اس کے دست قدرت کے راقم رہا جیراں بنا کر آپ صورت آفریں برسوں

سر سبر کیں ہے لیک وہ پُرکار ——— دیکھو تو محمد بان ہے گویا

یہ صورت اور بھولی بھولی باتیں آنجم دامن بعدیٰ تمہیں بستاؤ پیار آئے نہ آئے

اللہ اللہ لے توں کا غرور ——— یہ خدائی نہیں تو پھر کیا ہے

فدا نا آشنائی پر تو لاکھوں ہیں دل و جاں سے تصویر اگر وہ مبت کسی کا آشنا ہوتا تو کیا ہوتا

ملا وہ مرتبہ نام خدا تجھ کو حسیں ہو کر امیر فلک کرتا ہے مجھ اتیری چو کھٹ کا زیں ہو کر

عجب عالم ہے اس کا وضع سادہ شکل بھولی ہے دل کھجاتی ہے دل میں کیا یسلی نرم بولی ہے

بُت کو بُت اور خدا کو جو خدا کہتے ہیں دلخ ہم بھی دیکھیں کہ تجھے دیکھ کے کیا کہتے ہیں

کبھی کچھ رات گئے اور کبھی کچھ رات رہے ریاض ہم نے ان پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں جلیل وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

غضب ہے جوانی میں جو بن کسی کا بے قیامت ہے بے ساختہ پن کسی کا

تم دشمن عشاق بہر حال ہو یعنی حرّت آشوب نظر فتنہ دل آفت جاں پہ

فرق کیا عاشق و معشوق میں اتنا ہی تو ہے صفدر مرزا پور کوئی دیوانہ بناے کوئی دیوانہ بنے

کوئی دل لیتا ہے دیتا ہے کوئی احقر بہاری کوئی دانا ہے کوئی نادان ہے

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بائیں کے ہیں فانی کل تک تو بائیں میں ادا سادگی کی تھی

اُس نور مجسم کے افسانے کو کیا کہئے دل ہے شمع بھی پروانہ پروانے کو کیا کہئے

ستم ہو، قسم ہو، تم اک بلا ہو جگر مراد آبادیہ سب کچھ ٹھیک پھر بھی دگر باہو

سفاک چٹوئیں بھی ہیں قابلِ نظر بھی ہے دلہ کیا چیز ہو گئے ہو تمہیں کچھ خبر بھی ہے
 اک جلوہ حق نما کو دیکھا فاق گو کہ پوری تم کو دیکھا خدا کو دیکھا
 عشق کی کچھ ہوا لگی جب اُنھیں دلہ کچھ اُرا رنگ کچھ مکھر بھی گئے سر

کلمِ سنی

ہنوز آن طفل خندیدن نداند نورِ جہاں نگہ دزدیدن و دیدن نداند
 شرم می آید ز قاصدِ طفلِ محجوبِ مرا شوکتِ بخاری بر سرِ راسِش بیند ازید مکتوبِ مرا
 ماہِ من در مکتب و من بر سرِ رنقِ نظر — اے معلمِ یک زماں آن سرورِ آزاد کُن
 ہنوزش رنگِ طفلی ہست گلِ چیدن نمیداد نامِ لایہ جانی بدامن آشیانِ بلبلِ از گلزارِ می آرد
 ہنوز خُشن تو نو مشقِ جلوہ پیرائی ست آفرینِ لاہوری ہنوز اولِ درسِ کتابِ رعنائی ست
 ہنوز دامنِ حُسنِ نہ صبحِ پاکِ ترا ست ہنوز ماہِ تو ایمن زِ داغِ رسوائی ست
 برسِ پندرہ یا کہ سولہ کا رسن میر حسن جوانی کی رایتیں مرادوں کے دن
 پڑا ہے پالے ایک ایسے کے دل کہ جو ناداں سودا وفا کی راہ نہ رسمِ ستگر می جانے
 چشمِ بدورِ عجب خوش قد و قامت ہوگا بیتاب ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا
 خدا ترا بت کسں دراز رسن تو کرے — ستم کے تو بھی ہو قابلِ خدا وہ دن تو کرے
 ہائے وہ لبِ ہلا کے رہ جانا صغیرِ بگرامی ابھی کچھ بات کر نہیں آتی
 مرزا غالب نے ایک خط میں صغیرِ بگرامی کو لکھا ہے :- "اشعارِ گہر بار دیکھ کہ دل بہت خوش ہوا
 سب اچھے ہیں مگر جو میرے دل میں اُتر گئے وہ تم کو کہتا ہوں" اس کے بعد مرزا نے وہ اشعار
 لکھے ہیں، ان میں شعرِ مندرجہ بالا بھی ہے مگر یہ بھی لکھا ہے "کیوں حضرت ! ابھی کی یلے"

تختانی کا دینا غیر نصیح نہیں؟ 'کچھ ابھی بات کر نہیں آتی' کیا نعم البدل نہیں!

ہائے اُس کے کلام کا انداز چھوڑ کر جسے بات کر نہیں آتی

کم سنی کے سبب وہ غچہ دہن ہنستا ہے بات کر نہیں آتی

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُن کا نیر دو دغا بازوں کے چھندے ہیں جو بے اُن کا

وہ کیا جانیں سکتے ہیں کس کو جوانی آئیر ابھی کھیلتا ہے لڑکپن کسی کا

تندے اور ایسے کس کے لئے ولا ساقیا ہلکی سی لا ان کے لئے

باغیاں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی بھیجی ہیں ایک کس کے لئے

ان حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ داغ ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستا نادل کا

بات کرنی تک تمہیں آتی نہ تھی ولا یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

وہ کس ہیں اُنھیں مشق ستم کو چاہئے مدت

ابھی تو نام سن کر خجسہ و پیکاں کا ڈرتے ہیں حاذق

آسرا آسری والوں نے لگا رکھا ہے عابد کم سنی کھیل رہی ہے ابھی کیا رکھا ہے

ابھی اس نو بہار پر عالم سید فضل حق آرا باغیاں ہے نکلتی کو پل کا

جوانی کے دامن سے لپٹا ہوا ہے ریاض نہ اب تک گیا ہائے بھیر کسی کا

ابھی تو طفل دبستاں ہو تم کو کیا معلوم ظریف وفا وفا نہ کرو دھس میں وفا معلوم

سر یہ رنگ گلاب کی کلی کا جلیل نقشہ ہے کسی کی کسی کا

شباب

الہی عمری خواہم نگاہے ہم کرامت کن نامر علی کہ در پیری پیہم شیخ تر حسن جوانش را

اُس پری سپکر کو مت انسان بوجھ یگزنگ شک میں کیوں پڑتا ہے اُسے دل جان بوجھ
 خطا کے آنے پر بھی کافر مجھ کو ترسانا رہا نظیر اکبر آبادی جیسا شرمانا تھا جب ویسا ہی شرمانا رہا
 خدا کی شان جنہیں بات کرنے آتی تھی ولا وہ اب کریں ہیں سوال و جواب آنکھوں میں
 ہم تو کھڑے ہیں سرکھٹ شوق سے امتحان ہو شہیدی بارڈ پر آچکا ہے قد نام خدا جوان ہو
 گیسو شکیں رخ محبوب تک آنے لگے آتش چشمہ غور شہید میں بھی سانپ لہرانے لگے
 بدستوں کا رنگ ہے جوش شباب میں اتور گویا کہ وہ نہائے ہوئے ہیں شراب میں
 باقی نہ دل میں کوئی بھی یارب ہوس رہا آئیر چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس کا چکر
 ہے جوانی خود جوانی کا سنگار ولا سادگی گنہا ہے اس سن کے لئے
 ہر ادا مستانہ سر سے پانوں تک چھائی ہوئی داغ اُف تری ظالم جوانی جوش پر آئی ہوئی
 کچھ نرالا ہے جوانی کا بناؤ ولا شوخیاں زیور ہیں اس سن کے لئے
 اُف اے عہد شباب کی مستی ولا بے پیئے ہے شراب کی مستی
 صورت نظر میں ہے کسی مست شباب کی اتحق ملتی ہے بے پیئے مجھے لذت شراب کی
 وہ کچھ مسکرا نا وہ کچھ جمبب جانا بیچو دہلوی جوانی ادائیں سکھاتی ہے کیا کیا
 بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے شاعر عظیم آبادی تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے
 اُس کی آغاز جوانی کا کہوں کیا عالم ریاض کچھ اُسے نشہ سا تھا نشہ میں وہ چور نہ تھا
 بھرے ساغریں ہے بھر پور رنگ اُس کی جوانی ولا غضب بے پیئے مستی میں میرا چور ہو جانا
 تر اٹھان ترقی کرے قیامت تک ولا تر اشباب بڑھے عمر جاوداں کی طح
 جیسے ساقی تری ہنستی ہوئی تصویر شباب ولا ہم نے دیکھا ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کو
 چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی ولا تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

آنچل ڈھلا رہا مرے مستِ شباب کا دلؔ اوڑھا گیا کبھی نہ دوپٹہ سنبھال کے
 ہائے اُس کافر کا عنوانِ شباب دلیگرؔ داستانِ عشق کا آغاز ہے
 کیفِ جامِ ارغوانی اور ہے بیلِ نشہِ جوشِ جوانی اور ہے
 جھومتا آج مرا مستِ شباب آتا ہے دلؔ کوئی دیکھے تو کہے پی کے شراب آتا ہے
 ہر آن بانے ستم و جور ہو گئے غورِ شیدؔ تم تو جوان ہوتے ہی کچھ اور ہو گئے
 شباب آیا ہے پیدا رنگ ہے رخسارِ جانانِ چلبستؔ فروغِ حسنِ کتنا ہے سحر ہوتی ہے گلشن میں
 ذکرِ جب چھڑ گیا قیامت کا فانیؔ بات پہنچی تری جوانی تک
 قدم ڈمگائے نظرؔ ہسکی ہسکی جگر مراد آبادؔ جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں
 اُس کے عہدِ شباب میں جینا اخترِ ثریاؔ جینے والو تمہیں ہوا کیا ہے
 یہ حسنِ دھنریب یہ عالمِ شباب کا اثرِ صباؔ گویا چھلک رہا ہے پیالہ شراب کا
 سب جب پسینہ گلاب ہوتا ہے غارؔ وہ زمانہ شباب ہوتا ہے

آخرِ شباب

گیا حسنِ خوبانِ دلخواہ کا — ہمیشہ ہے نامِ اللہ کا
 میں نے پوچھا کیا ہوا وہ آپکا حسنِ شبابؔ ظفرؔ ہنس کے بولا وہ صنم شانِ خدایتی میں نہ تھا
 عالم وہی ہے حسن سے اتر کر بھی یار کا اتیرؔ جو بن خنداں نے لوٹ لیا ہے بہار کا
 ڈھلا ہے حسنِ لیکن رنگ ہے رخسارِ جاناں پر
 ابھی باقی ہے کچھ کچھ دھوپ دیوارِ گلستاں پر

مشتاق

آغازِ عشق

گر دے داری بہ دل دے سپاہِ سدی ضائع آن کشور کہ سلطانش نیست

دیرین دریائے بے پایاں دیرین طوفانِ موج افزا

دل افگندیم ربِّم اللہ مجربِ سیا و مرہا

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ خسروِ فرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

دیدارِ منائی و پڑھیندہ کی — بازارِ خویش و آتشِ تیز میکی

لختے بردارِ دل گذر دہر کہ ز سیشم — من قاش فروشِ دلِ صد پارہ خیم

سرورِ عشق دارد دلِ درد مند حافظِ حافظ کہ نہ حاطہ تماشا نہ ہوائے باغ دارد

آمادہ گشتہ ام مگر امشب نظارہ را — پیوند می کنم جگر پارہ پارہ را

بے جہد مرو کہ راہِ عشق است — ستادِ بزن دو گامِ دی قص

بر میاں بر زوہ دامن ز کجای آئی زائرِ مرجہا کہ بہ شکارِ دلِ مای آئی

مرغے چو ہوائے دلِ من گشتِ اسیرِ محترم کاشی شکرانہ ایں صیدِ تنی کن قفسے چند

اے خدا جس مرا از غیب بازار سے بد شکیلی می فروشم دلِ بدیدار سے خریدار سے بدہ

آشنای شوی و می رستم نسبتی آشنائی شود بلا نشود

بر آمد بردارِ مکتبِ فروشم قیمت کہ من سیپارہ دلِ می فروشم

’من سیپارہ دلِ می فروشم‘ کی آواز سن کر طفلِ پریرِ زادِ مکتب سے باہر آتا ہے اور اس

سے اور ملا قیمت سے سیپارہ دل کی خریداری کے متعلق یوں گفتگو ہوتی ہے :-

بلغتنا قیمتش گفتم نگاہے بلغتنا کمتر گفتم کہ گاہے

اُس زمانہ کے مذاق کو کیا کہا جائے مگر ان اشعار کا حسن تغزل قابلِ داد ہے
 بہ طاعت کوش گر عشق بلا انگیز میخواید نامری علی متاعے جمع کن شاید کہ غارتگر شود پید
 من از رنگین ادایہائے اشعارش گماں دارم منظر جاننا کہ منظر میل بارعنا جو انے میسر ز اوار
 دل ویرانہ آزاد را آباد کن یارب میر غلام علی آرزو پریرا دے کرم فرمے ایں مینائے خالی
 قیامت لے دلِ ناشاد کردی — بہارِ زندگی برباد کردی

من جانِ دلِ عنسفرہ جانانِ منسوختم بے چنی لال جس گراں نگہ کہ چہ ارزاں منسوختم
 تا بم زول برو کا منسوخ اداے غالب بالا بلندے کو تہ قبائے
 دلم برو از کف بت کج اداے اشکی بہ یک گردشِ زنگسِ سرسائے
 خوشتر ز ہزار پارسائی اقبال گامے بطریقِ آشنائی

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درسِ نسخہٴ عشق کا

سراج

کہ کتابِ عقل کی طاق پر جو دھری رہی سودھری ہی

نین سے نین جب ملائے گیا بیک رنگ دل کے اندر میرے سمائے گیا
 مفت سودا ہے اے بار کہاں جاتا تھا فاق او مے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے
 جب سے تیری نظر پڑی ہے جھلک حاتم تب سے لگتی نہیں پلک سے پلک
 منظر چھپا کے رکھ دلِ نازک کو اپنے تو منظر جاننا یہ شیشہ بچپنا ہے کسی میسر ز کے ہاتھ
 یارب کہیں سے گرمی بازار بھیجے سودا دل بچتا ہوں کوئی حسد یاد بھیجے

عشق بے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
 جی کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

میسر

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا تیر آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
ہاتھ میں اُس کے ہاتھ تھا ہیستہ دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہات
محبت نے شاید کہ دی دل کو آگ دل دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ دل صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ
نہیں دسوا اس جی گنوانے کے دل ہائے بے ذوق دل لگانے کے
اسیر زلف کرے قیدی کند کر دل پسند اس کی ہے جس طرح وہ پسند کر
مصائب اور تھے پر دل کا آنا دل عجب اک ساخہ سا ہو گیا ہے
پھرتے ہو میر صاحب سب جدا جدا تم دل شاید کہیں تمہارا دل ان دنوں لگا،
میر جب سے گیا ہے دل تب سے دل میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی
صحرائے محبت میں قدم دیکھ کے رکھ تیر دل یہ سیر سر کو چہ و بازار نہیں ہے
میں اور مجھ سے درد حسد یاد رہی بُستان تیر درد ہے ایک دل بساط میں سوکس جاب میں
دل بھلا ایسے کو اسے درد نہ دیجے کیونکر دل ایک تو یا رہے اور سپہ طردار بھی ہے

دلبروں میں میں لیا ڈھونڈھ سخن تجھ سے کو
میں دوانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا حنین

صورت اس کی سما گئی جی میں بیدار آہ کیا آن بھا گئی جی میں
اب تو یہ دل اک بُت نا آشنا کے ہاتھ ہے
اس کے ہاتھوں چھوٹنا اس کا خدا کے ہاتھ ہے
مرزا جعفر علی حسرت

زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کیئے یقین کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کیئے
نیچے ہے اک نگاہ پہ دل کے تئیں فنا دروں لے فنا لینا ہے گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں

سرسری اُن سے ملاقات ہے گا ہے گلے برأت بزم اغیار میں گا ہے سر راہ ہے گا ہے
اگر کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آئے نظیر اکبر آبادی کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا
کچھ اُسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب دلہ ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
عجیب ہے قصد لا اُس سے چاہ کرنے کا رنگین نہ ہوئے جس میں سلیقہ بناہ کرنے کا
الا آباد میں مشاعرہ تھا، شرائطی غزلیں کہہ کر لائے، تاج نے جو غزل پڑھی اس کا مطلع تھا:-

دل اب محو ترسا ہوا چاہتا ہے یہ کبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

ایک لڑکے نے صفت کے پیچھے سے سر نکالا، بھولی بھالی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ مشاعرے میں غزل
پڑھنے سے ڈرتا ہے، لوگوں کی دلہی نے اس کی ہمت باندھی، اس نے مطلع پڑھا:-

دل اُس بُت پر شیدا ہوا چاہتا ہے خدا جانے اب کیا ہو چاہتا ہے

محل میں دھوم مچ گئی، تاج نے بھی تعریف کر کے لڑکے کا دل بڑھایا اور کہا "بھائی یہ فیضانِ الہی ہے"
اس میں استاد کی کا زور نہیں چلتا، تمہارا مطلع، مطلع آفتاب ہے، میں اپنا مطلع غزل سے نکال ڈالوں گا

(ملاحظہ ہو آبجیات)

دل کے جلنے کا شہیدِی واقعہ ایسا نہیں	شہیدِی	کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رو باکئے
سخت کچھ افسردہ و دلگیر سے رہتے ہو تم	تمنوں	خیر باشند میرمنوں تم پہ کیا افتاد ہے
سہل سمجھے ہو اس کا آجانا	تسکین	تم نے تسکین دل کو کیا جانا
ابھی اے شیفۃ واقف نہیں تم	شیفۃ	کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا
امیر اس ناز سے ظالم نے دیکھا	آمیر	نگاہیں بول اٹھیں وہ لے لیا دل
سمجھتا ہوں سب کچھ مگر دوستو	دراغ	یہ دل ہے جدھر آگیا آگیا
راہ پر اُن کو لگائے تو ہیں باتوں میں	دلہ	اور کھل جائینگے دو چار ملاقاتوں میں

معرکہ ہے آج حُسن و عشق کا دل دیکھئے وہ کیا کریں ہم کیا کریں
 پسند آئے تو لے لو دل ہمارا آتسی غازی پور مگر دل پھر بھی کس قابل ہمارا
 ایک نظر میں جو کرے دونوں جہان کو خرا دل ہے نظارہ جو اسی آفت روزگار کا
 اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی اکبر الہ آبادی وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا
 نگاہیں میری اُن کی بل گئی تھیں رات محفل میں
 یہ دُنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستان ہو کر

ہم نے پالا مدتوں پہلو میں ہم کچھ بھی نہیں جگر تم نے دیکھا اک نظر اور دل تمہارا ہو گیا
 ہوا ہے جو اس دل میں ہنگامہ آرا ریاض وہی بزم آرائے محشر نہ سکلے
 رنگ آلودہ اک آئینہ سہی صفی دل کی آئینہ کوئی قیمت ہوگی
 ہم کو بے چین کئے جاتے ہیں دل ہائے کیا شے وہ لے جاتے ہیں
 وہ شوخ بھی مجھ پو ہے معذور ہوں میں بھی اصغر کچھ فتنے اٹھے حُسن سے کچھ حُسن نظر سے
 پہلی نظر بھی آپ کی اُن کس بلا کی تھی دل ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لے ہوئے
 لوٹ لے جی بھر کے حرّت لذت آزار عشق حرّت اُس تلک کا یہ رنگ آشنائی پھسہ کہاں
 متاع دل و جان ہم لے کے حرّت دل چلے ہیں حسد پیدار کی آرزو ہے
 ادا سے دیکھے ہنس کر ہم سے بولے آہ میں اس قیمت پڑ لیتا ہوں لے
 سنتا ہوں کہ خرمن سے ہے بجلی کو بہت لا نشی فبت نظر ہاں ایک نگاہ غلط انداز ادھر بھی
 اک نگاہ غلط انداز سہی صفدر مرزا پور دل کی آئینہ کوئی قیمت ہوگی
 قیمت جنس و فانیم نگاہی توبہ دل ایسی باتیں نہ کریں آپ کہ سودا نہ بنے
 سہی ہوئی تھی صبح کی پہلی کرن کی طسح اثر لکھنوی ان کی طرف نگاہ جو پہلے پہل گئی

یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسمِ راہِ جگر مراد آبادی کچھ اُنھیں اجتناب سا کچھ مجھے اِخمال سا

کرمِ کوشیاں ہیں ستمگاریاں ہیں دل بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں

شروعِ راہِ محبت اربے معاذ اللہ دل یہ حال ہے کہ قدمِ ڈگمگائے جاتے ہیں

دل کو لے لیجئے جو لیتا ہے دل پھر یہ سودا گراں نہ ہو جائے

آغازِ محبت ہے یعنی اب دیکھئے کیا کیا ہونا ہے

دل

یا ساری عمر کی راحت ہے یا ساری عمر کا رونا ہے

کیا طے کریں گے منزلِ الفت کی وادیاں ناظر ناظر کہ ابتدا رہی میں گھبرا کے رہ گئے

اور ہی کچھ رنگ ہے اپنی گرفتاری کا ہائے

تدبیر

یوں تو زلفوں میں تری کس کس کا دل ابھانیں

نگاہوں میں اقرار سائے ہوئے ہیں — ہم اُن کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں

دل کا کیا مول ہے شرمندہ نہ کیجئے مجھ کو طالب آپ کی چیز ہے لے جائیے قیمت کیسی

دل نہیں اختیار میں فصّلی فصّی اور ذی اختیار ہیں ہم لوگ

سراپائے عاشق

سر

مجھ سا جہان میں کوئی آشفۂ سر نہیں قائم ہے یوں تو زلفِ یار مگر اس قدر نہیں
 یاد کر کے اپنی بربادی کو رو دیتے ہیں ہم آتشِ خستِ زیرِ سر نہیں یا تکیہِ نثارِ انوئے دست
 سرِ شوریدہِ پائے دشتِ پیا شامِ ہجران ہے ماسخِ بیا باں میں کبھی گھر ہے کبھی گھر میں بیا باں ہے
 عجب انقلابِ زمانہ ہے مرا مختصرِ مافسانہ ہے جگہ مراد آبادی
 یہی اب جو بار ہے دوش پر یہی سر تھا زانوئے یار پر

صورت

پاک کن چہرہ حافظ بہ سر زلفِ زائشک حافظِ ورنہ ایں سیلِ دما دم بکند بنیادِ م
 کس طرح سے ماننے یاراں کہ یہ عاشق نہیں میرِ رنگ اڑا جانا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا
 چاہتے ہیں خبر ویوں کو اسدِ غالب آپ کی صورت تو دیکھا چاہتے
 رمز ہیں صورت پہ اُن کی شیفۂ دیدارِ شاہِ آپ کی صورت تو دیکھا چاہتے

چشم

رواقِ منظرِ چشمِ من اشیاءِ مست حافظِ کرم نما و فرود آ کر حسانہ خانہ تست
 سُرخِ چشمِ من از گریہ نباشد فائق فائق آفتابِ زلفِ رفت و شفقِ باقی ماند

ساخت در مردماں مرا رُہوا واقف دیدہ اشکبار را چہ کم
 شور ہے اُس کی اشکباری کا ابرو چشم ترقیب است
 ہو رہا ہے خراب خانہ دل میر حسن دیدہ اشکبار کے ہاتھوں
 ہننا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا سودا دی تھی خدا نے آنکھ سونا سور ہو گیا
 گر یہ شب سے سُرخ ہیں آنکھیں میر مجھ بلا نوش کو شہر اکماں
 ہنستا ہی میں ہوں جو مرا کچھ ہوا اختیار دلا پر کیا کروں میں دیدہ بے اختیار کو
 کبھی جاگُل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو
 خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے میں ڈھونڈھتی کس کو ضیا
 ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں ہر بان موج دریا ہے شکیں آستین
 ہر آنکھ نہیں جلوہ محبوب کے لائق جوش ہر دل صدف گوہر یکدہ نہیں ہے
 دل تو سمجھائے سمجھتا ہے کبھو ہدایت پر ہدایت چشم تر کا کیا علاج
 ہمارے چشم نے ایسا کمال پایا ہے ماہِ قمر جدھر کو دیکھے آتا ہے تو نظر مجھ کو
 کہیں رُہوانہ ہوں رنگینیاں درِ محبت کی ناہور مرا اتنا خیال لے دیدہ خونبار کر لینا
 ہے ہے مری چشم حیراں کا ہر حال دل اُن سے کہہ جانا شاد عظیم آبادی
 کچھ سوچ کے اُن کا دانتوں سے ہونٹوں کو دبا کر دے جانا
 جس آنکھ کے پردے میں جھلکتے رہیں آنسو جوش دراصل وہی چشمہ انوارِ خدا ہے
 طوفانِ عینِ سوزاں میں جوش ہے محمود اسرار چشم پر آبِ قلزم کو ہر دوش ہے
 لایا یہ رنگ دیدہ خونبار کا اثر
 اب پونچھتے ہیں شکری آستیں سے ہم

مرثگان

مرثۂ اشکبار را نازم عاشق رگ ابر ہزار نازم
 مشغول یادِ اوست دلِ پارہ پارہ ام اسیرِ قصدِ شوقِ بر سرِ مرثگانِ نظارہ ام
 برسات کا تو موسم کب کا نکل گیا پر سودا مرثگان کی یہ گھٹائیں اب تک ستیاں ہیں
 قطرۂ خوں ہے نوکِ مرثگان پر تکر مختصر ہے یہ ماجرا دل کا

سینہ

شد است سینہ نظیری پُر از محبتِ یار
 براے کینہِ اغیار در دلم جا نیست
 نظیری

دل

شیخ محی الدین عابدی رحمہ اللہ

فتنہ انگیز مشو کا کلِ مشکیں مکشا تابِ زنجیرِ نثارِ دلِ دیوانہ ما
 سرا بگدشتِ دینِ دلِ زارِ ہماں — گر با بگدشتِ دینِ دلِ زارِ ہماں
 القصۃ ہزارِ سرد و گرمِ عالم بر با بگدشتِ دینِ دلِ زارِ ہماں
 زمنِ سپرس کہ از دستِ او دلم چوں است
 از و سپرس کہ انگشتا ست پُرِ خوں است
 سدای
 دل سے بردہ نکو بشناس خرد آنکہ مجھ روحِ تر از آن من است

نیست در اختیارِ صبر و قرار عاشق دلِ بے اختیار را نازم
نستی دلِ بدر و معتبر است نستی لاله با دلغ آبرو دارد

بے ستون نظر کردم و یقین دیدم
که کار تیشه زنده باد نیست کارِ دل است
دلِ شوریده ما شورِ امکان در قفس دارد
گم ز دیده است اینجاست عیانِ موجِ دریا را
دلِ خرابی میکند از زلف تدبیرش کنید
دست و پاے می زند دیوانه رنجِ برش کنید

هر غنچه بشکفت الا دلِ من واقف لے و دلِ من صد و دلِ من
یا رب چه سازد با سنگِ طفلان نازک دلِ من مینا دلِ من
ما را خیالِ جنگ و سرکار زار نیست ——— ورنه دلِ دو نیم کم از ذوالفقار نیست
پهلوی بشکافید و بنیید دلم را غالب تا چند بگویم که چنان است و چنان نیست
قسمت نگر که با دلِ چاکم برابر است و لا حیب که مدعی به هوس پاره میکند
با کلبه لاله عذر است دلِ ما مشتری آئینه در دستِ بهار است دلِ ما
از دلِ صد پاره ات آگه نیم شبلی و لے شبلی تیشه دیدم که از بالائے طاق افتاده بود
چه شور است این که در آب و گل افتاد آفتاب زیک دلِ عشق را صد مشکل افتاد
قرار یک نفس بر من حرام است بمن رحمی که کارم با دلِ افتاد

به تلع خود چه نازی که بشم در دمندهاں
دلِ غزنوی نیرزد به تسمه ایازے

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ اے سراج سراج شاید کہ جاگاہ ہے کسی آشنا کے ہاتھ
 چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا بل گیا
 مگر ایک شاخ نہالِ عنبر جسے دل کہیں سوہری ہی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے نجاد یہ کامند مراد دلِ حسد اجاتا ہے
 لگتی ہے اب تو قفلِ مینا سے دل کو ٹھیس کلم وہ دن گئے کلم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
 مجھ بے ستلا کی چشم کہاں تک پر آب ہو افان لے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو

یہ جانتا میں نہیں ہوں کہ دل ہے کیا قائم
 پر اک خلش سی رہے ہے مدام سینے میں قائم

چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دمِ خط کے بیچ سودا یہ مرغِ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا
 غنچوں کو گو شگفتہ چمن میں صبا کیا دل لیکن ہمارے غنچے دل کو نہ واکیا
 کارگر ہو گا ترا افسوں یہ باور ہے تجھے دل اُس پری پر لے دلِ حشی دوانا ہے عبث
 جنسِ دل کتنی ہے ناکارہ بہ بازارتاں دل ایک پوچھے لوں تو بولے و سر کس کام کو
 دل کے ٹکڑوں کو نفلِ بیچ لے پھرتا ہوں دل کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
 ہے زلف میں میرا دل مت کھینچو تو شانہ دل زنجیر نہ کھل جائے ہے سخت یہ دیوانہ
 ہوا کس پر یہ دیوانہ الہی دل کہ موجِ اشک ہے زنجیرِ دل کی

کیا چیز ہے وہ دل جسے کہتے ہیں الہی دل اک قطرہِ خوں سینے میں آفاتِ طلب ہے

اُٹھی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کام کیا تیر

دیکھا اس بیمارِ دل نے کیسے کام تمام کیا

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اُسِ نحیر کا دل جس کے ہڑکڑے میں ہو پونہ پیکان تیر کا

دل پرخوں کی اک گلابی سے دلہ عمر بھر ہم ہے شہزادی سے
 مست دل تجھے کتنا تھا میں دل اُس سے زیادہ شکوہ پائی نہ سزا اور بھی دل اس سے زیادہ
 وصل میں بخود ہے اور بھر میں بیتاب ہو رُسوا اس دوانے دل کو رُسوا کس طرح سمجھائیے
 عشق میں صبر و قناعت گرچہ کچھ مشکل نہیں دلی ایک اُن کو ہے کہ جن کے دل ہے میرے دل نہیں
 جائے کس واسطے اے دردِ میخانے کے پنج بیر درد اور ہی مستی ہے اپنے دل کے چمانے کے پنج
 نے خانہِ خدا ہے نہ ہے یہ بُتوں کا گھر دل رہتا ہے کون اس دلِ خانہِ خراب میں
 کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بونہ ہو دل کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو
 نہ آئے درد جب خود ہی سمجھ میں دل تو کیسا حالِ دلِ دیوانہ کہئے
 دل بھی تیسرا ہی ڈھنگ بیکھا ہے دلہ آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
 گئے نالے ترے برباد مانشہ جس چپ رہ

تباہاں

اثر دیکھا تری مسرِ یاد میں دل ہم نے بس چپ رہ
 زنجیر میں رُفلوں کی پھنس جانے کو کیا کہتے یقین کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہئے
 ہوتے تو دل سحر میں گرفتار ہو گیا لاؤں لاتی فنا اب چھوٹنا پہ زلف سے دشوار ہو گیا
 ایک کر دٹ سے سو نہیں سکتا ذیالِ عین اللہ اس دلِ بیقرار کے باعث
 کام اپنا اثر تمام ہوا میرا اثر اس دلِ نابکار کے باعث
 بیٹھے بٹھائے کو چہرِ قاتل میں لے گیا ذیالِ عین اللہ میرا رب مجرا ہو اس دلِ خانہِ خراب کا
 ضبطِ گریہ تو ہے پر دل پہ جو اک چوٹ سی ہے
 قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز
 جب تک یہ محبت میں بدنام نہیں ہوتا مسخنی اس دل کے تئیں ہرگز آرام نہیں ہوتا

راسخ

شام ہی سے بجھا سار رہتا ہے مصحفی دل ہے گویا چراغِ مفلس کا =

بجھتا تھا مرے پہلو میں دل اک قطرہ خوں ہے
معاذ اللہ نہ اس قطرے کو میں دریا بجھتا تھا

مصحفی میں تو بجھتا تھا کہ ہو گا کوئی جسم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

ظالم دیا رول کا تجھے پاس ہے ضرور دل ویراں ہوا یہ گھر تو بایا نہ جائیگا

مے سینے میں دل بے تابیوں سے دل پھر کتابے مثال مرغ پر بند

دل کی نافھی سے اپنا جی تو اب گھبرا گیا دل کب تک سمجھائیں یا رب سے دیوانے کو ہم

بہت شور سننے تھے پہلو میں دل کا آتش جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

کسی نے مول نہ پوچھا دل شکستہ کا دل کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

شفاق درو عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے دل کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ

جانا تھا کسی شمع کا پروانہ بنے گا اتنی ہم دل کو نہ سمجھے تھے کہ دیوانہ بنے گا

دل کے پھپھو لے جل اٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر میں آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یوں لائے واں سے ہم دل صد پارہ ڈھونڈھ کر

دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اٹھا لیا

رہتا ہے اپنا عشق میں یوں دل سے مشورہ دل جس طرح آتش سے کرے آشنا صلاح

پھر مجھے لے چلا وہیں دیکھو دل خانہ خراب کی باتیں

عرض نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا غالب جس دل پہ ناز تھا ہمیں وہ دل نہیں ہا

مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کر کے یں غالب شایان دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

حیران ہوں دل کو روؤں کہ بیٹوں جگر کو یں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں فوجہ گر کو یں

دل

دل ہی تو ہے نہ سنگ خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رلائے کیوں

دل

کب کہا ہم نے کہ پہلو میں ہمارے دل نہیں
دل تو ہے پر التفات دوست کے قابل نہیں

ہم کو معلوم ہے حقیقتِ دلِ فرقت قطرِ خون کے سوا کیا ہے

بچتے ہیں اس قدر جو ادھر کی ہوا سے ہم شیفہ واقف ہیں شیوہ دلِ شورشِ ادا سے ہم

اثرِ آہِ دلِ زار کی افواہیں ہیں دل یعنی مجھ پر کرمِ یار کی افواہیں ہیں

سچیں ملتا نہیں ذرا دل کو نظامِ تم سے مل کر یہ کیا ہوا دل کو

نہ جان کر گُل بازی بہت اُچھال کے پھینک

شاد پرویر

یہ دل ہے شیشہ سے نازک ذرا سنبھال کے پھینک

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار ~~نہ~~ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

پوچھتا حالت کیا میرے دلِ ناشاد کی آزاد آہ کی ہمت نہیں طاقت نہیں فریاد کی

ذرا جذبِ دلِ نخچیر دیکھو عرفان نہیں کھینچتا تمہارا تیر دیکھو

دل دیتا ہے ہر پھر کے اُسی در پہ صدائیں آشفۃ دیوانہ بنا ہے ابھی دیوانہ نہیں ہے

نہ حرم ہے نہ کلیسا ہے نہ بُت خانہ ہے نشتر یار کی انجن ناز ہے کاشانیِ دل

سویا ر موت آئی ہے عہدِ شباب میں — اس دل کے ہاتھوں جان پڑی ہے عذاب

ہمارے شیشہٴ دل کو سنبھل کر ہاتھ میں لینا — نزاکت اس میں ایسی ہے نظر سے جب گرا ٹوٹا
 ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا — اتیر کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا
 بیاپھر تو نے اس کا نام لے لے — دل اے ظالم ابھی سمجھا چکا ہوں
 مجھ سانہ دے زمانے کو پروردگار دل — داغ آشفتنہٴ دل، فریفتہٴ دل بے قرار دل
 دل مرادِ ابستہٴ زنجیر زلفِ یاس ہے — تحس ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں شیا ہے
 قطرہٴ خوں بھی نہیں دل میں مرے — تسلیم ہائے تر ہوگی زبانِ تیسر کیا
 تڑپتی دیکھتا ہوں جب کوئی شے — دل اٹھا لیتا ہوں اپنا دل سمجھ کر سر
 بہت ہے جسم کو اپنے جام پر ناز — ریاض ذرا لانا میرا ٹوٹا ہوا دل
 کیا دیکھتے ہو رنگِ دلِ داغدار کا — برہم رہتا ہے یاں خزاں میں بھی عالم بہار کا
 ہم نشینو کچھ نہ پوچھو حالِ دل — مضطرب ہوا ایک شیشہ ہے کہ چکنا چور ہے
 پہلوئے عاشقِ بیدل میں بس اک آبلہ ہے — اُن کو کیا کئے جو رکھ دیتے ہیں تہمتِ دل کی
 پتھر نہیں کہ طور پہ وار آزمائے جائیں — شائبہٴ لکھنوی لے برقِ حسنِ حالِ دل زار دیکھ کر
 دیکھ میسے دل کو تو او مُنکرِ اعجازِ عشق — دل گر نہیں سکتا ہے بادہ اور شیشہ چور ہے
 کعبہ ہی ہے طور ہی، عرش بھی ہی — نوحِ نارو اس میدلی سے دل کی حقیقت نہ پوچھے
 آج تک دل کی آرزو ہے وہی — جلیل پھول مرجھا چکا ہے بو ہے وہی
 جو سینے میں دل ہے تو بارِ محبت آرزو لکھنوی — اٹھے یا نہ اٹھے اٹھانا پڑے گا
 جس میں کیفِ غم نہ ہو باز آئے ایسے دل سے ہم — دل یہ بھی دینا ہے کوئی تے تو نہ دی ساغر دیا
 شیشہٴ دل غیر کے لائق نہیں — اتھر اس مرقع میں تری تصویر ہے
 دل کو جاناں سے خن سمجھا بوجھا کر لائے تھے — حسن دل ہیں سمجھا بوجھا کر سوئے جاناں لیچلا

متلّع درو کو ہم زینت کا حاصل سمجھتے ہیں آفر جسے سب درو کہتے ہیں اُسے ہم دل سمجھتے ہیں
 اسرارِ عشق ہے دل مضطرب لئے ہوئے دل قطرہ ہے بیقرار سمندر لئے ہوئے
 اللہ سے جنوں کی یہ ذرہ نوازیں آفر بیٹھا ہوا ہوں دل میں بیاباں لئے ہوئے
 عرش کا ہے کبھی کعبہ کا گماں ہے اس پر اقبال کس کی منزل ہے الٰہی میرا کاشانہ دل
 تو سمجھتا نہیں لے زاہدِ ناداں اس کو زینک صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
 جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں دل

دل کی حالت نہیں بدلنے کی نشانی ہے نظر اب یہ مودیا نہیں سنبھلنے کی
 یوں تو دل کو کبھی مترار نہ تھا دل اب بہت ہی متدار رہتا ہے
 تو بھولا بھالا ہے لے دل بے طرح ستایا جائے گا
 ان شوخ حسینوں سے مل کر واللہ بہت بچھٹائے گا بیدم شاہ وارثی

دل نے مجھ سے اثر کیا سو کیا اثر لکھنوی کیا کہوں مہربان ہے اپنا

ہزاروں محفلیں ہیں اور لاکھوں زینتیں لیکن

دل دیراں پسند آیا بساطِ آراے امکاں کو دل

کعبہ وفا ہے یہ خانہِ حسد ہے یہ رداں اُف یہ کیا کہا تم نے دل کی کوئی ہستی ہے

لے میرے درمہند دل سن مری ایک بات سن

اس کو نہ بھولنا کبھی جس نے تجھے بھلا دیا آسی آلدنی

اگر دل سلامت رہیگا تو آسی دل بہت مل رہیں گے غنا دینے والے

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر جگرِ آواہی ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

فکر منزل ہے نہ ہوشِ جاوہ منزل مجھے ولا جا رہا ہوں جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے
 الٹی دے اثر ایسا مری بیتابی دل میں چلے آئیں کلیجہ تمام کہ وہ میری محفل میں
 ہاں یہ ترے خیال کے قابل نہیں رہا بخود مولیٰ اس دل میں رہ چکی ہے تمنا گناہ کی
 دلِ حنین کا فسانہ اے معاذ اللہ ہادی مچھلی شہری وہ کیا سنیں گے کسی سے سنا نہیں جاتا
 دل اگر درد آشنا نہ ہوا سیل ننگ ہستی ہوا ہوا نہ ہوا
 زخم کیا جو کہ دل کُشا نہ ہوا درد وہ کیا جو لا دوا نہ ہوا
 عرش بریں بھی اس کے مقابل نہیں ہا ولا جس دل کو تو نے دیکھ لیا دل نہیں رہا
 اب تو درِ حرم کے بھی متا بل نہیں ہا پرسش ہو جس کی دیر میں وہ دل نہیں رہا
 رنگینیاں نہ پوچھ دلِ داغدار کی ولا صدقے اتر رہی ہے نسیم بہار تک
 آنکھ بھونکے ہو جو تم بھی کچھ دل کا حال سُن لو جوش گزرا ہے جو دھڑکے کچھ دیر رو گیا ہے
 تیرے چھونے سے بھی دُکھے جو فراق کو کھپو کون اُس دل کی پھانس نکالے
 آپس پیالے کس لئے سینے میں کیا آزار ہے عذیب شادانی بس کچھ نہ پوچھ لے تہنیش اس گھر میں اک سیار
 ہم نے کیا کیا کیا نہ لے فضلی فضل دلِ خانہ خراب کی خاطر
 دلوں کو اذانِ بیتابی ملا ہے انجم فوقی یہ شیشے کیا عجب ہے ٹوٹ جائیں

ما تھ

کو دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است
 ہر دم ہزار بوسہ دہم دستِ خویش را
 آفرین لے دستِ گستاخِ محبتِ آفرین میرا ہدیہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہارتھا

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو

ایک دن ایک صاحب نے نواب مرزا داغ کے سامنے ایک تصویر پیش کی جس میں ایک
نازنین جلنے کا قصد کر رہی تھی اور اس کا عاشق ایک ہاتھ سے اس کا دامن پکڑے ہوئے
تھا اور ایک ہاتھ سے اپنا دل سنبھال رہا تھا، تصویر پیش کرنے والے صاحب نے فرمائش
کی کہ تصویر کی کیفیت ایک شعر میں ظاہر کی جائے، نواب مرزا داغ نے تھوڑی دیر غور کرنے
کے بعد مندرجہ ذیل مطلع کہا اور بعد ازاں غزل مکمل کر لی :-

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے دل کو تھا ماؤں کا دامن تھا م کے

لہو

دیکھ دامنگیر عشر میں تیرے ہو بیٹنگے ہم عاجز خون ہمارا اپنے دامن سے نہ لے قاتل چھڑا

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قاتل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے

لہو کی بوند مرگاں سے جھڑی ہے داغ یہی گلزارِ دل کی پنکھڑی ہے
لہو سہل کا مقتل کی زمیں پر ریاض نہ دامن پر نہ اُن کی آستیں پر

کہیں ایسا نہ ہو بن جائیں شاہد خونِ ناحق کے

غالب

یہ دھبے تیرے دامن کے یہ سُرخ تیرے خنجر کی

جامہ عاشق

پیرا مہن

دیکھو تو اپنے دھیوں کی جامہ زیمیاں یاس اللہ رے حسن پیر مہن تار تار کا

گریبان و دامن

وہ کہ از دوختن اس چاک گریبان فرست عرقی این نگاہیت کہ تا دامن ایمان رقت
رفور نسبت ہرگز بہ حب من نمی باشد تھوری چہ کار آید گریبانے کہ تا دامن نمی باشد
عریاں تنی خوش است لے زیب بگریہ است — دامن چاک چاک و گریبان دریدہ را
از گریبان چند تا لے ماندہ است — لے جنون دستے کہ کالے ماندہ است

لے بادمات اڑا تو گریبان کی دھجیان قائم لے ہے جنون حساب یہاں تار تار کا
ٹپکنے لگے اشکِ گلگون مرثہ سے قدرت پھر آئی ہے فصلِ بہارِ گریبان
تنگ تو ہم کو تو لے حب کرے ہے لیکن قائم اٹھ گیا ہاتھ گرا پنا تو پھر اک تار نہیں
کیا میں نے رو رو فشارِ گریبان تیر رگِ ابر بھتا تار تارِ گریبان
نشان اشکِ خونین کے مٹے چلے ہیں خزاں ہو چلی ہے بہارِ گریبان
مرے ہاتھوں کے ہاتھوں لے عزیزان میر درد گریبان چاک ہے چاکِ گریبان
بے اشک از بسکہ آنکھوں سے اپنی تابان لب جو ہوا ہے کنارِ گریبان
مرے اشکِ گلگون سے یاں تک نہ لگیں کہ ز شک چمن ہے بہارِ گریبان

اک پارہ جیب کا بھی سجا میں نہیں سیا — وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا
یہ حال ہے ترے وحشی کے جیب و دامن کا جرأت کر چاک چاک میں ہے اور نور نو میں ہے

خواب میں دیکھا تھا میں بھی اُس کا داماں ہاتھ میں
کھٹل گئی جو آنکھ تو پایا گریباں ہاتھ میں

اے دستِ جنوں چل تو گریباں کی طرف بھی رنگین اور جی میں ترے آئے تو داماں کی طرف بھی

کس درجہ تنگ ہوں ترے ہاتھوں سے آئے جنون
لاؤں کہاں سے روز گریباں نئے نئے

مفتی صدر الدین خاں آرزو

ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو ہے منکرِ بخیمہ تجھ کو گریباں کے چاک میں

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب غالب جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا ہن دلہ ہجاری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے

تقاضا ہے گریباں کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو آزاد تمننا ہے یہ دامن کی اڑا دو دھجیاں میری

تا دامن آکے چاک گریبان نے دم لیا — ہے دامن اور جیب میں شتہ قریب کا

مجھ کو نہ دیکھئے میرے دامن کو دیکھئے ریاض کس طرح رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

کھیل لڑکوں کا بنایا ترے دیوانے کو بسل کوئی دامن لئے جاتا ہے گریباں کوئی

کیوں گریبان تیرا آج حسن حسن اس طرح تار تار ہے کیسا ہے

سو بار تیرا دامن ہاتھوں میں مرے آیا اصغر جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں تھا

ہمارِ زندگی احسن ہے شاید اسی آگنی گریباں مل گیا دامن میں آکے

یہ پوچھ عیدِ ہوش کو کہ دامنوں کے آٹھیں فانی پھر کیا ہوں دامنوں کی دھجیاں لئے ہوئے

سراپائے معشوق

اے بہت آبِ حیات دے قدت سر و چمن حلقہ لے رخت خورشید خادر لے خط مشکِ ختن

دل بُرد از من دیر و ز شاہے بگر مراد آباد فتنہ طرازے محشرِ حنراے

روئے مینش صبح تجھے لوحِ حینش ماہے تمے

مشکیں خطِ او سنبُلِ بگلشن لعلیں لبِ او بادہ بجائے

عارضِ چہ عارضِ گیسو چہ گیسو صبحے چہ صبحے شانے چہ شانے

چشمے کہ کوثر یک جہرے او ویکہ کہ طوبش ادنیٰ غلائے

برقی نگاہش صد جان بدمن زلفِ سیاہش صد دل بدما

آں تیغِ ابرو آں تیرِ مرثگان آمادہ ہمدیک برقتلِ عا

ہر عشوہ او شیریں ممتالے ہر عنبرہ او رنگیں پیالے

از چشم لرزان لرزاں دو عالم وز زلفِ برہم برہم نطن

گاہے بہستی طاووسِ رقصان گاہے بہ شوخی آہو حنراے

از بارِ مینا لرزشِ بدتش وز کیفِ صہبا العنزش بگاہے

گفتم چہ جوئی گفت دل و جان

گفتم چہ خواہی گفت اعلائے

سراپائیں جس جانِ ندر یکجھے تیر وہیں عمر اپنی بسر یکجھے

سج گرم جہیں گرم، نگہ گرم، ادا گرم انشا وہ سر سے ہے تاناخنی پانا، حنراے

گلِ رخسار میں گلاب کا رنگ احسن طرزِ گفتار میں شباب کا رنگ
قدِ قیامت تو شورِ محشرِ حال گوری گردن میں بیشیِ رمال
سحر آنکھوں میں قمرِ خوں میں تازہ پھولوں کے ہار گردن میں

اکبر الہ آبادی

زلفِ پچان میں وہ سج و سج کہ بلائیں بھی مرید
قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید
آنکھ وہ فتنہِ دوران کہ گنگار کرین
گال وہ صبحِ درخشاں کہ ملکِ پیار کریں
آتشِ حسن سے تقویٰ کو جلانے والے
بجلیانِ لطفِ تبسم سے گرانے والے

حافظ، بگر، میر، انشا، احسن و اکبر کے ان اشار میں سراپا مختصراً بیان کیا ہے
اب ان اشار کے اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو :-

تدیار

دواہر و کمان و دوگیسو کمند فردوسی بہ بالا بکر دارِ سر و بلند

آزاد نے "سخندانِ فارس" میں اس شعر کو یوں لکھا ہے :-

دواہر و کمان و دوگیسو کمند زبانش چو خنجر و ہانش چو قند

اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شعر فردوسی نے رستم کی بی بی کی تعریف میں لکھا ہے، منکوحہ کی تعریف

میں تو خیر یہی شعر مناسب ہے مگر محبوبہ کے شایانِ شان تو "بالا بکر دارِ سر و بلند"

والاشعر ہے

قمریاں پاس غلط کردہ خود میسارند ——— ورنہ یک سر و دریں باغ بہ اندام تو نیست
 ہر رنگ کہ خواہی جامہ می پوش ——— من انداز قدرت را می شناسم
 بالا بلند عشوہ گرد و سرونار من حافظا کوتاہ کرد قصہ زہد دراز من
 حکایت از قدر آن یار دینوار کنسید لازمائی یزدی بہ ایس فناء مگر عسر را دراز کنسید
 از فرق تا قدم ہمہ جانست آن جمال قفانی گوئی ز آب چشمہ حیوان بر آمدہ
 ز فرق تا بہ قدم ہر بجاکہ می نگرم نظیری کرشمہ دامن دل می کشد کہ جابجا نیست
 جلوة آن سر و قامت دیدہ ام ——— من بحشیم خود قیامت دیدہ ام
 قاتلش سخت و کشت افتادست نسبتی ورنہ قدر بلند بسیار است
 نظام الدولہ ناصر جنگ ناصر

تو نہال قامت او گر چمن پیرا شود سر و گلشن گرد باد دامن صحرا شود
 ز فتنہ نیست بہر تو گوشتہ خالی و آنف ز قامت تو قیامت بگو کجاست کہ نیست
 تا غلام قدر تو من شدہ ام میر غلام علی آزاد سر و آزاد گفتہ اند مرا
 قیامت قامتیاں مژگان درازان غالب ز مژگان برصہ دل نیزہ بازان
 سنجیدہ ایم فتنہ محشر بتش شبلی یک نیزہ قدر فتنہ طہ از ش بلند بود
 سر و در گلشن بہ یک پا ایستاد ولا بہر تعظیم متد و بجوئے تو
 لے قامت بلند تر از سر و جوئی آیتی لے پیکرت لطیف تر از برگ یاسمین
 تم کہ بیٹھے پہ ایک آفت ہو حاتم اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
 قدر و قامت آفت کا ٹکڑا تمام میر حسن قیامت کرے جس کو جھک کر سلام
 قدر و قامت اُس بت معرور کا جواد علی تقویٰ ایک جھکاپے خدا کے نور کا

کون ریحے قامتِ رعنا تیرے جز یقین یقین غیر شاعر کون ہے اس مصرعہ موزوں کی دا

ہارمت پہنا کر اے پیائے کہ نازک مستد ترا
 دل بوجھ سے پھولوں کے جاتا ہے لچک جون شاخ گل

کہتے ہیں تیرے قامت و عارض کو دیکھ کر تاج بالائے سر و پھول کھلا ہے گلاب کا

قدیں آثار سب قیامت کے شوق گوری گردن میں طوقِ منت کے

ابھی اس نو بہار پر عالم آزاد باغباں ہے نخلی کو پل کا

کیا بلا شوخ کی قیامت دیکھی انصاح ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی

نہ لگے تجھ کو نظر اے قدرِ عنالے تحسن بے طرح گھورتے ہیں عالم بالا والے

قامت میں تیرے صانعِ قدرت نے اے حسین

اکبر الہ آبادی

دکھلا دیا ہے شر کو سانچے میں ڈھال کے

تابِ نظارہ نہیں مضطرب کہ وہ مضطربا پو سر سے لے کر پاؤں تک اگ لڑ ہے

صورتِ یار

صورت میں تو کتنا نہیں ایسا کوئی کب ہے

سودا

اک دھج ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے

دیکھ لو میرے یار کی صورت تباہ ہے سر اپا بہار کی صورت

تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم داغ اُس کی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم

دیکھتے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا

دل

مجھ کو یہ چاہ مری تجھ کو یہ صورت تیری

کیا ہے ہم نے کیا کیا پیار پھر بھی جی نہیں بھرتا
 وہ بھولی بھولی صورت دل میں رکھ لینے کے قابل ہے
 کھلتی کھلتی وہ چپٹی رنگت — بھولی بھولی وہ موہنی صورت
 انھیں اب ناز ہے خود اپنی صورت پر کہ برسوں سے
 پرستش کر رہا ہے حسرتِ زگین بیان میری
 تری صورت سرا سر پیکر مہتاب ہے سلی اختر شانی تزا جسم اک ہجومِ رشیم و کخواب ہے سلی
 تو اس سنسار میں اک آسمانی خواب ہے سلی

زُلفِ یار

پیچیدہ مورا بصد آب و تاب فردوسی گرہ کرد شب را پس آفتاب
 چو بکشد آن طرہ مشکنا دلہ شب آمد بہ پا بوسی آفتاب
 بوئی نافہ کا خمر صبا زان طرہ بکشد حافظ ز تاب جعدِ مشکینش چہ خون افتاد در لہما
 بفسقہ طرہ مفتول خود گرہ میزد دلہ صبا حکایتِ زلفِ تو در میان انداخت
 مدام مست میدارد نیم جمدِ گیسویت دلہ خراجم می کند ہر دم فریحِ چشمِ جادویت
 ترک من چون جعدِ مشکین گرو کا کل بشکند دلہ لالہ را دل خون شود باز ارسنبل بشکند
 تا بہ زلفِ سیہش دل بستم بابر از پریشانیِ عالم رستم
 ابو الفضل کہ بابر کا یہ مطلع جعد پسند تھا

غمِ عالم پریشانم نمی کرد شغالی سر زلفِ پریشان آفریند
 کاکلت را من بہستی رشتہ جان گفتہ ام سلی سلطان گیم مست بوم زین سبب حروٹ پریشان گفتہ ام

مرا زلفت ز دامنم آزاد خواهم کرد میسدم
 به دلم زیاده زلفت سیر سجد نهیت قدسی
 که بجنای پریشان نتوان نماز کردن
 میان زلف لعل گوشواره و آسلی بهار عشق بچیان کن لطافه

هر خشم و پیچی که شد از تاب زلف یار شد
 دام شد زنجیر تسبیح شد ز تار شد

دارا شکوه

نهان در گیسوئے اولیله الله فینت عیان از جبهه او مطلع العجب
 دراز زلفت او عسمر تسلس عیان از پیچ و تابش مرگ سنبیل
 از شکنجائے طهره سنبیل وصالی بوئے گیسوئے آن نگار آمد

حدیث زلف دل آویز آن نگار مشب مجابی ز من پیرس که بس خاطر پریشان است
 شب که صحبت به حدیث سر زلف تو گذشت صائب هر که برخاست ز جاسله برپا برخاست

نه زلف است آنکه هر دم بز فیه دلدار می پیچد ————— ز مستی هرفس بر شاخ صندل مار می پیچد
 صید از حرم کشد خم جعد بلند تو خیزین فریاد از تقاول مشکین کمند تو

من نه ز اختیار خودی روم از نقائے او ————— آن دو کمند عنبرین می کشد مکشانشان
 در بند آن مباحث که مضمون نه مانده است ————— صد سال می توان سخن از زلف یار گفت

در خرابیائے دل زلفش رسا افتاده است انصاف در شکست کعبه این کافر چرا افتاده است
 دوزلف تابدار او بحیثم اشکبار من قاتانی چو چشمه که اندر وشنا کنند مارها

بیخبر بگلرای

پهچو آن شامی که روشن گردد از رنگ شفق
 کاکلت از تاب رخسار تو رنجبیر طلاست

چون چشم او دو ترک کھاندار دیدہ شوریدہ تیرے چون زلف او دو طرہ طرار دیدہ

در تار زلف اوست مقید ہزار دل در یک رس ہزار گرفتار دیدہ

کہ میں گیسوئے ہرسم سر آراستن دارد وحشت کہ یارب در کف مشاطہ مشبانہ می قصد

نگر دو نال نام دھرم بر ہم ^{پیر عثمان علی قاسم} نظام دکن بگیسوئے پریشان شانہ دادند

خبرے نیست گراں حال پریشان منش سنا از چہ آشفۃ بود زلف شکن در شکنش

از زلف سیاہ تو بہ دل دھوم پڑی ہے فطرت در خانہ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

کیس کیس دوسرا مصرعیوں بھی دیکھا ہے :- در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

خوف سے مار کے یاران مجھے لرزان نہ کرو محمد شاہ زلف کا نام نہ لو اور پریشان نہ کرو

سانوے سب ایک سے ظلم کرنے میں بہا ٹیک چند بہا کم نہیں کچھ دل کے لے جانے میں کمال چشم سے

دیکھ اُس کے رخ پہ زلف سیہ فام کی تیں ^{لا غوث را} شاد آداب کیا زیب ہے کفر بھی اسلام کی تیں

جب چمن میں جا کے پیائے تم نے زلفیں کھولیاں

لے گئی بادِ صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں ^{آبرو}

زلف کو کنا پریشان عمتل کی دوری ہے یہ

تا رنار اُس کے میں دل ہے عقل کی پوری ہے یہ ^{دل}

کیس کیس دوسرا مصرعیوں دہج ہے :-

ہر گرہ میں اس کے دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

دونوں طرف ہیں منہ پہ جو موہیں سیٹیاں ^{تجاد} لہریں ہیں میرے شوق کی زلفیں تھاریاں

کھا پیچ و تاب مجھ کو ڈیس اُبہ کالیاں ^{فغان} ظالم اسی لئے تین نے زلفیں تھین لیاں

برہم کرے جمعیت کو نین جو پل ہیں ^{سودا} لٹکا وہ تری زلف پریشان میں دیکھا

نے فقط تجھ حُسن کی ہے ہند کے خواباں میں دھوم
ہے تری زلف چلیپا کی فرنگستاں میں دھوم

بیدار

ہم ہوئے غم ہوئے کہ تیر ہوئے تیر اُس کی زلفوں کے سب سیر ہوئے
امشب تری زلفوں کی حکایات، واللہ برأت کیارات ہے کیا راستے واللہ
یاں لعلِ فسوں ساز نے باتوں میں لگایا مصحفی سے پیچ اُدھر زلف اڑا لگی تھوڑے دل کو
مصحفی نے جب یہ شعر مشاعرہ میں پڑھا تو تیر نے کہا ”بھئی ذرا اس شعر کو پھر پڑھنا“ اتنا
کہنا ہزار تعریفوں کے برابر تھا، مصحفی نے کئی دفعہ اٹھ اٹھ کر سلام کئے اور کہا کہ میں
اس شعر پر اپنے دیوان پر ضرور لکھونگا کہ حضرت نے دوبارہ پڑھوایا تھا

بکیرے جو وہ زلفوں کو اپنے کھڑے پر دلہ تو مائے شرم کے آئی ہوئی گھٹا پھر جائے
مصحفی کس کے کھلے بال تو دیکھ آیا ہے دلہ کہ تری وضع سے شوریدہ سری نکلے ہے
تمنائے زلفِ رسا ساتھ ہے دلہ جہاں جاؤں میں یہ بلا ساتھ ہے
چاند سے رخسار پر لہر کے آنے دیجئے آتش کبھی اندھیر زلفوں کو پریشاں چھوڑ کر
الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں توں لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
نہ کچھ تیزی چلی باوِ صبا کی دلہ بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی
ہے تیرے کان زلفِ معنبر لگی ہوئی ذوق رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی
زلف اس روئے کتابی پر ظفر ظفر سورہ والیس ہے قرآن میں
نیند اس کی ہے دماغ اسکا ہے اتیرا سکی ہیں غالب جسکے شانے پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں
بھرم کھل جائیگا ظالم تے قد کی درازی کا دلہ اگر اس طرہ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے
حدیث زلفِ چشم یار سے پوچھ — درازی رات کی بیمار سے پوچھ

دل مضطرب کو تو کا کل میں باندھا آزاد اب اچھل میں کیا جانے کیا باندھتے ہیں
قیامت بپا ہوگی اٹھے گافتنہ وہ جوڑا نہیں اک بلا باندھتے ہیں
یا تیسری ہی زلف میں دیکھا شیدائی تہل ایک زنجیر لاکھ دیوانے

مسطرب ہے اُسی کو چہ کی صورت اپنا صحرا بھی وحید کہاں کھولے ہیں گیسو یا رنے خوشبو کہاں تک ہے
چوٹی میں اپنی اُس نے جو گوندھا ہے ہار کو — باندھا ہے پیچ زلف میں گویا ہزار کو
آئی جو کھل کے زلف رسا سر سے پاؤں تک آئیر لینے لگی بلایں ادا سر سے پاؤں تک
یہ بلایں اگر آئیں تو مجھی پر آئیں آرزو کھنڈی اُن کی زلفیں مٹ پریشان تو میرے شافون پر
کس نے بھیگے ہوئے بالوں سے یہ جھکا پانی دلہ جھوم کر آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی
میرے دل کے آپ شیرازے بکھرنے دیجئے اشہر اور بھی زلف پریشاں کو پریشان کیجئے

صبا نے جب سے چھڑا ہے مزاج زلف برہم ہے
بلاؤں پر بلایں لے رہی ہیں امتحان میرا
نہ شکوہ تیج ابرو سے نہ زنجش تیر مژگاں سے
مری خاطر پریشان ہے تری زلف پریشاں سے
انتظار

اپنے آپے میں نہیں شوق کے ماے گیسو حرّت پھیلے جاتے ہیں رُخ یار پہ سارے گیسو
فاتحہ پڑھنے چلے مرقدِ حرّت پہ جو وہ پہلے کس ناز سے رور کے سنوارے گیسو
کیا دلفریبِ سن ہے چوٹی کے ہار کا جگر گور کھپو زبور ملا ہے شام کو صبح ہزار کا
زُلفوں والے یہ اندھیر آزادانہ ڈھکے ڈھکے کالے ناگ

اللہ کے سکونِ قلب اُس کا دل جس نے لاکھوں توڑ دئے
جس زلف نے دُنیا برہم کی وہ آب کبھی برہم نہ ہوئی
فانی

اُس نے شانوں پہ زلف ہرسم کی جگر راہ آباد
اُس کی زلفوں کو مت کوٹکس اثر ابروی کیونکہ اہل کتاب ہیں دونوں
لوٹتی تھی کس تکلف سے ہوا کے دوش پر
چاندنی میں کا کل عنبر فشان کل رات کو
جوش

روئے یار

گل افشانی کند نازش چو میبارد غلاب از رخ
نگہ در شبنم شرمش کہ میسر یزد گلاب از رخ
ز عشقِ ناتمام ما جمالِ یار مستغنیست حافظ بہ آب و رنگِ خال خطِ چہ حاجتِ رو زینارا
روشن از پر توے رویت نظرے نیست کہ نیست دل منتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست
رگِ گل کرد آن گل چسبہ ہر تار نہالی را
ازیں اندیشہ گھلا داغ شد بر سینہ قالی را
جز آئینہ در روئے تو دیدن کہ تواند ضیری جز شانہ بزلت تو رسیدن کہ تواند
ہر کس کہ دید روئے تو دیوانہ می شود غنی آئینہ خانہ از تو پری خانہ می شود
کہیں کہیں دوسرا مصرعیوں بھی دیکھا ہے :- آئینہ از رخ تو پری خانہ می شود
میر کامل بنورانی رخ و لب نہی ماند حنین اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نہی ماند
پیردہ اگر بر افگند نیست عجب کہ بشکند آیتی پر توے روئے ماہ تو رونق آفتاب را
گرفت عرصہ عالم جمالِ طلعتِ دوست ادیب پشاور بہجہ کہ روم آن جہاں می نگریم
گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں مگر جاننا بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

ترامند دیکھ بلبل گل سنی بزار ہو جائے ^{میر شمس الدین} اگر گل تجھ تک پہنچے گلے کا ہار ہو جائے
 آئینہ رخ کو تے اہل صفا کہتے ہیں جرات اس پہ اٹکے ہے مراد اسے کیا کہتے ہیں
 حسن یوسف بھی اُس کے آگے ماند نواب زاشوق چہر زلفوں میں جیسے ابر میں چاند
 ہر چند پس پردہ تھا پرتابش رخ سے ارشد بے پردہ میرے سامنے وہ پردہ نشین تھا
 رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
 ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

رخ رنگین پہ موجیں پتہ سہاگے پنہاں کی ^{دآغ} اصغر شعا میں کیا پڑیں نگت نکھرائی گلستاں کی
 بے محابا اب فروغ روئے جانان دیکھئے ولہ فکر ایماں کیا نظر سے عین ایمان دیکھئے
 پھول ڈوبا ہوا گلاب میں بھتا ^{دآغ} اگر کھنوی اُف وہ چہرہ حجاب آلودہ
 اندر سے حسن چہرہ رنگین یار کا جگر گور پوری کتنا حسین پھول ہے صبح بہار کا
 ہاں نگاہ شوق وہ اٹھی نفتاب جگر راہی آفتاب آمد دلیل آفتاب

لاکے رکھ دیتے ہیں جب پیش رخ جانانہ ^{نصیر الدین علوی نصیر} ہم
 دیکھتے ہیں شمع میں کیفیت پروانہ ہم
 سب رخ پہ تیرے زلف دو نا دیکھ رہے ہیں تجرّج ہم کعبہ پہ لہرائی گھٹا دیکھ رہے ہیں

ابروے یار

دی بے بندی بلند کرد ابرو خسرو از پے کشتن کمان برداشت
 می نرسنم از خرابی ایماں کہ می برد حافظ محراب ابروئے تو حضور از نماز ما
 خنہ کہ ابروے شوخ تو در کماں انداخت ولہ بقصد جان من زار و ناتواں انداخت

ہیچو ابرویت چہ چشم من کم آید ماہ نو دل چوں لبعلیں نمی باشد عقیق اندرین
اگر دشمن کشد ساغر و گرو دست شانی تکلو بہ طاق ابروئے میخانہ اوست
مولنا غلام علی آزاد ”سرو آزاد“ میں لکھتے ہیں کہ شاہ عباس نے شانی تکلو کو اس شعر
کے صلیب چاندی میں تلوایا اور وہ چاندی اُسے بطور انعام دی

قرباں شوم ابروئے بتاں را نسبتی زوردگر است ایں کہاں را
ابروئے دیگر اں نرسد ابروئے ترا افتخار ہر ماہ نو مفت عیشِ عید نیست
ز موج جنبش ابروئے ایشاں واسطی فادہ کشتی دلہا بطوفاں
نامِ خوبان است بسم اللہ بر عنوانِ ما شاہ اجل مطلع ابروئے جاناں مطلع دیوانِ ما
کتا ہمیں شیخ کہ پڑھ قبلہ رونما لالہ خوشوقت رائے شادآب گر دیکھتا اس ابروئے خمدار کی تئیں
تیرے ابرو جدھر کو ہوں مائل تیر ایک عالم ادھر نماز کرے
ترے ابروئے پیوستہ کا عالم میں فسا ہے — کسی استاد شاعر کا یہ بیت عاشقا ہے
ہے آرزو کہ ابروئے پر خم کو دیکھئے — اس حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے
کشیدہ رکھو گے مجھ سے کب تک تم اپنی ابروئے جانناں کو
شکار کرنا تھا کر چلے بس اتار بھی دو چڑھی کہاں کو
شاہِ عظیم آبادی

مژگانِ یار

جب تلک ہو کام مژگان سے تو ابرو مت چڑھا
تیرے ہوتے بھی کھینچے ہے کوئی تلوار کو لالہ خوشوقت رائے
عارض ہے گل کا صاف لیکن جھک نہیں — زگس کے چشم ہے یہ کیٹلی پلک نہیں
شادآب

نرگس

نزد آں چشم سیاهش زو فایبچ میسر پذیرایان
کشف این سکه ازین مفتیستان مطلب
چشمت ز خجر مرثه عالم تباه کرد دل
کس خنجر برنده به مستی چنان دهد
نخستین باده کاندز جام کردند عراقی
ز چشم مست ساقی دایم کردند
برخیز که چشمه مست سعدی
خفتست و هزار فتنه بیدار

هنوز ایمان و دل بسیار غارت کردنی دارد
مسلمانی میاموز آن دو چشم نامسلمان را
غلام نرگس مست تو تاجدارانند حافظ
خراب باده لعل تو هوشیارانند
هر کس که بدید چشم او گفت دل
خفتست و هزار فتنه بیدار
خون ما آن نرگس مستانه ریخت دل
و آن سر زلف پریشان نیز هم
هم جاں بر آں دوز نرگس جاد و سپرده ایم
دل بر آں دوسنبل هند و نهاده ایم

در روزگار فتنه سے دیدہ ام دلے بابر
چشم توفتنہ ایست کہ در روزگار نیست
پنداری کہ چشمش رسم عیاری نمی داند
ناید آن چنان خود را کہ پنداری نمی داند
چندان دلم ز پرش حیم تو شاد نیست شیخ علی نقی
دائم کہ بر تو وضع مست اعتماد نیست
ایں مستی و مدہوشی نہ حد باده بود
با حسیں اینچہ کرد آں نرگس مستانہ کرد
شکر چشم تو کند محتسب شکر کرد حکیم
ہر کجا میسکہ بود خراب افتادست
نمود و عدہ قلم دو چشم او لیکن نسبت
چہ اعتماد تو ان کرد قول مستان را

رخصتِ کشتنم بدہ نرگسِ کم نگاہ را — یا مکن آشنایِ دل گرمی گاہ گاہ را
 دلے دارم خراب از التفاتِ چشمِ بشارت — ہمہ از جور می ترسند و من از لطفِ بیارت
 بادلم نرگسِ شملائے تو غوغا دارد — جنگِ دیوانہ و مست است تماشا دارد

دُرِ ابلق کسے کم دید موجود زیب النساء مگر چشمِ بتاں از سرمہ آلود
 دو چشمِ تیرہ بلامی زند — چینِ تیسرے بر ما چرامی زند
 عکسِ چشمِ خوشت در آئینہ اندر اتمِ مخلص یا شنایم کند در آب آہو
 بیجا کند غنمِ دگان شکوہِ فلک را چن سنگ موزوں چہ فتناست کہ چشمِ یار نیست
 میرا احوالِ چشمِ یار سے پوچھ داؤد حقیقت درد کی بیماری سے پوچھ
 ڈورے نہیں ہیں سُرخ تری چشمِ مست میں سراج شاید چڑھا ہے خون کسی یگانہ کا
 تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرنا ہوں آمید الحفیظ الحفیظ کستا ہوں
 کیفیتِ چشمِ اُس کی ہمیں یاد ہے سودا ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
 سودا نے غالباً نظیری کے مشورہ شاعر
 بوئے یار من ازین سُست و فنامی آید ساغر از دست بگیرد کہ از کار سُشدیم
 کا ترجمہ کیا ہے

تیراُنِ نیم باز آنکھوں میں تیر ساری سستی شراب کی سی ہے
 سُریگیں آنکھیں خوابِ آلودہ خاک میں ہم کو ملائینگی
 کیا یہ نگاہیں نیچی نیچی اُوپر اُوپر جاسیں گی

پہلے مصرع میں بعض جگہ بجائے "خواب آلودہ" کے "شرم آلودہ" دیکھا ہے قارئین فیصلہ
 فرمائیں کہ "خواب آلودہ" بہتر ہے یا "شرم آلودہ" !

بھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے ولا اُس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
 تری آنکھوں کی کیفیت کھویا ہوش عالم کا — دیوانوں کو کہے کیا کوئی متوالے ہیں متوالے
 جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہیگا حجت بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہیگا
 دُور میں اُس کی مست آنکھوں کے راسخ محتسب بھی شراب خوار ہوا
 گرچہ ہیں قمر سادی آنکھیں بھی تصحفی پر غضب ہے خمار کا عالم
 جادو تو میں کتنا نہیں پر سمجھوں ہوتا ولا واللہ تری نرگسِ فتان میں کچھ ہے
 دل تھا متنا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ فراق ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالتا
 جدر وہ دیکھے اُدھر صف کی صف الٹے ہے
 بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں نظیر اکبر آبادی
 نرگس کو وہ چمن میں کیا بھر نگاہ دیکھے رنگین وہ آنکھیاں نشلی جس کو خوش آئیاں ہوں
 تری مستانے آنکھوں کی نہ گردش کا اثر دیکھا
 مئے گلرنگ سے سو سو طرح پیمانہ بھر دیکھا آتش
 مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے ولا اُلٹی ہیں صفیں گردش میں جب پیما آتا ہے
 ہے چشمِ نیم باز عجب خوابِ ناز ہے دَیِر فتنہ تو سو رہا ہے دِقتنہ باز ہے
 چشمِ میگون و ابروئے خمدار آخر مست کے پاس تھی دھری تلوار
 نگہ وہ تُرک کی جس کی نہیں جعنا کی پناہ
 اور اُس کی آنکھ وہ کافر کہ بس حُدا کی پناہ ذوق
 دُبالہ سے سرمہ کے دھواں ہیں تری آنکھیں
 کہہ بیٹھیں نہ کچھ سیفِ زباں ہیں تری آنکھیں ولا

صاحبِ مرآۃ الشعر لکھتے ہیں کہ ذوق نے مضمون لاریب درد کا اڑایا ہے مگر حسنِ ادا کی بدولت
زمین سے توڑ کر آسمان پر جا لگایا ہے ،

سامنے چشمِ مستِ ساقی کے نظر کس کو پروائے جام ہوتی ہے
گردش ہے اُس کی چشم کو مستی میں یا کہیں عیشِ نرگس کا پھول تیر رہا ہے شراب میں
بزمِ میلاں کو غیروں سے اٹائے دیکھے نسف دید و یار کرشمے ترے سارے دیکھے

آنکھ کیا ہے موہنی ہے ، سحر ہے ، اعجاز ہے
اک نگاہِ لطف میں سارا گلہ جاتا رہا امیر

آنکھ اُس نے اپنی دیکھ کے آئینہ میں کہا دل بیمار سب بتاتے ہیں اچھی بھلی تو ہے
تری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں داغ لوگ انھیں کہتے ہیں سیارہ کیا
وہ چشمِ مست پھر اُس پر وہ خجستہ مرثکاں دل کہ جیسے ہاتھ کسی ناز میں کا سا غریب
آنکھ جس جانب تمہاری اٹھ گئی دل رہ گئے لاکھوں کلیجہ قھام کے

کیا بیاضِ صبحِ ہمدوشِ سوادِ شام ہے احمد کسٹھڑی انقلابِ گردشِ لیل و نہار آنکھوں میں ہے
پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور نظامِ دکن چاہیے علی گڑھ گس کو دعویٰ ہے پارسائی کا

خار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے صدقے
وہ کافر بے پئے بھی رات دن مخمور رہتا ہے ریاض

اڑ کے آجائے وہ شے کھنچتی ہے جو انگور سے دل کچھ نگاہِ مست سے کچھ نرگسِ مخمور سے
ہائے وہ مستی بھری ساقی کی آنکھ دقا ہائے وہ جلوے چھلکتے جام کے
دلکشی چشمِ سیہ میں رہی جادو ہو کر جلیل دلربائی تری زلفوں میں بسی بو ہو کر
چشمِ بدو ترسیری آنکھوں میں حسن نشہ ہے یا خمار ہے کیا ہے

سُرخِ چشمِ یار ہے عیاں حُسنِ اثرِ مستیِ شبانہ ہنوا
 وہ خمارِ آلود آنکھیں دیکھ کر اثرِ کھنوی موج مے لینے لگی انگڑائیاں
 اُس گھڑی دیکھو اُن کا عالم ولا نیند سے جب تہوں بھاری آنکھیں
 کون اثر کی نظر میں سمائے دیکھی ہیں اُس نے تمہاری آنکھیں
 مست آنکھیں اُدھر تیری لرزیز ادھر سا جگر سوانی لڑ جائے نہ اے ساقی پیمانہ سے پیمانہ
 تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں جگر مراد آبادی ہاں بھی کو خراب ہونا چھتا
 ہم نے دیکھی ہے کسی شوخ کی مستی بھری آنکھ ——— ملتی جلتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانے سے
 کچھ ایسا ہے فریبِ نرگسِ متانہ برسوں سے سہیل کہ سب بھولے ہوئے ہیں کعبہِ تنجا برسوں سے
 آنکھ متخیلیوں سے مل خواب ہے چشمِ ناز میں جوش
 بھر دے خبا کا رنگ بھی نرگسِ نیم باز میں
 ناصح کی بھی زبان اب رُک رُک کے چل رہی ہے اثرِ صبا
 کیا کیا کر امتیں ہیں اس چشمِ سحر فن میں
 آنکھوں کی تعریف میں ہندی کا ایک مشہور دوہا بھی سن لیجئے :-

امی ہلاہل	مدھ بھرے	سویت	شیام	زنبار
آبِ حیات زہر	شراب	سیفی	سیاہی	سرخ
جیت مرث	گر گر پرت	جیمہ	چنوت	اکبار

اس دوہے کی تعریف حد امکان سے باہر ہے کسی فارسی کے شاعر نے اس کا ترجمہ
 یوں کیا ہے :-

سوادش سم	بیاض آبِ بقا	حمرش مئے احمر
بمردم	زیستم	بخود شدم زان نرگسے مستے

اصغر کا شعر :-

لوگ مرتے بھی ہیں، جیتے بھی ہیں، بیتاب بھی ہیں
کون سا مسحور تری چشمِ عنایت میں نہیں
بھی غالباً اس دوہے کا ترجمہ کہا جاسکتا ہے،

بینی

یہ ہیں بر بینی آن نازنینِ حوٰی غنیمت کہ شد موبجے بلند از چشمِ نو

عارض

می چکد رنگِ بہار از خامہ ام در گاہِ قلیخان و صفِ رخسار کہ انشامی کند
اے صبا کہ بہار کی باتیں ناچی اُس بُتِ گلزار کی باتیں
عارض پہ تمہارے یہ پسینہ لالہ زلزلے تھا، ہیکر کا ہے لعل پر نگینہ
عجیب حُسن ہے اُن سُرخِ سُرخِ گالوں میں جلیں مے دو آتشہ بھر دی ہے دو پیالوں میں
قرآن پہ رکھ دی ہے یہ تسبیح کسی نے اظہار عارض پہ تیرے زلفِ گرہ گیر نہیں ہے

لبِ لعلین

بالبِ لعلِ کسے ذوقِ نہاںم دادند ظاہر شعلہٴ آتشِ خاموشِ حجابِ نام دادند
رنگِ ملاحتِ لبِ ت اے جاں شکستہ — شبِ بودہٴ کجا کہ نمکدانِ شکستہ
بالبِ لعلِ تو اعجازِ سیحانِ چہ کند کس نشانی ہے با این کفِ رنگیں یدِ بیضا چہ کند کس
رنگیں

زنگنت می تند نبض لب لعل تو گم بارش غالب شہید انتظارِ جلوہ خویش است گفارش
 حاشا کہ شفق مثل لب لعل تو باشد — کے چرخ بکام دل بازگ بر آورد
 از حرفِ بوسہ لغزشِ مستانہ گل کند گرامی موجِ شراب و آں لب میگوں برابر است
 تج لب کوئی شکر کتے کوئی شہد سے برتر کتے
 کوئی خضر جاں پرور کتے کوئی کچھ کتے کوئی کچھ کتے
 ابو الحسن تانا شاہ

کتے بمعنی کسے،

مست دل ہے بدامِ تجھ لب کا ولی جامِ صہب ہے نامِ تجھ لب کا
 تجھ لب کی صفت لعلِ بدخشاں سے کنوگا ولا جادو ہیں تھے نین غزالاں سے کنوگا
 صنم کے لعل پر وقتِ تکلم ولا رگِ یاقوت ہے موجِ تبسم
 خوں کا پیاسا تھا مرا جن نے کھلائے تجھ کو پاں
 کیا بلا لاوے گی تیرے لب کی لالی السحیظ
 ناتجی

ناز کی اس کے لب کی کیا کہئے تیر پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے ۸
 اُن لبوں نے نہ کی سیحائی میر درد ہم نے سوسو طرح سے مرد کھیل
 مسی آلودہ لب پر زنگِ پاں ہے تماشا ہے تیر آتش دھواں ہے ۹
 یہ شعر تاجِ یا آتش کا ہے، اور غالباً بیدل کے شعر

مسی آلودہ لب زنگِ پاں است تماشا کن تیر آتش دھان است
 کا ترجمہ ہے

لب میگوں پہ جان دیتے ہیں موتیں ہمیں شوقِ شہد اب نے مارا
 کتے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب غالب گالیاں کھا کے بد مزہ نہ ہوا

مسی پر چھوٹ افشاں کی پڑی ہے امیر کنی ہیرے کی نیلم پر جڑی ہے
 ۱- تمہارے لب ہیں باغِ حُسن کے پھول بتسم اُن کی نازک سپکھڑی ہے
 اِن لبوں کی جان نوازی دیکھنا جگر مراد آبادی مُنہ سے بول اُٹھنے کو ہے جامِ شراب
 ترے لبوں میں ہلاہل تھا یا شراب بنا عندیشہ آئی ترے لبوں کی قسم لڑکھڑا رہا ہوں میں

دہن

کیونکر نہ اُن کو جلتے سخن ہو سخن کے بیج وحشت جن کو ابھی کلام ہے تیرے دہن کے بیج
 دہن پر ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے آتش کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے
 دہن ہے نکتہ موہوم اُس کا مسکین کمر باریک ہے تارِ نطنبر سے
 نچنے تری غنچہ دہنی کو نہیں پاتے ذوق ہنستے ہیں مگر تیری ہنسی کو نہیں پاتے

دندان

وہ ظالم کے مسی آلودہ دندان آتش چمک میں موتیوں سے بھی دو چنڈاں

خطِ سبز

حُسن سبزے بہ خطِ سبز مرا کرد اسیر غنی دام ہمرنگی میں بود گرفتار شدم

اس شعر کے متعلق کہیں مندرجہ ذیل عبارت دیکھی ہے :-

”مرزا صاحب برائیں بیت حسرتا خورد و گفت 'کاش ایں ہمہ کہ در تمام عمر خود گفته ام‘

بایں کشمیری دادم و ایں بیت او بمن حوالہ میکرد“

خط مشکینِ نیت گردِ عارضِ گلزارِ تو مرزا بدینِ لڑنا ہستِ حسلِ نبوسِ مصحفِ رخسارِ تو
خطِ سبزِ آفتِ جاں بودِ نمی دانستم حکیمِ محمد کاظم دام در سبزہ نہاں بودِ نمی دانستم
بہ آں اکراہ در آئینہ عکسِ خطِ خود بیند محمد علی قمر کہ پنداری بہ مصحفِ می کند نظارہ ترسائے

نہ خطِ شد بر رخِ آں مسہ نمودار اشتیاق بہ جنابِ بدر آمد موجِ کُفسار
مجرے سے یہ ترا خطِ سیہ کیا کم ہے غزلت لب کے یا قوت کی آتش کا دھواں نلیم ہے

بس ہے فردوسِ تماشا لعلِ نو خط کی بہار
کھل رہا ہے غنچہ گلِ تختہٴ ریحیاں کے بیچ کاظم

اُس گلزار کا خطِ نورستہ دیکھ لیو ولا ریحیاں سے ہینگا حاشیہٴ لالہ زار سبز
یہ مضمون خط ہے احسن اللہ احسن اللہ کہ حسنِ خبر ویاں عارضی ہے
ہے نمایاں رخِ پتیرے خطِ ریحیاں آجکل محمد سیف الدین اور مولے کے قبضے میں ہے ملکِ سیماں آجکل

خط نے ترا حسنِ سب اڑایا حشمت یہ سبز قدم کہاں سے آیا
خوبی میں تیرے حسن کی کچھ حرف تو کہتی بشار لیکن یہ ذرا خط ہے کہ اصلاح طلب ہے
سبز خط سے اور ہوا حسنِ یار کا جیون مل عشا آج سبز خزاں نے کچھ نہ بگاڑا بہار کا
آگیا خط پر مرمونہ گیانا زہن سوز معنی ہے اُسی ڈھب پہ نگاہ غلط انداز نہ

خط کے آنے پر بھی کافر مجھ کو ترساتا رہا
جیسا شرماتا تھا ٹک و سیاہی شد ماتا رہا
کہہ رہا ہے حسن کے دیوان میں خطِ پشتِ لب
ایک مطلع اور زیرِ مطلع ابرو بر طے ذوق

خطِ نو گردِ عارضِ تاباں اتھرتہ شکلِ آیاتِ مصحفِ ایماں

خال

امیر تمور جب خراسان و فارس پامال کرتا ہوا شیرازیں پہنچا تو اُس نے حافظ کو دربار میں طلب کیا، اثنائے گفتگو میں اُن سے پوچھا کہ میں نے تو سا لہا سال کی مشقت کے بعد سمرقند و بخارا کو بنوکِ شمشیر فتح کیا تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ ۷

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخال ہند و شش بختِ سمرقند و بخارا را

حافظ نے مسکراتے ہوئے کہا، اسی فیاضی اور غلط بختی نے تو مجھے اس حال تک پہنچا دیا ہے، امیر نے اس حاضر جوابی کی داد دی اور حافظ کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا،

زِ خالِ گوشہٴ ابروئے یارِ می ترسم صائب ازاں ستارہٴ دُنبالہ دارِ می ترسم
نیست این خالِ یہ بریتِ ابروئے خوش متوی نقطہٴ از ملکِ قضا و انتخابِ افتادہ است
خال اُس کی بیاض گردن کا مرزا بر تفتی قلیٰ نقطہٴ انتخاب ہے گویا

گردن

جھک جھک کے میں ہر چند کئے سیکردن مجھے معصیتی پر خم نہ ہوئی اُس بُتِ مغرور کی گردن
جیوں جیوں کہ سراپنا میں رکھا پاؤں کے اوپر
تنقی ہی گئی اُس بُتِ معرور کی گردن گرم

جواب

بروے سینہ اش سببِ دوپارہ قیمتِ علاجِ قوتِ ضعفِ نظارہ
دوسر خوش سرکشاں از بادۂ حُسن بگلوانِ اس سرافرازاں بحسنِ آمادۂ حُسن
کُلاہِ عنبریں بر سر نہاد چو سستانِ بیباک ایستاد

دل

اھم چگونہ بر دلِ سخت اثر کند غالب سنگیست در بر تو ہمانا بجائے دل

دست و بازو

از کفِ نمی دہد دلِ آساں ربودہ را نظیری دیدیم زورِ بازوئے نا آزمودہ را
ز غارتِ چیمت بر ہمار منتہاست دل کہ گلِ بدست تو از شاخِ تازہ تر باشد
ہر کس کہ جِرمِ کاری مارا نظارہ کرد قتی تا حشر دستِ بازوئے او را دعا کند

صید نا افکنده محو دست و بازوئے خود است

حالی

ایں جواں روزے شکارِ خویشتن خواہد شدن

دست رنگیں کو دیکھ کر تیرے — رنگِ مہندی چھپا ہے پاؤں میں

ڈرتا ہوں مالکانِ جزا چھاتی دیکھ کر تیرے کہنے لگیں واہ مے زخمِ اُس کے ہاتھ کا

مٹک نراکت دیکھیو پہنے ہے گجرا جب وہ شوخ

غلامِ اشرفِ فہر

شاخِ گل سا ہاتھ لچکے ہے گلوں کے بارے

یہ ساعدوں کا ہے اُس کے عالم کہ جس نے دیکھا ہوا وہ بیدم
 نیام تیغِ قصلے مبرم لقب ہے قاتل کی آستین کا
 ریاضِ امیر کے محبوب شاگرد تھے، ایک دفعہ رام پور آئے اور استاد کے مہمان ہوئے
 کسی صحبت میں کسی نے تاج کا مندرجہ بالا شعر پڑھا، سب نے پسند کیا، جلال نے کہا کہ آستین
 کا قافیہ اس زمین میں اس سے بہتر کوئی نہیں کہہ سکتا، ریاض کے شدید اصرار پر امیر نے
 اس زمین میں غزل کہی، مگر چونکہ وہ قدما کا بہت احترام کرتے تھے، آستین کا قافیہ غزل
 میں نہ رکھا، ریاض کے اصرار نے اور شدت اختیار کی، جب امیر نے یہ شعر لکھوایا
 قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کُشتوں کا خون کیونکہ
 جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا
 ریاض اُچھل پڑے اور امیر کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر خوب روئے، ایسی استاد کی اور شاگرد
 اب کہاں !

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
 شایانِ دست و بازوئے قتال نہیں رہا
 نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست و بازو کو، یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں
 مدت ہوئی نگاہیں ایک صاحبِ غالب کے کلام پر مسلسل تنقید کرتے رہے اس شعر کے
 پہلے مصرعہ پر انھوں نے یوں اصلاح دی :
 نگاہِ ناز کو اُن کے کہیں نظر نہ لگے

اہلِ ذوق طے کریں کہ کون سا مصرعہ بہتر ہے ؟
 نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے — یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

جس کو مارا وہ اُن نہیں کرتا آویں ہوی ہاتھ ہلکا ہے میرے قاتل کا
 ادھر لاؤ ذرا دستِ خالی اور پکڑیں چور دل کا ہم ہیں سے ^{الرزح}
 وہ چوم لیتے ہیں خود اپنے دست و بازو کو
 جو رنگ پر مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں جگر

کلائی

نازک کلائیوں میں جابستہ مٹھیاں ریاض شاخوں میں جیسے منہ بندھی سکیاں گلائی
 نواب جعفر علی خاں اثر

شوقِ تھائیخ آزمائی کا کہنے کیا حال ہے کلائی کا
 اُن یہ تیغ آزمائیاں توبہ جگر تیری نازک کلائیاں توبہ
 آستینوں کا وہ چڑھا لینا گوری گوری کلائیاں توبہ

مُوے میان

کمر در پیچ و تابِ رقصِ بختیاب واسطی چو موے کو فتہ در جوشِ گرداب
 میا نہا نازک و دلسا توانا غالب ز نادانی بکارِ خویش دانا
 میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے ابرو کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے
 بل بے کمر کہ زلفِ مسلسل کے پیچ میں ذوق کھاتی ہے تین تین بل اک گدگدی کے ساتھ
 ہے کیا جو کس کے باندھے میری بلا ڈلے غالب کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں
 مدت سے یہ بحث در میاں ہے شوق پر علم نہیں کمر کہاں ہے

قتل اور مجھ سے سخت جاں تقاتل عزیز تیغ دیکھو ذرا کمر دیکھو

عالم مشہور ہندی شاعر شاہزادہ منظم کا ملازم اور مذہباً ہندو تھا، یہ واقعہ اوائل اٹھارویں

صدی کا ہے، اُس زمانہ میں ایک معمولی مسلمان عورت تھی جو رنگریزی کا کام کرتی تھی،

ایک دفعہ عالم کا عمامہ اس عورت کے پاس رنگنے کے لئے بھجوا گیا، عمامے میں غلطی سے ایک پرچہ

بھی چلا آیا جس پر عالم کی ایک ناقص نظم لکھی ہوئی تھی، نظم کا ایک شعر نامکمل تھا، اُس کا مختصر تھا

کناک تناسی نار ہے، کٹ کا ہے تے ہیں

اتفاق سے عورت کی نظر پرچے پر پڑ گئی، اس نے شعر پورا کر دیا اور یہ مصرعہ لکھ دیا:-

کٹ کا کچن اپنخ کے کچن مانھ بھس دیں

نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اس عورت پر نادیدہ عاشق ہو گیا اور مسلمان ہو کر اس سے شادی

کر لی،

بدن

بہ تن بویا کند تصویر گلہائے خیالی را طالب آملی بہ پایدار سازد خشتگانِ نقشِ قالی را

تنش را پیرہنِ عسریاں ندیدہ — چو جان اندرتن و تن جاں ندیدہ

پیرہن سے ہے جھلکتا بدنِ سُرخ ترا — زیرِ بشتم نہیں چھپتا چمنِ سُرخ ترا

دھانی کپڑوں میں تن کا یہ حال احمد علی توفیق مینا تو زمر دیں ہے مے لال

پاؤ کھپا

گوئی دہنم لب زر گنگِ حادثہ اشت — چوں بوسہ نرم آں کھپا پارنگ بر آورد

بڑھ بڑھ کے کیا ہی دار لگائے ہیں جی بیسے — ہاتھوں کے بدلے چوم لوں اُس تیغ زن کے پاؤں

ادائیں جن کا تعلق سرِ پائے یار سے ہے

تیرِ نطنہ

نگاہ ہے را بہ صد جاں می فروشد سحر کاشانی بخرائے دل کہ ارزاں می فروشد
 نگاہ ہے چند باید کرد تا فایغ کُند مارا نسبتی یکے جاں می برد از مایکے دل را یکے دیں را
 جذبِ نگاہ او پئے دل بردنِ من است دلہ این برق را معاملہ با خرمینِ من است
 دزدیدہ فلکِ دی بن از نازِ نگاہ ہے — قربانِ نگاہ ہے تو شوم بازِ نگاہ ہے
 نگاہِ نرگسِ جادوِ نگاہ را غنیمت جوابِ شکوہ بے اعتباراں
 از نگاہ ہے مست شد از گردشِ چشمِ خراب امید نشہ امید را مشب دو بالا کردہ اند
 از دو چشمِ او نگہِ مستانہ می آید بروں بیخبرِ بلکامی همچو مدہوشے کہ از میخانہ می آید بروں
 یار آمد جامِ مے در دست او بہت پر شاد ترو جامِ مے مستِ نگاہِ مست او
 عاشقان را والدہ و آشفته حال دولت با نگاہِ چشمِ جادو میسکند
 آتشِ زدی بخرمینِ دلدادگانِ عشق فراتِ یزدی از یکِ نگاہِ گرم بنارِ من نگاہ را
 نگہِ گرم سے میرے دل میں آبرو خوش نین آگ سی لگائے گیا
 چھپ چھپ کے دیکھنے کے مئے سبت لے اثر میرا اثر معلوم ہوں گے جو کبھی اُس نے نگاہ کی
 جس طرح کرتے ہیں حلقے صوفیوں کو وجہیں کاظم ہے نگاہِ مست کو تری صفِ مژگناں میں قص
 پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے بومن اُس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے
 تر چھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو وزیر کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

یوں نگہ نکلے ہے چشم یار سے ذوق مست جیسے خانہ خمار سے
شراب جلنے یا بیچنے والا

وہ دیکھ لیتے ہیں جو ادھر کچھ نہ کچھ تو ہے
ہو خالی دل کو دل کی خبر کچھ نہ کچھ تو ہے
ظفر

لاکھوں لگاؤ ایک چہرہ انا نگاہ کا غالب لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
اعتبار نگہ ناز ہے اُن کو کیا کیا سالک قتل کو آتے ہیں اور ہاتھ میں شمشیر نہیں
وہ کنکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا برمیں آزاد وہ تڑپ کر ہائے رہ جانا کسی ناشاد کا

بے طرح پڑتی ہے نظر اُن کی انور خیر دل کی نظر نہیں آتی
ہے تاک میں دزدیدہ نظر دیکھتے کیا ہو — پھر دیکھ لیا اُس نے ادھر دیکھتے کیا ہو

کیوں کر اُس کی نگہ ناز سے جینا ہوگا داغ زہر اور اُس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا
شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج دل یہ برقی بلا دیکھتے گرتی ہے کہ ہر آج

یہ صید گاہ عشق ہے ٹھہرائے نگاہ دل صیاد مضطرب نہ ہو گا شکار دل
رہ گئے لاکھوں کلیجہ تمام کے دل آنکھ جس جانب تھساری اٹھ گئی

س غلط ہے یہ میسر زخم جگر کو دیکھتے ہیں
سب اس بہنے سے اُس کی نظر کو دیکھتے ہیں
شادان

جس طرف اٹھ گئی ہیں آہیں ہیں اکبر الہ آباد چشم بد دور کیا نگاہیں ہیں
کیا ہو رہا ہے دل پر اثر کچھ نہ پوچھتے دل کس کی پڑی ہے مجھ پر نظر کچھ نہ پوچھتے

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار شاد و غم آبادی جب تک شراب آئے کئی دور چل گئے
نگہ کی بچھیاں جو سہ سکے سینہ اُسی کا ہے دل ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اُسی کا ہے

جاد و تخی کہ سحر تخی بلا تخی بیان ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی

محل میں گدگداتی ہے شوخی نگاہ کی — شیشوں سے آہی ہے صداقاہ قاہ کی

ہر دل میں نیا ایک اثر دیکھ رہے ہیں طاہر ہم جستِ شوخی نظر دیکھ رہے ہیں
مجھ کو نگاہِ لطیف دیکھا نہ کیجئے شفا حشر اور ایک حشر میں پرپا نہ کیجئے

روکنے اپنی مست نظروں کو — ساری دنیا حشر اب ہوتی ہے
ستگر کی نگاہِ ناز بھی کتنی ستگر ہے تہر جو سیدمی ہو تو ناوکے جو ٹیر می ہو تو خنجر ہے

نگاہِ نازِ قاتل کا معامحاصل نہیں ہوتا کوئی کتنا ہے ناوکے کوئی کتنا ہے خنجر ہے
شوخی سے ہر شگوفے کے ٹکڑے اڑاتے ریاض جس غنچہ پر نگاہ پڑی دل بنا دیا

دل بچے کیوں کر نگاہِ ناز سے اخترینائی الاماں اس تیسرے آواز سے
محبت تری تفسیر سے غوب نکالوں کس طرح اس کو جگر سے

جذبِ نگاہِ شعبہ گر دیکھتے ہے آرزو دکنی دنیا انھیں کی تھی وہ چدر دیکھتے رہے
ہم اس نگاہِ ناز کو سمجھے تھے نیشتر اصغر تم نے تو مسکرا کے رگ جاں بنا دیا

بہت لطیف اشارے تھے چشمِ ساقی کے ولہ نہ میں ہوا کبھی بخود نہ ہو سٹیار ہوا
نہ تھی واقف جو میرے اشتیاق بے نہایت

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اس نگاہ بے محابا کو حشر
نہ دیکھے اور دلِ عشاق پر پھر بھی نظر رکھے

قیامت ہے نگاہِ یار کا حُسنِ خبرداری ولہ
دیکھ لو تم تو گلستاں ابھی میخانہ بنے مقدر آنکھ جس پھول پہ ڈالو وہی پیمانہ بنے

کر رہی ہے درحقیقت کامِ ساقی کی نظر تاہر میکدے میں گردشِ ساغر برائے نام ہے
گھڑی گھڑی نہ ادھر دیکھئے کہ دل پہ مجھے نیازِ فحوی ہے اختیار پر اتنا بھی اختیار نہیں

دیکھو نہ آنکھ بھر کے کسی طرف کبھی اثر لکھنوی تم کو خبر نہیں جو تمہاری نظر میں ہے
 غلط انداز نگاہوں کو سنبھال قاتی مری گستاخ نگاہوں کو نہ پوچھ
 غلط انداز ہی سہی وہ نظر ادا کیوں مرے حال پر نہیں ہوتی
 بانگی بانگی ادائیں ہو شرابا دلہ تر چھی تر چھی نگاہیں قہر خدا
 محبت کی پُر پیچ راہوں نے مارا جگر مراد آبادی مجھے آرہی تر چھی نگاہوں نے مارا
 لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا دلہ جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا
 بچنے تو خاک بچنے مہر و ماہ کی گردش مستود نگاہ میں ہے کسی کی نگاہ کی گردش
 آہ یہ چارہ سازیاں آہ یہ بے نیازیاں دلہ سب سے نظر ملی ہوئی سب کے مگر الگ الگ
 اُن کی نظر شوخ ہے اک طرف تماشا تجذوب ہر شخص سمجھتا ہے ادھر دیکھ رہے ہیں
 کچھ اس ادا سے وہ بیٹھے ہیں بر سر مجلس — ہر ایک کو یہ گماں ہے ادھر کو دیکھتے ہیں
 جنبش نے اس نگاہ کی مخمور کر دیا این سلوٹا منت کش صراحی مینا نہیں ہوں میں
 کیا ہوں گی فراق اُس کی بیباک نگاہیں بھی فراق کو رکھ پڑا ہے کم نگہی جس کی افسانہ در افسانہ
 بارش تیر نظر کی وہ منہ راوانی کہاں نولت اب بہارِ جنسِ دامندار کچھ یوں سی ہے
 اک سرسری نظر ہو تو سمجھا لوں دل کو بھی فضلی لیکن میں کیا کروں نگہ بار بار کو

تبسم یار

زہرِ شکایتِ لبِ شکرِ شکر می شود اسیر چوں بہ لب آشنا گئی خندِ عذر خواہ را
 ز بدستیِ دگر اں عنبرِ خود کام لبریز است
 گر بیانِ تبسم از گلِ دشنام لبریز است

یوں تو ادا و ناز سب آتے ہیں اس کے یاد

تغیر اکبر آبادی

ہنسنا پر اس کا ایک نہیں دل سے بھولتا

عجبت تُم اپنا رُکاوٹ سے مُنہ بناتے ہو ذوق وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو سکر اتے ہو

نہ بگڑو بہت اب بناوٹ سے تم دل وہ ہونٹوں پہ دیکھو ہنسی آگئی ر

عدو کا رشک ہے ہنگامہ محشر کے ساماں میں

قیامت ہے نہاں اُن کے تبسم کا پنہاں میں

مُسکرا کر وہ شوخ کہتا ہے آئیر آج بجلی گری کہیں نہ کہیں ر

برق ادا ئے حُسن نے خرمنِ دل جلا دیا بخود دہلی میری طرف وہ دیکھ کر ناز سے مُسکرا دیا

یہ ہنسی اچھی نہیں یاں دل پہ بجلی گر پڑی

طاہر ر

نیچی نظروں سے مری جاں مُسکرا کر انا چھوڑ دو

صدقے تھامے ہونٹوں کے جن پہنسی نہیں ریاض اس ضبط کے نثار کہیں گدگدی نہیں

یہ حُسن کی موجیں ہیں یا جوشِ تبسم سے اصغر اُس شوخ کے ہونٹوں پر اک برق سی لڑزاں ہے

اک برق سرِ طور ہے لرائی ہوئی سی فانی دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی

بوسہ جاں بخش

علامہ شبلی، نظامی کی غریبات کے قائل نہ تھے، پھر بھی لکھتے ہیں :- ”مگر انھیں بوڑھے غمزوں

میں کبھی کبھی بڑے شوخ جملے بھی زبان سے نکل جاتے ہیں“ علامہ نے مثال میں شعر مندج

ذیل پیش کیا ہے :-

بوسہ میخوام از لب تو چہ میسرمانی نظامی گر صواب است بگو در نہ خطائے بکنم

بوسہ از لب جان بخش بدہ یا بستاں سعدی کایں متاعیست کہ بخشند و بہانیز کنند
 قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست حافظ بوسہ چند یا میز بہ دشنامے چند
 از بہر بوسہ ز لبش جاں ہی دہم دہم ایک نمی ستاند و آل جسم نمی دہد
 فریب و وعدہ بکس کنار یعنی چہ غائب دہن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ
 پھیر لو بوسے رخ گلشنام کے — غیر کے جوٹھے مے کس کام کے

نہ کبھی کے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ کیف شراب ہے
 لب یار چو مے تھے خواب میں وہی جوش مستی خواہ ہے
 پس مردن بنائے جائینگے ساغر مری گل کے دل لب جان بخش کے بوسے طینگے خاک میں مل کے
 تقریباً ۳۵-۳۶ سال کا ذکر ہے، خاکسار مؤلف سینٹ انڈروز کالج گورکھپور میں طالب علم
 تھا، عیاں مرحوم ایک سال سینئر تھے، ایک روز ہوئی پارک میں میچ تھا، ہم دونوں ایک ہی
 پنج پر بیٹھے ہوئے تھے، مرحوم کہنے لگے تمہیں دو شعر سناؤں گا، پہلا ایک لاکھ کا اور دوسرا دو
 لاکھ کا، میں نے کہا ارشاد، اس کے بعد انھوں نے یہ دو اشعار منسلے :-

پہلے میں خاک ہوا خاک سے پچانہ ہوا تب میر کہیں رک بوسہ جانانہ ہوا
 تھے، کی تو بہ شکر نے معتمد دیکھو جبکہ تیار مری خاک سے پچانہ ہوا

ان اشعار کا کیا کہنا، معلوم نہیں کس کے ہیں، — مختصر یہ خاص ہے

گفتارِ یار

طاووس جاں بہ جلوہ در آید ز خرمی چوں طوطی لببت بہ حدیثے زباں و ہد
 غالباً یہ شعر ظہیر ناریاں کے ایک قصیدے کا ہے مگر تنزل سے لبریز ہے،

اُس نازنیں کی باتیں کیا پیاری سپاریاں ہیں مٹھنی پلکیں جس کی چھریاں آنکھیں کٹاریاں ہیں
دُشنامِ یارِ طبعِ حسزین پر گراں نہیں توں اے ہمنشینِ نزاکت آواز دیکھنا

سادگی، شوخی و نزاکت

گر بر سرِ چشمِ من نشینی سدی نازت بکشم کہ نازنینی
تو از پری چاکتری و ز برگِ گلِ نازک تری
وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائبِ دلبری
نہ تنہا با تو مانے ہست واقفِ آں پری رو را
ز شوخیِ عالمے دارو کہ با عالمِ نمی سازد

زہے عنسزہ و شوخی و چابکی ————— کجا می غاید کجا میزند
نزاکت است ز ابعثِ دُستیِ عہد ————— و گرنہ شیوہِ خوابِ شکستِ سوگند است
تم تو بیٹھے ہوئے پہ آفت ہو قائم اٹھ ٹکڑے ہو تو کیا قیامت ہو
غنجے سے سُکرا کے اُسے زار کر چلے سودا ز گس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے
ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپر اُس شوخ کو بھی راہ پہ لا با صبر تھا
اس بلانے جاں سے آتش دیکھے کیونکر نہی آتش دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوشیست

ہے اُن کی سادگی بھی تو کس کس پھن کے ساتھ
سیدھی سی بات بھی ہے تو اک بانگین کے ساتھ

ذوق

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے دوست

اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

دل

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا غالب لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
 اس نزاکت کا بُرا سو وہ بھلے ہیں تو کیا دل ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
 یہ حوصلہ ہے کہ قاتل لقب ہو عالم میں عارت کہو تو ہاتھ بھی رکھنا نہ جلتے بخیر پر
 وہ بھولاپن کسی کا آہ بھولا ہے نہ بھولیکا آزاد وہ رو دینا ہنسی میں اور ہنس دینا وہ رونے میں

منجانب وعدہ مدد کر لے نزاکت — قسم ٹوٹے نہ میرے ناز میں سے
 مراد لے لیا ہشار ایسے آہ دیا دل غیر کو وہ ایسے بھولے
 جو کچھ سوچتی ہے نئی سوچتی ہے امیر میں رونا ہوں اُن کو ہنسی ہو جیتی ہے
 بانگین تیسرا کسی اور شکر میں نہیں جلال تجھ میں جو نوک ہے قاتل تھے بخیر میں نہیں
 اس نزاکت پر یہ شمشیر جفا اکبر الہ آبادی آپ سے کیونکر سنبھالی جائیگی
 اُن کا وہ پتلا سا خجر اُن کے وہ نازک سے ہاتھ

مقطر خیر آبادی

وہ تو یوں کیسے کہ گردن خود خوشی میں کٹ گئی

کھنچتا بھی ہے، تنہا بھی ہے، رکتا بھی ہے کین جلیں قاتل کی ادا خیر قاتل میں نہیں ہے
 بلا تفصیر مجھ سے کھنچ گئے یہ بانگین اچھا دشت عدو سے بے تکلف مل گئے یہ سادگی اچھی
 یہ بھی نزاکت اک مے پیاں شکن کی ہے جگر گو کھوڑا ٹوٹا نہ دل کبھی کسی امیندوار کا

انگریزی

دبے فتنے قیامت بن کے اٹھتے ہیں قیامت ہے }
 وہ جب انگریزائیاں لے لے کے سینہ تان لیتے ہیں }
 راسخ

دریائے حن آ رہی دو ہاتھ بڑھ گیا ناسخ انگریزی اس نے نشہ میں لی جب اٹھا کے ہاتھ

قرہیں سستی میں وہ انگڑائیاں اُتار خالی ہاتھوں لڑتے ہیں تلوار سے نہ
اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن عزیز بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا
جیسے موج آب اُبھرے اور دبے — اللہ اللہ اُن کی وہ انگڑائیاں —

حسنِ قامت کی جو حسد رکھی تھی رعنائی نے
اور دو ہاتھ بڑھایا اُسے انگڑائی نے

ہالے کی شکل گردِ مِخ ماہوش ہوئی تو نگر انگڑائی لی جو یار نے دونوں ملا کے ہاتھ
دیر تک اس شبہ میں دیکھا ہلال — یہ کسی کافسر کی انگڑائی نہ ہو
انگڑائی بچ لینے نہ سکتا تھا اندکے ہاتھ — لہجہ جو چھوڑ چکا تھا مگر نہ پاتا

خوابِ ناز

اک ذرا دیکھو اُس زُنک پری کا سونا مٹھنی میں تو دیکھا نہیں اس بے خبری کا سونا
رنگ سونے میں چمکتا ہے طرح داری کا حُسنِ حُسن کی بیداری کا

خرامِ ناز

با صد کرشمہ آں بہت بدست می رود نظیری خود میکند حسرم و خود از دست می رود
دستے دھسم بہ یار کہ بدست می رود دتنے خشم بہ دل کہ دل از دست می رود
لنک چلنا سخن کا بھولنا اب تک نہیں مجھ کو اُتر دے وہ پانوں رکھنے کی میری آنکھوں میں چرنی ہے
سیکھے ہو کس سے سچ کو پیار یہ چالِ چال قائم تم اک طرف چلو ہو تو تلوار اک طرف
بارہا چل چکی تلوار تری چال پہ شوخ تیر تو نہیں چھوڑنا اس طرز کی رفتار ہنوز
خوش نہ آئی تمہاری چال ہمیں دلہ یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں

ظالم یہ کیا نکالی رفتار رفتہ رفتہ دل اس چال پر چلیگی تلوار رفتہ رفتہ
 قدم اس دھج سے کچھ پڑتا ہے اُس غارتگر جاں کا
 کہ دل ہر ہر قدم پر لوٹ ہے گبر و سلماں کا
 اول تو یہ دھج اور یہ رفتار غضب کے دل تپس ترے پازیب کی جھنکار غضب کے
 تری رفتار سے اک بخسری نکلے ہے دل مست و مدہوش کوئی جیسے پری نکلے ہے
 مرزا سلیمان شکوہ سلیمان

بک رفتار اپنی بھول گئے دیکھ اُس کے حسدِ ام کا عالم
 بلغ میں جس دم کہ تو چلتا ہے اے گل ناز سے
 سرو کو کتنا ہوں میں ہٹ جا بلند آواز سے
 صدقہ ہو تیری چال پر کیوں نہ نسیم ہر سحر ناتج نقش قدم سے رگنذر دامن گل فروش ہے
 ثابت ہوا ہے گردن میں سپاہِ خونِ خلق غالب لرزے ہے موج سے تری رفتار دیکھ کر
 دیکھو تو دلفریبی اندازِ نقش پا دل موج حسدِ ام ناز بھی کیا گل کترنگی
 خراماں خراماں چلے آتے ہیں وہ سالک گلستاں گلستاں ہوا چاہتا ہے
 اچھی نہیں ہیں آپ کی محشر حسدِ ام ریاض دنیا کو اس طرح نہ و بالا نہ کیجئے
 رُک رُک کے دیکھتے ہیں وہ اپنا حسدِ ام ناز
 پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو
 حاذق

خراماں چھوڑ تم بوائے ناز سے حزن قیامت بپاک اُدھر ہو گئی
 چلنا وہ جھوم جھوم کے سینہ اُٹھا کر — اندازِ ہائے تری مستانہ چال کے
 کچھ خوفِ خدا کیجئے اس طرح نہ چلئے نوابِ گیم حجاب سوار تو اس چال پہ تلوار چلی ہے

نشہِ جوشِ جوانی میں کسے شک ہے مگر شاہِ عظیم آبادی یوں نہ چلے جھوم کر یہ چال متوالوں کی ہے
 اُس کی رفتار کا انداز کموں کیا حسین جیل ایک چلتی ہوئی شمشیر نظر آتی ہے
 چتونوں سے چلتا ہے کچھ سراغِ باطن کا یا اس چال سے تو ظالم کے سادگی برستی ہے
 وہ رفتار میں لغزشیں ہر قدم پر — پئے جیسے کوئی شرابِ اولِ اول
 پھیلتی جاتی ہیں ہر سو بھینی بھینی نگشتیں خمار وہ خراماں کیا ہوئے گلشنِ خراماں ہو گیا

نشانِ کفِ پا

بہ زمین کہ نشانِ کفِ پائے تو بود حافظ سالہا سجدہ صاحبِ نظراں خواہد بُ
 نیست نقشِ پا بہ گلزارِ خرامت جلوہ گر بیدل دفترِ برگِ گل از دست بہار افتادہ است
 اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
 میں کوچہٗ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

۱۲؎ بھی اس راہ سے کوئی گیا ہے ولا کہے دیتی ہے شوخیِ نقشِ پا کی
 نقشِ پا کو کوئی اٹھانہ سکا اتنی غازی پوری دیکھنا زور نا توانی کا
 نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دید و تر پر ولا کرم کرے وہ نشانِ قدم تو پتھر پر
 اس سے زیادہ اور کیا شوخیِ نقشِ پا کیوں اصغر برق سی اک چمک گئی آج نیلِ زمیں
 کیا بہارِ نقشِ پا ہے اے نیازِ عاشقی ولا لطف سر رکھنے میں کیا سر رکھ کے مرجانے میں

نگہتِ زلفِ یار

نگارِ من بہ صد خوبی ز زلفِ نگہتے دارد تقای چہ نگہتِ عنبر چہ عنبرِ عنبر را
 صبا آرد من ہدیہ چہ ہدیہ ہدیہ نگہت شبنم چہ نگہتِ نگہتِ کامل چہ کامل کا کلِ سچاں

جامہ معشوق

دستار

گلے بر گوشہ دستار داری غالب زہے بخت بلند باغبانان

نقاب

فنا دہ بر رخ پاکش نقیبک — حججے ناز کے بر آفتیبک
ز ابر زلف مہم تا بر رخ نقاب گرفت سلاثریری گماں بر بند جہنے کہ آفتاب گرفت
اٹل دے اے صبا تو ہی نقاب رخ کو چہرے سے

صدیق

کبھی تو دیکھ لیں مہم بھی ذرا سرکار کی صورت
اٹھا ہے پردہ فقط اب نقاب باقی ہے — ابھی مزاج میں کچھ کچھ حجاب باقی ہے
کیس نہ حسن کے شعلے سے صحن باغ جلے — یہ بے نقاب کہاں تم چلے چراغ جلے

دوپٹہ

اگر نی کا ہے گماں شک ہے ملاگیری کا رند رنگ لایا ہے دوپٹہ تیرا میلا ہو کر

رند اپنے اُستاد آتش کے پاس آتے ہیں، وہ غزل سناتے ہیں جس کا ایک شعر اوپر درج ہے، اس شعر پر
اُن کو بڑا ناز ہے، اُستاد سے دود چاہتے ہیں، اُستاد فرماتے ہیں، ذرا قہا کو آنے دو، دیکھیں اُس نے اس
قافیہ میں کیا شعر نکالا ہے، ایسے قہا آگئے، سوال ہوتا ہے، میلا کا قافیہ بھی لکھا ہے؟ عرض

کرتے ہیں ہاں اور یہ شعر پڑھتے ہیں ۷

باغبانِ لبِ سبیلِ کشتہ کو کفن کیا دیتا
پیر ہن گُل کا نہ اُترا کبھی میسلا ہو کر

آتشِ زند سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، دیکھا شریوں کہتے ہیں، تند کے چہرے کا رنگ نیلا ہو جاتا ہے

گھٹا اور بجلی میں ہے آج چوٹ — ہے آبی دوپٹہ میں بچکے کی گوٹ
دے دوپٹہ تر محل کا — ناموں سور کوز ہم ہو ملکا آتش

پیرا ہن وقبا

اک تو تھا آتشِ سوزاں بدنِ سُرخِ ترا آتش شعلہ بر شعلہ ہوا پس ہن سُرخِ ترا
جب سی سی ہوئی کسی گلوں قبا میں ہے داغ میں کیا کہوں کہ گہمتِ گل کس ہوا میں ہے
فروغ بے خودی ہے اُن کے پیرا ہن کی رنگینی — کوئی موجِ شرابِ ارغوان معلوم ہوتی ہے

محرم

کسی کے محرم آبِ رواں کی یاد آئی آتشِ جناب کے جو برابر کبھی جب آیا

دو شعر ہندی کے بھی سن لیجئے اگر شعر مندرج بالا ذوقِ سلیم پر گراں نہ گذرا ہو

رحیم انگلیا نیل کی رت میں پٹیِ زینک رحیم منو کوٹی ہیم پر دے ہیم کی لیک
ہری کچکی کس سی مسکی رس کے ہیر جیسے کلی گلاب سے نکست للت لکیر
بزمِ محرم جوشِ جوانی

ہیکمہ

جہانگیر ایک ہار حیر کا بادہ پہنے ہوئے تھا، لعل بن کا کام دے ہے تھے، نور جہاں نے یہ لکھ

منظر دیکھ کر یہ شعر جستہ کیا :—

ترانہ تکبہ لعل است در قبائی حسیر
شد است قطرہ خون منت گریبان گیر
خوب شعر ہے،

وہ تکمہ درخشندہ الماس کا میر حسن ستارہ سا مہتاب کے پاس کا

دامن و گریبان یار

نورِ جہاں ایک روز ایسا پیرا بہن پہنے ہوئے تھی جس کا گریبان زعفرانی تھا، جہانگیر نے یہ دلفریب
منظر دیکھ کر یہ شعر موزون کیا :—

نیست جاناں در گریبان تو رنگِ رعناں
ز ردئی رنگِ رخ ما شد گریباں گیر تو

یہ شعر گو یا نورِ جہاں کے ”تکمہ لعل“ والے شعر کا جواب ہے اور جواب با صواب !

بہ بزم بادہ گریباں کشودنش بسنگر — — — نہ ہے بہانہ مستی نہ ہے رعایتِ شوق
ایک دن ہاتھ لگایا تھا تیرے دامن کو حاتم اب تلک سر ہے خجالت گریبان کے پنج
ہوئی ہے عمر کہ ہم لگ ہے ہیں دامن سے سودا جھٹکتا دیکھو پیالے غبار کے مانند
ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اٹھا کے چل تیر ہو گا کیس میں ہاتھ کسی داد خواہ کا
✓ بھرے بہتے ہوں ہر دم پھول ہی جس کے گریباں میں

ولا

وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جس کے میرے دامن میں

x اتنی نہ بڑھا پاکئی دامن کی حکایت شیفہ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ
ہاتھ ڈالا میں نے دامن پر تو بولے ناز سے امیر میرا دامن چھوٹے اپنا گریباں پھاڑتے

قتل کی میرے شہادت اور کیا — ترلو سے دامنِ جلا دہے

ہوئی مدت کہ اُس نے ناز سے دامن کو جھٹکا تھا

اثر لکھنوی

ابھی تک موجِ گُل کی پریشانی نہیں جاتی

آلاتِ کُشتنی

تیغِ یار

تیغِ تو نمی داشت اگر آبِ مرّوتِ ظہوری خون چومنے را کہ رساندے بہ بہائے

✓ گلے ملنے جھکی جھک کر رُک کی رُک کر کچھنی و تال

آئیر

✓ تری شمشیر کو بھی نازِ معشوقانہ آتا ہے

میں تو یس غیر کو مرنے سے اب انکا نہیں حالی اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

✓ چلی بھی تیغ تو کس ناز سے تھم تھم کے رُک رُک کے

ریاض

✓ یہ کچھ اُن سے بھی بڑھ کر نازیں معلوم ہوتی ہے

حسرت لے قاتلِ لہو مجھ میں نہیں احسن خون کی پیاسی تری تلوار ہے

حسن جب قتل کی جانب تیغ بُڑاں لیچلا حسن عشق اپنے مجرموں کو پا بہ جولاں لیچلا

بسموں کو زخمِ زخموں کو مبارک لذتیں سوئے قتل پھر کوئی تیغ ذمک داں لیچلا

خنجرِ یار

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں رہے گا

اکرام

کمر میں قاتل کے پرستگارِ ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یہ لہو میرا ذوق کمی جو مجھ سے کرے تو پیئے لہو میرا

گردنِ زنِ بے ل سے جدا ہو گئی کب کی آئیر گردن سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

گلا کٹوا مزا لے لے کے دل پھر کہاں یہ دن
 کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر
 اُن کا خنجر نیا م میں رہ کر فکر حوصلہ بن گیا مرے دل کا
 آپ کا خنجر ہمارے قتل میں جو ہر دکھائے ارشد پھر تڑپ کر ہم دکھائیں اپنے جو ہر دیکھئے
 دیدنی ہے رنگ دل میں ڈوب کر کھنسنے کے بعد
 تم ابھی کیا دیکھتے ہو مہتم کے خنجر دیکھنا
 ورنہ
 فانی

ناوک و پیکان

لذتِ آزار اگر اینست پیکانِ ترا شانی بکلو
 چہجہ نیست در محشر شہیدانِ ترا
 ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں سودا تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں
 شیخ علی حرتین دہلی آئے، اُن سے اور سودا سے ملاقات ہوئی، شیخ نے شرپڑھنے کی
 فرمائش کی، سودا نے متذکرہ بالا شرپڑھا، شیخ شعر کا مفہوم تو سمجھ گئے، لیکن ”تڑپے ہے“
 کے ٹکڑے کو ٹھیک نہ سمجھ سکے، اور کہا ”در زبانِ شما تڑپے ہے چہیت“ سودا نے جواب
 دیا ”ہندیاں طہیدن را گویند“ یہ سُنتے ہی شیخ مچھل پڑے اور بولے ”مرزا غضب
 کردی“

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے — سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے
 نکالوں کس طرح سینے سے اپنے تیر جانناں کو
 نہ پیکانِ دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکان کو
 کوئی میرے دل سے پوچھے تمہیں تیر نیم کش کو غالب یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
 ذوق

مولوی سیف الحق ادیب نے کسی شاعرے میں غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے ۛ
لے جاؤ میرے سینے سے ناوک نکال کے پر دل نکل نہ آئے کہیں، دیکھ بھال کے

مرزا غالب موجود تھے، پاس بلا کر پیار کیا اور فرمایا میاں سیفوا ب ہم سے اصلاح لیا کرو،

مرزا غالب کی توجہ سے اُن کے کلام میں بڑا چوکھا رنگ پیدا ہو گیا،
سمرے جذبِ دل نے روکا تیرے تیرے اماں کو شائبہ کھنوی جو یہ بیچ میں نہ پڑتا تو جگر کے پار ہوتا
مرزا شائبہ مرحوم نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے یہ شعر مرزا غالب کے ”تیرِ نیم کش“ والے شعر
کو سامنے رکھ کر کہا تھا، عالی سے بذریعہ تحریر ان کی رائے دونوں شعروں کے متعلق طلب کی،
انھوں نے میرے شعر کی تعریف کی مگر لکھا کہ اس کو کیا کیا جائے کہ مرزا غالب کا شعر لوگوں کی
زبان پر چڑھا ہوا ہے،

نکالے لیتے ہیں سینے سے پیکان بیتاب ہمارے درد کا درماں سمجھ کر

نکلتا نہیں دل سے پیکان ترا حکیمِ برہم یہ ظالم مرا مدعا ہو گیا

اُٹھاؤں شمع کو کیا حسرت و ارماں کی محفل سے

ترے ناوک کو پہلو سے نکالوں بھی تو کنِ دل سے

کیا کہئے جاں نوازی پر پیکانِ یار کو اصغر سیراب کر دیا دلِ منت گزار کو

سلمانِ آرائش

آنکھ از حلقہ زبر گوش گراست اورا جانی چہ غم از نالہ خونیں جگر انست اورا
آنکھ میں سر کی تحریر نظر آتی ہے جیل حور کھینچے ہوئے شمشیر نظر آتی ہے
بجلی دانتوں کی چمک پر بل — مسی کو دیکھ گھٹا لوٹ گئی

باندھ کر ہاتھ ادب کے مارے — پائے جاناں پہ حن لوٹ گئی
دُرِ آویزہ اُس کی زلف اور خلعے ہم سودا جھمکتا ہے بزمِ گوہر شب تاب آتش میں
گہر ہے کہ صبح بنا گوش میں میسر ستارہ ساہے جھلملاتا ہوا
لیتے کروٹ ہل گئے جو کان کے موتی تر دلا شرم سے سر در گریباں صبح کے تارے ہوئے
سیہ چوری بدستِ آن نگاہ دیدہ امشب خان آرزو بشاخِ صندلیں چیدہ مائے دیدہ امشب
خان آرزو نے یہ مطلع حزمین کو سنایا، حزمین نے کہا ”خوب گفتی اما خیلے طول گفتی“ پھر قہرے
توقف کے بعد خان موصوف کو مشورہ دیا کہ شعریوں کو دو : —

سیہ چوری بدستِ آن نگارے

بشاخِ صندلیں چیدہ مارے

ظاہر ہے کہ اس اختصار نے شعریں کس قدر حُسن اور شگفتگی پیدا کر دیا،

سیہ چوری بود چوں تارِ سنبل واسطی کہ پیچیدہ اند بر گلدستہ گل

یہ کیفیت سنہری چوڑیوں کی خوشنمائی میں عندلیبِ ادنیٰ کرنِ خورشید کی لپٹی ہوئی گوری کلائی میں
روایت ہے کہ غنی نے بڑھاپے میں ایک دو شیزہ سے شادی کی، ایک روز وہ غلخال پہن کر

چشمِ کرمی ہوئی صحن سے گزری، غنی کے شاعرانہ جذبات بیدار ہوئے اور انھوں نے

یہ شعر موزون کیا : ۵

کند بر ہر قدم فریادِ خلخال کہ حُسنِ گلِ خاں پا در رکاب است
 خلخال اُن کے پانوں کے زرِ گر بنائینگے طوقِ گلوئےِ فتنہ محشر بنائینگے
 تنکا کرتی ہے چاندِ سائمنہ کسی کا ستارہ ہے چمکا ہوا آرسی کا
 چیدم گُلِ نظارہ کہ ہرگز نہ چیدہ پیروںِ اللہ آئینہ دیدہ و لے خود را ندیدہ
 منہ تنکا ہی کرتے ہیں جسِ تیس کا میر جرتی ہے یہ آئینہ کس کا
 دیکھنے میں اُس کے کب آتی ہیں ایسی بوڑیاں دیکھ کر تجھ کو نہ ہوا آئینہ حیراں کس طرح
 مشاہدہ را بگو کہ بر اسبابِ حُسنِ یار چیسے فروں کند کہ تماشا با رسد
 مشاطہ را جمالِ تو دیوانہ می کند آئینہ را رخِ تو پری خانہ می کند

معشوق کی تصویر

تصویر تو می بینم بر ہر در و دیوارے — اے پردہ نشیں گشتی رُسوا سر باز اے
گو مُصَوِّر صورت آن لستان خواہد کشید — جیسے دارم کہ نازش را چنان خواہد کشید
تری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت ناسخ ہم جہان میں تری تصویر لئے بھرتے ہیں
آجائے اگر ہاتھ تو کیا چسے رہے ذوق سینے سے لگائے تری تصویر ہمیشہ
تصویر کیوں دکھائیں تمہیں کیوں بتائیں نام بیخود دہلوی لائے ہیں سہم کہیں سے کسی بیوفا کی ہے
ہزاروں طرح اپنا درد دل اُس کو سناتے ہیں اسی غازی پور مگر تصویر کو ہر حال میں تصویر پاتے ہیں
تصویر اُس کی سائے مرقع کی جان ہے جیل گویا چمن میں پھول کھلا ہے گلاب کا
نہ اشارہ نہ تبسم نہ لگاؤ نہ کلام دلہ کچھ کشید تری تصویر نظر آتی ہے
ایک تو تصویر اُس کی بغیر کی محفل میں ہے — اک ہمارے پاس بھی ہے جو ہمارے دل میں ہے
تصویر میں بھی بلے ہوئے ہیں وہی تیور — آنکھوں میں مروت کا کہیں نام نہیں ہے

دلہا ہر لہو و لہو
دلہا ہر لہو و لہو
دلہا ہر لہو و لہو
دلہا ہر لہو و لہو

نقوش مانی

بعض شعرا ایسے ہوتے ہیں کہ مضمونِ شعر کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے
ایسے اشعار شاذ ہوتے ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں،

تصویرِ معشوق

آراستہ آمد و چراستنیست خیام سے خواست بشتوہ و چہ می خواستنیست
بنشست، بخورد بادہ، برخواست برقص وہ چہ پشستنی چہ برخواستنیست
تو تاز شرم فگندی بچمرہ زلف سیاہ نظیر فارابی فغاں ز خلق برآمد کہ آفتاب گرفت
بر فرق سر نہادہ چو نرگس کلاہ کج ولا بر گل فگندہ سنبل زلف سیاہ کج
سر مستی لطیف و سادہ سعدی در دست گرفتہ جام و بادہ
در مجلس نرم بادہ نوشاں بستہ کمر و قبا کشادہ
لعلش چو عقیق گوہر آگین زلفش چو کمند تاب دادہ
بنشستہ زمیں بہ حضرت سے گردوش بہ خدمت ایستادہ
دی زمانے بر سعدی تب تکلف بنشست ولا فتنہ بنشست چو برخواست قیامت برخواست
توشینہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب خضر کہ ہنوز چشم مست اثرِ خار دارد
توئی در ملک جاں خسرو چہ خسرو خسرو خواں
بود محفل قدرت فتنہ چہ فتنہ فتنہ دوران

بتے دارم کہ گردِ گلِ زینبیل سائبان دارد حافظ بہارِ عافش خطے بخونِ ارغواں دارد
 شبوہ ناز تو شیریں خط و خالِ تو بلبل ولد چشم و ابروئے تو زیبا قد بالائے تو خوش
 مست از مئے شبانہ میر من ز خواب ناز فغانی با آفتاب دست و گریباں برآمد
 ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم نظری کرشمہ ہنرِ دل میکشد کہ جا اینجاست
 جام را بر کف دست تو نوشت دگر است ہستی یدِ بیضا دگر دست تو دست دگر است
 دل را نگاہِ گرم تو دیوانہ میکند سائب آئینہ را رخ تو پیری خانہ میکند
 دستے دہم بہ یار کہ بدست می رود دستے نهم بہ دل کہ دل از دست می رود
 قد و بچوئے توفتنہ چہ فتنہ فتنہ محشر شہید چہ محشر محشر آفت چہ آفت آفت دوران
 آویخت گوہر ز جبین ماہ پارہ ثابت الالباب آمد بروں ز مطالع ابر و ستارہ
 سرازیں تیغ بردن آسان نیست منظر آہِ مظلوم خیمِ سلام کے
 لغزشِ مستانہ در رفتار و جامے بکف ساء خرد رخصت اے تقویٰ کہ یار آید بہ سامانے دگر

میر عثمان علی خاں نظام دکن

نگر دو تا نظام دہر برہم بہ گیسوے پریشاں شانہ داؤد
 فراقی گشتہ ہوں اُس آن کا جس دم کہ وہ ظالم
 کمر سے کھینچتا خنجر چڑھاتا آستین آوے فراقی
 آیا ہے صبحِ نیند سے اٹھ رہا ہوا آبرو جامہ گلے میں رات کا پھولوں سا ہوا
 خدا کے واسطے اُس کو نہ ٹو کو منظر یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
 خدا جانے کریگا چاک کس کس کے گریباں کو
 ادا سے اُن کا چلنے میں اٹھا لینا وہ داماں کو جرأت

اک قرض ماہ کے نظر آتے ہیں سو ہلال مصحفی عارض پہ اُس کے طرہ پر خم کی سیر کر
 آستیں اُس نے جو کہنی تک چڑھائی وقتِ صبح
 دل
 آہی سائے بدن کی بے حجابی ہاتھ میں

ہنستے ہو تو اچھی ہی طرح مجھ کو ہنسو نا دل یوں منہ میں میاں کاہتے کو رو مال دیات
 لبریز اُس کے ہاتھ میں ساغر شراب کا ناسخ ہنستے عکس رخ سے کٹورہ گلاب کا
 صاحبِ مرآۃ الشعر نے اس شعر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شاعری نہیں ہے ساحری ہے
 جھجک نہ لے بت بدست شوق سے کرنا دست یہ عکس لکھتے تیرا نہیں شراب میں سانپ
 ہاتھ میں خنجر گھلے میں تیغ تیز پڑتے دیا نکر یہ ارادے ایک مشتِ خاک پر
 عکسِ ساقی شراب میں دیکھا دل ماہتاب آفتاب میں دیکھا
 منہ پھیر کے ہنس نہیں کے وہ اقرار کی باتیں نظام اس طور سے کرتے ہیں کہ باور نہیں آتا
 انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ دل دیکھا ہمیں تو چھوڑ دئے مسکرا کے ہاتھ
 دینا وہ اُن کا ساغرِ مے یاد ہے نظام منہ کو اُدھر چھپا کے ادھر کو بڑھا کے ہاتھ
 کہیں کہیں یہ شریوں دیکھا ہے :

دینا کسی کا پان مجھے یاد ہے نظام منہ پھیر کر اُدھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ
 صفدر والی رام پور

دو دو قدم وہ رقص میں چلنا کسی کا ہاتے دامن پکڑ کے پاؤں بڑھا کر اٹھا کے ہاتھ
 اِس قسم کھانے کے صدقے جائیے دلیر آنکھ نیچی ہاتھ میں مشرِ آن ہے
 وہ شرمیلی آنکھیں وہ شرمیلی صورت — وہ ہنسنا بھی کھل کر نہیں جانتے ہیں
 اٹھے فتنے نگاہِ شمشکین سے — گلے ملتے ہوئے چین جہیں سے

سر پہ کلاہ کج دھسکر زلف دراز حسہ بہ خم
 آہوے چشم ہے غضب ترک نگاہ ہے ستم
 کبھی کچھ رات گئے اور کبھی کچھ رات ہے ریاض ہم نے ان پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا
 چلے آتے ہیں غمِ شش و شش کس کے گھر سے دل وہ ہنستے کھلتے بادِ سحر سے
 پھولوں کا زیور آج کھلا اُن پر اس قدر دل تصویر بن گئے ہیں عروسِ ہزار کی
 حینانِ جہان یوں خواہ گاہِ ناز سے اُٹھے محشر پریشان زلف ماتھے پر شکن بگڑے ہوئے تو
 وہ اُلٹ کر جو آستین بکلیے ثاقب کھنوی ظلم جامے سے اپنے باہر تھا
 غصے سے یہ حال ہو گیا ہے آخر مینائی وہ برقِ جمال ہو گیا ہے
 چشمِ میگوں پہ ہیں زلفوں کی ادائیں کیا کیا جلیل
 جھومتی ہیں سر میخانہ گھٹائیں کیا کیا
 قشقہ ہے کھنچا تری جبین پر دل یا چاک ہے دامنِ سحر میں
 جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں آرزو کھنوی صدقے اس منہ چھپکے جانے کے
 اُٹھے عجب انداز سے وہ جوشِ غضب میں اصغر چڑھتا ہوا اک حسن کا دریا نظر آیا
 بکھری ہوئی ہو زلف بھی اس چشمِ مست دل ہلکا سا ابر بھی سر میخانہ چاہئے
 قبائے پر شکن نیچی نظر چہرے پہ سُرخ سی تسلی ہوئی یہ صبحِ وصل کی صورت بھی اک تصویر ہوتی ہے
 نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے ادا وہ یاد ہے گہرا کے روٹھ جانے کی
 کون یہ دست بہ شمشیر نظر آتا ہے حسرت مجھ کو اک عالمِ تصویر نظر آتا ہے
 ابرو پہ بل ہیں اور نگہ پر جفا
 اٹھاپے کچی نیند سے کوئی جفا

نظر سوئے زمیں ہے گوشہ دامن ہے ہاتھوں میں
معاذ اللہ کوئی کیا کہے ایسے پشیمان کو

اثر لکھنوی

یہ نے نہ پائے اُن کی بلاتیں بڑھاکے ہاتھ — اُس بدگماں نے تھام لئے مُسکرا کے ہاتھ

پھیلا پھیلا آنکھ میں کاجل جوش اُبھا اُبھا زلف کا بادل
نازک گردن پھول سی ہیکل سُرخ چوٹے نیند سے بوہل
یہ کون اُٹھتا ہے شرماتا

نفس میں پھولوں کی سی مہک ہے دل جیس پہ خورشید کی دمک ہے
کمر میں تلوار کی پچک ہے نظر میں بجلی کا آشیانہ

نوخیزِ حسیں، بلند بالا دل اورھے ہوئے سُرمئی دوشالا
افسوں پہ نگاہ زلف بردوش غرقہ میں کھڑی ہوئی ہے خاموش
خودس کے در کئے ہوئے باز ٹیکے ہوئے کنیاں بصد ناز

رنگیں کلائیوں کو جوڑے چھکے کو ہتھیلیوں پہ رکھے
گلہ ان میں پھولِ جنس رہا ہے قرآن ہے حُسل پر دھرا ہے

زلفوں کی وہ نسیم سے برہم کنیاں دل پلکوں کی وہ جنمار سے بوہل حکایتیں
ناشتہ رُخ کے سُرخ دھندلکے میں جوش ہے پچھلے پر وہ شکر سے بہتر شکایتیں

خانی ہاتھ سے آنچل سنبھالے تجنوں کو کھپوری یہ شرماتا ہوا کیون آ رہا ہے

عارض پہ ہوا کی جنش سے رہ رہ کے مچلتے ہیں گیسو عقبال صنی پوری
یہ نظر دلکش کیا کہئے کچھ صبح بھی ہے کچھ شام بھی ہے

بوٹا سا قد چھریا بدن چمپی سازنگ بھولی سی صورت آنکھ لجا ئی ہوئی سی ہے

تصویرِ عاشق

مرا سینہ ہے مشرقِ آفتابِ اغ، جہراں کا ناسخِ طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا
روانی رنگ لائی دیدہ خونابِ افشاں کی اصغر اُتر آئی ہے اک تصویرِ دامنِ پرگستاں کی
جوشِ جنوں میں ترے جوشی کا چھیننا — بند اپنے ہاتھ سے درِ زنداں کئے ہوئے

جس نے پوچھا حال کیا ہے اس کی صورت دیکھ کر ✓
پہلے ٹھنڈی سانس لی پھر سر جھکا کر رو دیا

تصویرِ عاشق و معشوق

تو اُن قاتل کہ از بہر تماشا خونِ من ریزی حضرت عثمانؓ بانیِ من اُن سہل کہ زیرِ خنجرِ خونخوار می بر قسم
بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جاں بازاں بصدِ سامانِ رسوائی سرِ بازار می بر قسم
خسروِ غیرِ بختِ راخوں بختنِ فرمودہ است خسرو خلقے بہ منت یک طرفِ اُن شوخِ رعنا کی طرف
بہرِ قلم چو کشتِ تیغِ نغمہ سر بہ زمیں ولہ او بنائے عجے من بہ نیلے عجے
خوش آنکہ پیش تو پُرسند حالِ عمر فی اُو عرقی شکایت بہ کنایت ز روزگار کند
من از حیرت تو از تمکین نہ ایمکانہ تفتیر

حزین

چناں ماند کہ ہم بر زم است تصویرِ بہ تصویرِ

کسی شاعر نے اس شعر کا ترجمہ اردو میں یوں کیا ہے :

حیرت سے میں ادھر وہ ادھر تکنت سے چپ
تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف

اُن کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا فانی اک جوش تھا کہ مجھ تماشائے جوش تھا
 بیانِ درد و زبانِ خموش و عرضِ نیاز جگر جبینِ شوق و کفِ پائے یار کیا کہنا
 اب آگے جو کچھ بھی ہو مقتدر رہیگا لیکن یہ نقشِ دل پر
 ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں

وہ مستِ نازِ حسن میں سرشارِ آرزو سہیل وہ اختیار میں ہیں نہ میں اختیار میں
 یہ ہم نے کب کہا وعدہ ہے آپ کا جھوٹا بیدلِ عظیم یہ کیوں قسم یہ قسم آپ کھائے جاتے ہیں
 ذکرِ عدو پہ اُن کا وہ شر مانا ہائے نائے توفیق پھر ڈالنا گلے میں مرے سُکرا کے ہاتھ
 وہ کسی کے ہیں میں کسی کا ہوں مگر ایک ربط ہے آج تک

شہیدِ بدایونی وہی احتیاطِ نگاہ ہے وہی احتیاطِ کلام ہے
 دشمنِ میکشی باہم وہ لطفِ وصلِ جانانہ قضا سوانی وہ کچھ بہکی ہوئی بابتیں وہ کچھ اندازِ مناسبت

مَعشوق کی ادائیں

سیر و شکار

سرورِ سیمینا بہ محسرامی دوی سدی نیک بد عہدی کہ بے نامی دوی
اے تماشا گاہِ عالم رُوے تو توجہ بھر تماشا می دوی

سعدی کی اس غزل میں مندرجہ ذیل دو شعر بھی ہیں :

کس بایں شوخی و رعنائی نہ رفت ہم چینی یا بہ عہد امیر دوی
گرچہ آرام از دلِ مایسرو ہم چنین میسر و کہ زیبا میسر دوی

”زیبا میر دوی“ کا ٹکڑہ مجھے بہت پسند آیا، میں نے اس شعر کو بذریعہ تحریر مرزا ثاقب مرحوم کی خدمت میں بغرضِ وادپیش کیا، مرحوم نے لکھا ”یہ سعدی مرحوم کا کام ہے کہ معشوق کو ہمیشہ کریں، رفتار کے متعلق میرا بھی ایک شعر ہے، کبھی لکھونگا، میں نے شعر کے لئے اصرار کیا انھوں نے یہ شعر لکھا :“

بلا سے ہو پا مال سارا زمانہ

نہ آئے تمہیں پاؤں رکھنا سنبھل کر

ہمہ وحشیانِ صحرا سر خود بھادہ برکت خردو بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

پٹے مصرع میں بعض بعض جگہ بجائے ”وحشیان“ کے ”آہواں“ دیکھا ہے،

گلشنِ زجلوۂ توپری خانہ گشتہ است —————۔ بوی گل از ہوائے تو دیوانہ گشتہ است

باز آں سوارِ مستِ نچیسری دود — ہوشم زدست دستِ زندبیری دود
 بخوبی تو سوارے بصدِ ریزیں نہ نشست آقا رضا تو تا سوار شدی فتنہ بر ریزیں نہ نشست
 ایں خانہ بر انداز کہ در خانہ زین است نورِ جہاں معمارِ تمّتِ من خاک نشین است
 از باغ رفتی و دلِ بسبیل زرنالہ رنجیت صیدی طرانی گل را شرابِ رنگ تمام از پیالہ رنجیت
 برقعِ برُخ افگندہ بردنا ز بہ باغش دلِ تا نگہت گلِ رنجیت آید بد باغش

جہاں آرا بیگم ایک روز سیر باغ کے لئے روانہ ہوئی، صیدی طرانی ایک بالا خانے سے
 تماشہ دیکھ رہا تھا، سواری سامنے آئی تو بے ساختہ شعر متذکرہ بالا پڑھا، بیگم نے حکم دیا
 کہ شاعر کو سامنے لائیں، صیدی طرانی حاضر ہوا تو اُس سے بار بار شعر پڑھوایا، اور حکم
 دیا کہ اسے ۵۰۰۰ روپیہ دے کر شہر سے نکال دو، اس شعر کا ترجمہ میرا فضل حسین
 ثنابت لکھنوی نے کیا ہے، اُن کا شعر ابھی آپ کو بزمِ شعراءِ اردو ملیگا، مگر اردو شعر
 میں "ناز" کا لفظ نہیں آیا جو فارسی شعر کی جان ہے،

مگر آں بے وفارفت است با اغیار در گشت
 کہ دردے می شود در دلِ زیادِ صبحدم پیدا
 ہو ہے سیر کا مشتاقِ قنیا بی سون من میرا دلی چمن موں آج آیا ہے مگر گلِ سیر بہن میرا
 جب چمن میں جا کے پیائے تم نے زلفیں کھولیاں
 لے گئی بادِ صبا خوشبو کی کھسب کھسبیاں

آج اس راہِ دلِ با گذرا سوز دل پہ کیا جائے کہ کیا گذرا
 وہ اپنے گھر سے سستی مستِ شراب نکلتے ہے آشفہ طلوعِ صبح کا جوں آفتاب نکلتے ہے
 لگیں تلواریں چلنے اس ادھر بانگے پڑھو نہیں تمہنی ذرا کج ہو کے بیٹھا تھا وہ ظالمِ پشتِ توسن پر

کون اس باغ میں لے بادِ صبا جاتا ہے وں رنگِ خسار سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے
 باغ میں جاتی ہے اُس گل کی سواری اندوڑ امانت دم چرائے پھرتی ہے بادِ ہساری اندوڑ
 پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے غالب رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہوا داروں کا
 وہ یکا یک باغ میں ہونچے جواٹھلاتے ہوئے — کبک بھاگے سامنے سے ٹھوکریں کھاتے ہوئے
 نفستِ ڈال کے رخ پر وہ باغ میں آئے ثابت لکھنوی کہ چھن کے نگہت گل بھی باغ میں آئے
 آیا جو وہ گل تو گل چمن میں پنڈت پھولے نہ سمائے سپرہن میں
 کیلجہ کوئی مقام کر رہ گیا ہے جلال ادھر جانے والے ادھر دیکھ لینا
 یہ کس کے جانے سے جاتی رہی بہارِ چمن نیتاں نہ گل ہیں باغ میں باقی نہ گل میں بوباقی
 وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں اکبر آبادی وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے

خاموشی

بُت بن کے تم آئیٹھے خاموش چلے اٹھ کر — کچھ بات تو کی ہوتی کچھ حال سُنا ہوتا
 گالیاں غیر کو دیتا ہوں سنو تم خاموش داغ میں بھی دیکھوں تو بڑے بات نہ کرنیوالے
 حقیقت میں پتہ دیتا ہے در پر وہ محبت کا جلیل جلیس اُن کا تمہارے نام پر خاموشی بجانا

مزاج یار

کل کیا تھے ہم سے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش — مہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش
 پوچھے کوئی مزاج تو اللہ رے خسرو — کہتے نہیں کہ شکر ہے پروردگار کا

مرزا جعفر علی حسرت

اے متواس چار دن کے حسنِ اختر یہ مزاج، اتنا مزاج، ایسا مزاج
 ملتا نہیں مزاج جو ملتے بھی ہیں کبھی صفدر رزاق کس طرح اُن سے عرضِ تمنا کے کوئی
 اللہ رے کرشمہ نیرنگیِ مزاج مؤلف نامہ راں کبھی ہیں کبھی آپ ہم راں

تغافل

گفتم آہ از دل دیوانہ حافظ بے تو حافظ زیر لب خندہ زناں گفت کہ دیوانہ کیست
 گفتمش جامی اسیرِ نشتِ گفتہ آگہم جامی ایک من از طعنِ بدگویاں تغافل می کنم
 امروز عیاں شد کہ نداری سرِ آہلی اہلی بیچارہ غلط داشت بہ لطفِ تو گمانہا
 ز مردم یار می پرسد کہ عالی کیست طالع میں عالی کہ عمرم در محبتِ رفتِ کارِ آخر رسید اینجا
 شدم از خاطرِ آن مست و بد خو نسبتی چو حرفِ حالتِ مستی فراموش
 جانبِ ماگو نہ بیند غیر گو خوشدل مشو صد نگہ چوں جمع گرد یک تغافل میشود
 چارہ در دمنِ بیچارہ را جانی یکم داند و عمداً تغافل می کند
 ہم تم جسے چشم رکھتے تھے دلداریاں بہت تیر سوالِ تقنا کم سے دل آزاریاں بہت
 جز وہم نہیں میش مری ہستی موہوم دل اس پر بھی تیری خاطرِ نازک پہ گرائوں
 پتا پتا بٹوٹا بٹوٹا حال ہمارا جلنے ہے دل جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
 جانیں مشاقوں کی لب تک آئیاں بیدار بل بے ظالم تیری بے پروائیاں
 اس طرح کے بے فہم نے نہیں دیکھے کہیں تکالم یہ تغافل چھینا ہم نے نہیں دیکھے کہیں
 پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے مومن اُن کا نہ دیکھنا نگہِ انقاس ہے
 میں اور ذوقِ بادہ نشی، لیگیں مجھے مفتی جان یہ کم نگاہیاں تیری بزمِ شراب میں
 آرزو

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے غالب کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا
 ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن وہ خاک ہو جائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک
 اک اک کو جانتا ہے وہ عیساؑ و بزم میں تصویر پر جانتا نہیں تو ہمیں جانتا نہیں
 تم کو آشفۃ مزاجوں کی خبر سے کیا کام داغ تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا
 بیاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہیں بیاں تغافل کے قرباں تجاہل کے صدقے
 اب کہاں وہ اختلاطِ باہمی آخرینائی دور کی صاحب سلامت رہ گئی
 ہے وہاں شان تغافل کو جلتے بھی گریز حرّت التفاتِ نگہ یار کہاں سے لاؤں
 کیا کام انھیں پریشاں اربابِ فاسے دلہ مرزا ہے تو مر جائے کوئی اُن کی بلا سے
 اب اُن کا سامنا ہوتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں قائد کہاں کی رسمِ اُلفت چھوڑ دی حسنا مسلت بھی
 کچھ پاس غیر کچھ وہ تغافل شعاریاں رفعت گویا کہ سامنے بھی میں نظروں سے دور تھا
 او تغافل شعار بے پروا — بھول جانا ہمارا یاد رہے
 وہ توجہ وہ التفات نہیں شفقت کاظمی بات کیا ہے کہ اب وہ بات نہیں

غرور

غرورِ حُسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش دلی کہ خاطر میں نہ تولائے اگر تجھ گھر ولی آئے
 تر غرور مرا عجز تا کجا ظالم سودا ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے
 چار دن کے حُسن پر اتنا عسروِ قوی چاندنی ہوتی ہے کئے دن کے لئے
 اس درجہ عسروں ناروا ہے — مانا کہ حضورِ خبر و ہیں
 بُت کریں آرزوِ حسدائی کی — شان ہے تیری کبریا یانی کی

شوخی

گفتم چگونہ میکشی و زندہ میسکنی خرد از یک نگاه گشت و نگاه دیگر نہ کرد
 شوخی تو دیکھو سیر کو سینے سے کھینچ کر تمھنی کتاب ہے میسر تیر کا بیکان رہ گیا
 روسے پہ جو میرے ہنس رہے ہو وہ یہ کون سی بات سہتہ دشمن کی
 دیکھنا شوخی یہ کہتے ہیں مرے دشمن سے وہ کتب
 کیا ہنسی آئی مجھے تسکین کو دوتا دیکھ کر تسکین
 وعدہ وصل تو بے ساختہ کر جاتے ہیں مسکین وقت کتاب ہے تو شوخی سے ٹکر جاتے ہیں
 جو کچھ سوچتی ہے نئی سوچتی ہے امیر میں روتا ہوا ان کو ہنسی سوچتی ہے

غمرہ و ناز و انداز

غمرہ تو بردل سلطان زند خرد ورنہ رنجی بردل درویش ہم
 علامہ شبلی کہتے ہیں ”ورنہ رنجی سے کس قدر عاشقانہ خضوع ظاہر ہوتا ہے“
 کرشمہ چند کنی بر من آخراں جان است دلہ نمی و مدثر زمین و صبا نمی آرد
 اس مضمون پر تین سو برس بعد آئی شیرازی نے دست درازی کی اور دوسرے مصرعے کو
 یوں کر دیا : نہ نمی و مدثر زمین آسمان نمی بار د
 دلی میں قتل عام ہو رہا ہے، آصفیاء کمر کس کر اور جان تھیلی پر رک کر نادر شاہ کے سامنے آتے ہیں
 اُس نے پوچھا ”خیر اشد چہ میخوای؟“ انھوں نے دست بستہ یہ شعر پڑھا : نہ
 کے نہ ماند کہ اور را بہ تیغ ناز کشی مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

یہ برجستہ اور باموقع شعر سن کر نادر شاہ نرم ہوا اور تلوار میان میں رکھ کر کہا "بخشیدم"
 کہتے ہیں وہ میسر دیکھنے پر میر دیکھو کوئی دیکھتا نہ ہوئے
 ہر چند کہ ہر شوخ کا اک ناز جدا ہے مطلقاً علیٰ معنی پر نام خدا آپ کا انداز جدا ہے
 احوال مرادھیان سے سننا تھا و لیکن مرزا حسن علی محبت کچھ بات جو سمجھا تو کہا میں نہیں سننا
 کرتا ہے ناز وہ شعر خواں نئے نئے آتش آئین تازہ تازہ ہیں فرماں نئے نئے
 دل کو کوئی بچا سکے کیوں کہ تجروح اس کے انداز ہیں قیامت کے
 اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی اکبر آبادی وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا
 بیٹھے تکتے تو ہیں کنکھیوں سے آرزو لکھنوی یہ نہیں پوچھتے کھڑے کیوں ہو
 کچھ یوں ہی اپنے حسن پہ مغرور تھا وہ شوخ حرّت کچھ لے اڑی ہے اور بھی اُس کو ہولے ناز
 بسملوں سے بھی ناز اٹھوائے — ہائے انداز میرے قاتل کے
 انداز اپنے کینے میں دیکھتے ہیں وہ — اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو
 وہ دیکھتے ہیں جبکہ نہ دیکھے کوئی اُن کو — دیکھے کوئی اُن کو تو وہ دیکھا نہیں کرتے
 خلوت میں دل کے آیا بصد غم سمرہ و ادا اثر لکھنوی اک مست ناز پر وہ داماں کئے ہوئے

انکارِ وصل

حرفِ انکار نہ زخباں سے از دل بنود شبلی گہ گہ ایں کار بہ آئین جیا نیز کنند
 کس بات پر کروں میں تری اعتبار ہاے قائم اقرار اک طرف ہے تو انکار اک طرف
 دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں میر وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں
 گالی سہی، ادا سہی، چین جیس سہی انشا سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

دن نہیں رات نہیں، صبح نہیں شام نہیں، آئیر رہ گئی ایک نہیں ہاں کا کبھی نام نہیں

اس نہیں کا کوئی علاج نہیں داغ روز کہتے ہیں آپ آج نہیں

نواب عزیز یار جنگ بہادر کا بیان ہے کہ نواب مرزا داغ کے یہاں ایک طوائف

ملازم تھی، ایک روز انھوں نے ایک ملازم کے ذریعہ سے اُسے بلا بھیجا، اُس نے

کہلا بھیجا کہ میری بلا بھی نہیں آتی، ملازم نے آکر نواب مرزا داغ سے یہی جملہ دہرایا، وہ

لطف دیتے رہے اور ملازم سے بار بار دریافت کرتے رہے کہ کیا کہا، ملازم اسی جملہ کو

دہراتا جاتا تھا، اسی کیفیت میں انھوں نے نواب صاحب سے یہ شعر لکھوایا

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئیگی کیا تم نہ آؤ گے تو قصا بھی نہ آئیگی

اور تھوڑی دیر میں عزل مکمل کر دی،

میں نے وفور شوق میں شاید سنا نہ ہو اکبر الہ آبادی یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو "نہیں نہیں"

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر ریاض شکن رہ جائے گا چین چین پر

ہاں وہ تمہارا ایک لفظ موتِ دلِ حسیں سہی

کہہ جائی

کچھ تو کہو جواب میں ہاں نہ سہی نہیں سہی

آپ کرتے ہیں بار بار نہیں روشِ صدیقی ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں

رُوٹھنا

چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سُنو شاہِ عالم آفتاباں میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سُنو

چاہے اب دیکھ لو خفا ہو کر گستاخِ راہِ پوی ہم بھی ہرگز نہیں منانے کے

مرا سُرُن کے قدموں پر وداہن کو چھڑاتے ہیں حسن الہی کس طرح دُنیا میں رُوٹھوں کو مناتے ہیں

رنگر و بہت اب بناوٹ سے تم — وہ ہونٹوں پہ دیکھو ہنسی آگئی
 روٹھنے کا لطف یہ ہے روٹھنے میں جیادہ جتنس روٹھتے ہیں آپ لیکن روٹھنا آتا نہیں
 وہ بگڑنا بھی کبھی مجھ سے تو سنتے کیلئے سرت یاد ہے انداز تیرے لطف جو رامیز کا

بیوفائی و بد عہدی و بیگروٹی

شیوہ بے مہری آں ماہ را با خود قشر شرف خوب می دانستم کنوں خود بردارستہ ام
 دیدہ ام و فریجان وفا حرف جسنر — نام خواباں ہمہ ثبت است ہیں نام تو نیست
 اس شعر کا ترجمہ حاتم نے یوں کیا ہے :

فرست میں خوابان وفا دار کے پیارے دیکھا تو کہیں اس میں ترا نام نہ پایا
 شکر بے مروت بے وفا نا آشنا خود ہیں
 مسلمانم کہ خواہد گفت گر گویم سلسلش دشت

ہمہ مطلعان نامحسب را باند حبیب یفاں و زانہا ماہ من نامحسب راں تر
 حسن ہے پر خوروں میں وفا کی نہیں آبرو پھول ہیں یہ سب پران پھول نہیں ہرگز نہیں
 وعدہ یہ تم نہ آئے تو ہم کچھ نہ کہتے — کہنے کو بات رہ گئی دن تو گزر گئے
 گلہ میں جس سے کروں تیری بیوفائی کا تیسر جہاں میں نام نہ لے پھر وہ آشنائی کا
 نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا ترھی سرگز میر درد گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نہ پای تو
 بیوفائی یہ تیری جی ہے نثار میر اثر قہر ہوتا جو با وفا ہوتا
 بیوفائی تیری کچھ نہیں تقصیر ولا مجھ کو میری وفا ہی اس نہیں
 میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے تو میں تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

یاں انتظار رہی میں کئی میری ساری رات تکیں داں وعدہ کیا تھا انھیں یاد ہی نہیں
 رنگتے، نرگس کے لطافت سے اگر حقیقت ذوق اک بڑے فانی گل رعنا نہیں رکھتے
 یہ کیا ستم ہے ہم کہیں رو رو کے اپنا حال ظنہ منہ اپنا پھر پھسکے وہ بے وفا ہنسے
 ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید غالب جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
 بے غدر وہ کریتے ہیں عسویہ سمجھ کر شیفہ یہ اہل مروت ہیں تفتضانہ کریں گے
 روز کے وعدوں پہ مرجائیں گے ہم اسیر یوں ہی گزری تو گزر جائیں گے ہم
 ایسے وعدہ آپ کے لے یار ہو چکا بحر اس کا تو امتحان کئی بار ہو چکا
 وعدہ شام تو کیا ہے ولے تشق کچھ وہ آتا نطنہ نہیں آتا
 وہ اُمید کیا جس کی ہوا انتہا حلقہ وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
 ہمارے طعنہ اب وہ کم دیکھتے ہیں دماغ وہ نظریں نہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں
 کون کتا ہے بیوفا تم کو بیان جھوٹ ہے افترا ہے تمہاری
 بولے ہنس کر جو کہا رو کے فسانہ دل کا جلال دلگی سمجھے تھے کیا آپ لگانا دل کا
 تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو تسلیم کیا اعتبار وعدہ بے اعتبار کا
 اور تو تم سے کیا نہیں ہوتا بیخود ملوی ایک وعدہ وفا نہیں ہوتا
 اب وہ اگلا سا الفت نہیں عالی جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں
 دباں بھی وعدہ دیدار اس طرح ٹالا
 کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بارِ عام کے بعد اس کے آسمانی غازی پوری
 یقین اُن کے وعدہ پہ لانا پڑے گا۔۔۔۔۔ یہ دھوکا تو دانستہ کھانا پڑے گا
 جب اتنی بیوفانی پر دل اس کو سپا کرنا ہے۔۔۔۔۔ تو یار بے دہ شکر با وفا ہوتا تو کیا ہوتا

ذرا سی بات پر یہ ٹوٹ کر سو ٹکڑے ہوتا ہے
 مرے دل کی نزاکت آگئی ہے تیسرے چپاں میں
 اکبر ہنوز اُن سے ہے امیدِ رُحلت اکبر آبادی بدلی ہوئی نگاہ کو چھپاتا نہیں
 جھوٹے وعدوں پر تھی اپنی زندگی عزیز اب تو وہ بھی آسرا جاتا رہا
 کد بھروسا تھا کہ وہ عہدِ وفا سے موند نہ موندینگے
 خبر کیا تھی کہ نازک ہاتھ یہ زنجیر توڑینگے
 بے مروت، ناوک، انگن آفسر میں صد آفریں حسن دل کا دل زخمی کیا پیکان کا پیکان لے پلا
 اسیدِ وفا وفا بتوں سے وفا لے مر دُعا حُسنِ اُخدا کر
 مسکرا ہی دو اگر پرسانِ حالِ دل نہ ہو — اتنی گنجائش بھی کیا رسمِ مروت میں نہیں
 ہائے کس سے کہوں کہ اوبدِ عہدِ حرّت کیا کہا اور کیا کیا تو نے
 کہتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو اثرِ کھنوی دیکھتے جاؤ اپنی باتیں
 ریوں مٹ گئی وفا کہ زمانے کا ذکر کیا
 اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں ہی

بیداد

دینِ دُورِ بوند و قصدِ جان کشند حافظ الغیث از جوہرِ خواہاں الغیثا
 قاتلِ من چشمِ می بند و دمِ بسمل مرا ہستی تابانہ حشر دیدارِ او در دل مرا
 اکبر اعظم کو آصفی کا یہ مطلع بہت پسند تھا 'اسی زمین میں فیضی کا ایک
 شعر سنئے :

پاہ رُو بگذارے قاتل دم بسل مرا

تا بہ ایں تقریب پا بوسی شود حاصل مرا

گیرم کہ روزِ حشر سر از خاک بر کشم مرشد آں دیدہ کو کہ جانبِ قاتل نظر نہ کنم

ازیں رنج کہ بیداد کارِ محبوب است قتی اگر وفانہ نماید ستیزہ ہم خوب است

ایں جورِ دیگر است کہ آزارِ عاشقان — چندان نمی گئی کہ بہ بیداد خو کنند

ازیں چہ باک کہ رسمِ وفانہ دانی ظہوری بلاست ایں کہ طریقِ جفا نمی دانی

کردہ اُنچہ تو با عاشق صادق جاناں — مرگ با جاں نہ کند کفر بہ ایمان نہ کند

سنگین دل است آں بت و من ابگینہ دل افتخار دل را بدل رہیت الہی تو خیر کن

بیخود وقتِ فوجِ طہیدن گناہ من غالب دانستہ دشمنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

غمِ عشقِ تولے یارِ مستمکار فراتِ یزدی نمیدانی کہ بادِ لہا چا کرد

تجھ اُپر خونِ بے گناہوں کا آبرو چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

بہ نہ اُس کا ہے دل اُس کا ہے جگر اُس کا، قدرت تیر بیدادِ جدھر رنج کرے گھر اُس کا ہے

جو مذکور اُس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا

تو کہتا ہے کہ چپ رہے اُسے آزار رونے کا

سودا

ظالم نہیں کہتا تھا کہ اِس خوں سے درگزرِ دلؔ سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں دلؔ یہ اگر سچ ہے تو ظالم اِسے کیا کہتے ہیں

جفا اُس کی نہ پہونچی انتہا کو تیر در عینِ عمر نے کی بیومانی

جب مجھے رنجِ دل آزاری نہیں تو بہ وفا پھر حاصلِ بیداد کیا

ہے نگاہِ لہذا دشمن پر تو بندہ جائے ہے دلؔ یہ تم او بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

جان دیکھی تن بسمل میں جو آتے جاتے رند اور چرک دیا جہلا دے جلتے جاتے
 دیکھ کر اس نیت کا فر کے ستم ظفر لے ظفر مجھ کو خدا یاد آیا
 اب جہلا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ غالب اس قدر دشمن ارباب و سنا ہو جانا
 کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جان ہیں دلہ یوں نہ کوئی نام ستمگر کے بنیہ
 ہم پر جہلا سے ترک وفا کا گساں نہیں دلہ اک چھوٹ ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں
 کس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر شیفہ کیا کوئی اور ستم یاد آیا
 کس طرح مٹاتے ہیں یہ بُت ہیں لطف نظام ہم ایسے ہی ہیں جیسے کسی کا خدا نہ ہو

کیس کیس پہلا مصرعوں بھی دیکھا ہے :۔

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے یہ بُت ہیں نظام

لے تیغ جفا کی نہ کرنا اسیر سو گند تجھے مرے لو کی
 سر اڑاتے ہیں وہ تلواروں سے داغ کوئی کتنا نہیں سہ کار یہ کیا
 کہتے ہیں یہ بُت سنا سنا کر جا اپنے خدا سے ابھار
 نہ خوف آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا جلال بڑا کلیجہ ہے ان دل دکھانے والوں کا
 قتل کی میرے شہادت اور کیا آرام تر اور سے دامن جہلا دے
 بات کرنے میں تو شرماتے ہیں آپ حسن ظلم کرنے میں نہیں آتا محساظا
 کون لا تا ترے غباب کی تاب حرمت خیر گذری کہ سا سنا نہ ہوا
 عشقِ حرمت کے سب ہوئے قائل ایک وہ دشمن و سنا نہ ہوا
 لوٹ لے جی بھر کے حرمت لذت ازا دلہ اُس ستمگر کا یہ رنگب آشنائی پھر کہاں
 بڑھ چلا تھا حد سے جو رہیوہ بیگانگی دلہ ورنہ میں اور اُس سر اپانا زکا شکوہ کر دیں

خونِ ناحق کا کسی کے شبہ اور تم پر لگے جو ہر سینہ جوہریں دیکھو تو یہ کس کا تیر ہے
 سوچ کر غم دیتے ایسا نہ ہو حیفِ جان نہ ہو آپ کو کرنی پڑیں غمخواریاں
 اُن کی بھینم نواز شوں کا اثر عرشِ ملیانی مرے حالِ تبسوا سے پوچھو

رنجش

نامنفل زِ رنجشِ بجا نہ ساز مت نظیری می آرمِ اعترافِ گناہِ نبودہ را
 اغیار کا مٹتا تری محفل سے اُٹھاتے شہیدی سچ ہے یہ تری رنجشِ بجا نے اُٹھایا
 بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں غالب پر کچھ اب کی سرگردانی اور ہے
 ان دنوں پیائے ترا طرزِ تکلم اور ہے آزاد طورِ چمک اور ہے طرحِ تبسم اور ہے
 اک مشعلہ ٹھہرا ہے تمہیں رنجشِ بجا ظہیر اک کھیل ہوا تم کو ستانا مے دل کا
 شاید مرے سوا کوئی اُس کو سمجھ سکے اصغر وہ ربطِ خاصِ رنجشِ بجا کہیں جسے

تلونِ طبعی

کبھی دشمنی ہے کبھی دوستی میرا اثر تری کون سی بات پر جائے
 کشتہ ہم بھی تری نیزنگی کے ہیں یاد رہے
 آتش او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

تم جہاں پر بھی تو نہیں متائے عینِ عظیم آبادی ہم وفا سے بھر کریں کیونکہ
 رنگ بد لایا رکاوہ پیار کی باتیں گئیں حیفِ جان نہ ہو وہ ملاقاتیں گئیں وہ چاندنی راتیں گئیں
 اللہ رے بتوں کی تلونِ مزاحیاں آجنگر ”ہاں ہاں گھڑی میں ہے تو گھڑی میں نہیں نہیں“

دفعاً احتراز کیا کہنا اثر صباؔ واہ بندہ نواز کیا کہنا
تمہارا ستم الاماں الاماں ولا تمہارا کرم الاماں الاماں

پشیمانی

عذر خواہی کُندم بعد از قتل محتشم کاشی عذر بدتر ز گناہش نگرید
نیت بُرے عرق آلودہ بہ گوہر محتاج صائب بنو حسن حسد ادا بہ زیور محتاج
جفا سے اپنی پشیمیاں نہ ہو ہوا سو ہوا تاباں تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
یقین کے واقعہ کی سُن خبر وہ بدگمان بولا یقین وہ دیوانہ تو کچھ ایسا نہ تھا بیمار کیا کیئے
وہ آئے ہیں پشیمیاں لاش پر اب موتن تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے تو غائب ہائے اُس زدو پشیمیاں کا پشیمیاں ہونا
✓ بس اسی منہ سے شکایت کرنے بیٹھے تھے ظہیر

خود پشیمیاں ہو گئے اُن کو پشیمیاں دیکھ کر ظہیر
شرم جہن سے لطف سراپا بنے ہوئے حسرت وہ آج کل ہیں جانِ تمنا بنے ہوئے
✓ عذرِ ستم ضرور نہ تھا آپ کے لئے ولا حسرت کو شرمسار نہ است نہ کیجئے
موتی سمجھ کے شانِ کبریٰ نے چُن لئے اقبال قطعے جو تجھے مرے عرقِ انفعال کے
مے ترا حُسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب فانی ورنہ تو اور جفاؤں سے پشیمیاں ہونا
روحِ اربابِ محبت کی لرز جاتی ہے ولا تو پشیمان نہ ہو اپنی جہن یا دنہ کر

آگ سا چھسہ پانی پانی
اُن کے مرا شرم ملنے والا
فضل

شرم و جیا

✓ اس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا
وصل کی شب کا سماں آنکھوں میں ہے چھایا ہوا
بات ہی اول تو وہ کرتا نہیں مجھ سے کبھی
اور جو بولے بھی ہے کچھ مُنہ سے تو شرمایا ہوا

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
بھائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے
غیر کو یارب وہ کیوں کر منع گستاخی کرے
لوگ ایسا نہ ہو سمجھیں کچھ اور راقم دیکھ کر مجھ کو نہ شرمائیں آپ
چشم آہونہ ملی دیدہ نرس نہ ملا امیر اے جیا تجھ کو انھیں آنکھوں میں کیا نہاننا
اُٹھ نہیں سکتی جیا کے بوجھ سے داغِ رسم آتا ہے نگاہِ یار پر
سحلے کل ملیں گے وہ سینائے سے ریاض جو پیتے ہوئے آج شرما ہے میں
برق کو ابر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے حسرت ہم نے اُس شوخ کو مجبور جیا دیکھا ہے
آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حسن جگمگاتی آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

سلام کرنا

قد اواز پئے تسلیمِ حشم شد غنیمت ہلالِ عیدِ مشتاقانِ علم شد
اس ادا سے مجھے سلام کیا ^{نوبتِ آصف} ایک ہی آن میں سلام کیلے

قسم کھانا

یک نگہ یک خندہ ز دیدہ یک تابندہ شک اقبال بہر پیمانِ محبت نیست سو گندے دگر

ساعہ سیمیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لے کر چھوڑ دئے

میسر

بھولے اُس کے قول قسم پر ہائے خیالِ خام کیا

✓ میر صاحب ہی چوکے لے بد عمد ولا ورنہ دینا تھا دل قسم لے کر

جی نکل جاتا ہے میرا جب کبھو آتی ہے یا یقین وہ قسم کھا کر اُسی ساعت کر جان کی طرح

خدا کی قسم اُس نے کھائی آج داغ قسم ہے خدا کی مزہ آگیا

وہ کچھ غمیسے وعدہ مندا رہے ہیں ریاض میسر سر کی جھوٹی قسم کھا رہے ہیں

ہاں اثر بیچ ہے کہ سب عدے ہیں اُس کے جھوٹے

اثر کھنڈی

کچھ عجب لطف ہے رُک رُک کے قسم کھانے میں

رحم و التفات و وفا

اگر باندیِ عمد و فابستی نہی رخسہم تمہی کہ میدنم ندارد اعتبارے عمد و پیمانت

نیز می سازد بقتلِ عاشقانِ شمشیر را سرخوش این قدر رحم ہم ازو بسیار می دانیم ما

عاشق کہ شد کہ یار بہ حالش نظر نہ کرد حیرت لے خواجہ در دیت و گرنہ طیب بہت

ازیں دریا عبورِ خوشین آسان ہمید نام — کہ دستِ ناتوانِ خود بدستِ آشنا دارم

بہ سویم چون نظر افتاد دوش آں ترکِ پُرفن را

شبلی

بگفت این خستہ جاں جائے گرفتار است پنداری

کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں جسم میر ہے خدا جانئے یہ کب کی بات
یاں شہرِ حُسن میں تو کہیں ذکر بھی نہیں دلہ کیا جانئے کہ مہر و وفا ہے کہاں کی بات
وہ کیا کچھ نہیں حُسن کے شہر میں دلہ نہیں ہے تو رسمِ وفا ہی نہیں
مرتا تھا میں تو باز رکھا مرنے سے مجھے دلہ یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے ہے اے اے
نگاہِ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے جو شش سلام اُن نے ہمارا لیا لیا نہ لیا
عام جب سے ہو گیا اُن کا کرم فقیر مہربانی کا مزہ جاتا رہا
ہر وضع کے انساں سے ملاقات اُن کو شہیدی سب خُلق و مدارات کے قابل ہیں مگر ہم
اتنا تو جذبِ عشق نے بارے کیا اثر برق اُس کو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا
کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جہنا کہتے ہیں غالب
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

تیری وفا سے کیا ہو نلائی کہ دہریں دلہ تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوتے
غیر سے دیکھئے کیا خوب نبھائی اُس نے دلہ نہ سہی ہم سے پر اُس بُت میں وفا ہے تو سی
ہائے وہ نیچی نیچی نطنسروں سے نظام دیکھنا میری چشمِ ترکِ طرف
مدت سے التفات کے حال پر نہیں بحر کچھ تو کجی ہے دل میں کہ سیدھی نظر نہیں
یار بس اختلاط کا انجم ہو بخیر حال تھا اس کو ہم سے ربط مگر مقدر کہا
اب وہ اگلا سا التفات نہیں دلہ جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں
کچھ بھی اُن سے کہا نہ حیرت نے حیرت جب یہ دیکھا کہ التفات نہیں
مری جانب کبھی بھولے سے بھی نظر نہیں ٹھٹھیں ناہر
وہ مجھ کو التفاتِ خاص کے متا بل سمجھتے ہیں

اُس نے گو بات نہ مانی میری — سُن تولی مجھ سے کہانی میری
 دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی — کیا مہربانیاں ہیں مرے مہربان کی
 وہ کہتے ہیں سچائی کو ہم تیار بیٹھے ہیں جیل یہ پوچھو کیا ابھی تک آپکے بیمار بیٹھے ہیں
 ہجوم سیکسی کو وجہ لطف بیکراں پایا حسرت کہ ہم نے اُس بُتِ نامہرباں کو مہرباں پایا
 پیہم مجھے پیالے بے بر ملا دیا ولا ساقی نے التفات کا دیر باہا دیا
 نہاں شانِ تغافل میں ہے رمزِ امتیاز اُس کا ولا بہ اندازِ جفا ہے التفاتِ دل نواز اُس کا
 واقف ہیں خوب آپ کی طرزِ جفا سے ہم ولا اظہارِ التفات کی زحمت نہ کیجئے

✓ ہزاروں جان دیتے ہیں بتوں کی بے وفائی پر
 ✓ اگر ان میں سے کوئی بادِ فنا ہوتا تو کیا ہوتا چکیت
 کرم کیا تھا باندازِ تبسمِ برقِ فانی وہ کچھ خیال میں آئے ہی تھے کہ آگے چلے

✓ تبسمِ یار کی دُہائی ہے جگر مراد آبادی نگہِ التفات نے مارا
 شرمندہ ہونہ جائے کہیں رحمتِ خدا جوش اُس بُتِ کافراتِ فراواں نہ پوچھئے
 اب اور اس کے سوا چاہتے ہو کیا ملتا ملا یہ کم ہے اس نے تمہیں مسکرا کے دیکھ لیا
 وہ التفات کی پہلی نطفِ قیامت تھی جعفر سہا زبور کی کہ ہم قرار کی حالت میں بیقرار رہے
 تبسم کی وہ شوخیاں احمذر اثرِ سبائی نگاہِ کرم الاماں الاماں
 ان بتوں کے عشوہ رنگیں کی رنگیں شوخیاں حبیب احمد سبقی التفاتِ خاص ہے مجھ کو سلمان دیکھ کر
 آتشِ جب نہ تھا اُس کی نگاہِ لطف سے ولا وارداتِ قلب کو حسنِ بیاں سمجھا تھا میں
 درسِ جنوںِ پیامِ طرب، مزدِ حیات ولا افسونِ التفات ہے کیا کیا لئے ہوئے
 اس سلسلے میں ہندی کا بھی ایک شعر سن لیجئے، ایسا شعر کسی دوسری زبان میں ملنا آسان نہیں:-

سکھی سکھا دمان بدھنن برحت بال ————— ہوئے کہ موہی سے سدا بہاری لال
ناز و انداز ————— آہستہ سے تیرے دل میں بٹاپے

پُرسش

اے کہ با سلسلہ زلف دراز آمدہ حافظ فرصت باد کہ دیوانہ نواز آمدہ
ساعتے ناز مفرما و بگرداں عادت چوں بہ پرسیدن ارباب نیاز آمدہ
دعاش گفتم و خنداں بہ زیر لب می گفت دل کہ کیتی تو دبا ما چہ گفت گو داری
اگر بہ پرسش عشاق می ہند قدم بہایوں ہزار جان گرامی فدائے ہر قدمش
پس از عمرے اگر حال من بیمار می پسد ————— نمی پرسد ز من آن نیز از اغیار می پرسد
حال ما از غیر می پرسسی و منت می کشم غالب آگئی بارے کہ آگہ نیستی از حال ما
یار می پرسید شبلی را کہ چوں برباد رفت شبلی مشت خاکے در پویش پیش پریشان کردہ ام
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے فقاں یوں بھی گذر گئی مری دوں بھی گذر گئی
دیکھ لیتا ہے وہ پہلے چار سوا اچھی طرح تیر چپکے سے پھر پوچھتا ہے تیر تو اچھی طرح
حال بد گفتنی نہیں میرا دل تم نے پوچھا تو مہربانی کی

دل میں سو بات تھی پر اُس نے جو پوچھا احوال —————
مجھ سے کچھ دردِ دل اظہار ہوا کچھ نہ ہوا
مرزا جعفر علی
حسرت

یوں پوچھتے ہیں غیر سے میرے جنو کا حال ————— دیوانہ بن گیا ہے کہ دیوانہ ہو گیا
کس منہ سے شکر کہیے اس لطفِ خاص کا غالب پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
یوں تو رد ٹھٹھے ہیں، مگر لوگوں سے نظام پوچھتے حال ہیں اکثر میرا
کچھ اس ادا سے یار نے پوچھا مرا مزاج ————— کمنار پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا

پُرسشِ حال اُس نے کی تو مجھے تائب لکھنوی یہی کہتے بنا کہ اچھا ہوں
 آپ اور مجھ پر کرم شانِ خدا اتھر آپ اور پوچھیں غریبوں کا مزاج
 کچھ اس ادا سے مرا اُس نے دعا پوچھا اصغر ڈھلک پڑے مری آنکھوں سے گوہر مقصود
 ہم نہ مرتے تھے تغافل سے جگرِ آباہی پُرسش بے حساب نے مارا
 اس پُرسشِ کرم پہ تو آنسو نکل پڑے زبانِ گوہر کیا تو وہی خلوص سراپا ہے آج بھی

بدگمانی

بہ من چننا گنہ از بدگمانی می کند نسبت غالب کہ من ہم درگماں افتادہ پندارم گنگارم
 بامابہ ہر معاملہ اُد بدگماں نبود شبلی خوش بوداں کہ رازِ محبت عیساں نبود
 یقین کے واقعہ کی سُن خبر وہ بدگماں بولا
 یہ دیوانہ تو کچھ ایسا نہ تھا بیمار کیا کہنے یقین
 فرصت جو پاکے کہنے کبھی درود دل توئے جرات وہ بدگماں کہے ہے کہ ہم کو یقین نہیں
 ✓ تمہارا شکوہ اور میری زباں سے — معاذ اللہ کتنے بدگماں ہو
 ✓ وہ غور بات بات پہ وہ شک بھری نظر
 یارب نہ مجھ سے صاف ہو دل بدگمان کا اثر لکھنوی

بھولا پن

✓ وہ بھولا پن کسی کا آہ بھولا ہے نہ بھولے گا
 وہ رو دینا ہنسنی میں اور ہنس دینا وہ رونے میں آزاد

اُن کے بھولے پن کے صدقے جائیے کہتے ہیں مجھ سے تمہیں کیا کام ہے

ادا ہائے دیگر

ایک روز محبوب الہی لبِ دریا ایک کوٹھے پر بیٹھ کر ہندوؤں کی عبادت اور اشنان کا تماشا دیکھ رہے تھے، امیر خسرو بھی حاضر خدمت تھے، محبوب الہی نے فرمایا - ”دیکھئے

”ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے“

اُس وقت محبوب الہی کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی تھی، امیر نے اُس کی طرف اشارہ کر کے برجستہ کہا :-

”من قبلہ راست کر دم بر سمت کجکلا ہے“

جہانگیر نے اپنی ترک میں لکھا ہے ”میری مجلس میں تو اس یہ شعر گارہے تھے، میں نے شانِ نزول پوچھا، ملا علی احمد نے واقعہ بیان کیا، مصرعہ آخر کے ختم ہوتے ہوتے ملا کی حالت بدلتی شروع ہوئی، یہاں تک کہ غش کھا کر گر گئے، دیکھا تو دم نہ تھا“

خدارا داد من بستن از ولے شمعِ مجلس
کہ مے بادِ یگراں خورداست و باماسرگراں دارد
گلچمرہ بیگم (دختر شہنشاہ بابر)

ہیچ گہ آں شوخِ گلِ رُخسار بے اغیار نیست
راست بود است آنکہ در عالمِ گلے بے خار نیست
مدارِ خوش منہ جلد بزمِ نیند انم“ ظہوری گدست کار ز طفلی چہ امیدانی

بُئیل انگل بگذردگر در چمن میں مرا زیباں
در سخن پنهان شدم مانند بود در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن میں مرا
ہلاک طرز آں بیگانہ خوے آشنا یوم — کہ با ایں یو فائیا و فادار است پنداری

با کم سخنیش می توان ساخت — ایں است بلا کہ کم نگاہ است
دشنام از اعل شنیدم کہ میسید بیدل می خواست بہ سنگم زند آخر بہ گمزد
بدوش صبا می رسد بوسے یارے — چہ مرکب سبک روجہ نازک سوارے

پارہ شوخ و پارہ نمکیں منظر جان بابائے دشنام ناتمام کسے
نازیجا دلطف بے موقع یک چند بہار دلبر ایں کی ادا ہے کیا کیا کچھ
کریں جو بندگی ہو میں گنہگار ابرو بتوں کی کچھ خدائی ہے نرمالی
تم کہ بیٹھے ہوئے اک آفت ہو حاتم اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
آگے نہ میرے غیر سے گو تم نے بات کی دل سرکار کی نظر کو تو پہچانتا ہوں میں

دل کو خوش آئیں یہ دلبر کی ادائیں بھولیاں
غیر کو دشنام دے کتا ہے مسم پر بولیاں مبتلا
ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ ترا عاشق ہوں سودا قہقہہ مار لگا کہنے وہ طناز درست

بات کرنے میں گالیاں دے ہے تیر دیکھو میسے بد زباں کی ادا

دور بہت بھاگو ہو مسم سے سیکھ طریق غزالوں کا

وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا دلہ

کھلا نشہ میں جو پگڑی کا پیچ اُس کے میسر دلہ

سمند ناز کو اک اور تنازیبانہ ہوا

تُم نے نگاہِ لطف سے رکھ لی ادب کی شرم ——— ورنہ لبوں تک آہی چکا تھا گلہ ابھی

ذکر میرا ہی وہ کرتا صریحاً لیکن میر درد میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

باتوں باتوں میں دل لیا بیدار بیدار دیکھی اُس میسر دستان کی ادا

منہ پھیر کر فراق وہ کچھ مُسکرا دئے فراق اب اور سُنتے حال دل بے قرار کیا

میں رو رو جو کہنے لگا درودِ دل جرات وہ منہ پھیر کر مُسکرانے لگا

نہیں معلوم منظور اُس کو کیا ہے انشا بُری چٹون سے کافر دیکھتا ہے

کچھ اُس کی وضع بگڑی کچھ ہے وہ پیاں شکن بگڑا

یہ سچ دمج ہے تو دیکھو گے زمانے کا چلن بگڑا

اے معنی افسوس کہاں تھا تو دلوانے دل اُس کی تئیں ہم نے عجب آن میں دیکھا

طرح دینا اڑا دینا لگا دینا بھجا دینا تیرا کراہی یہ حب ہیں یاد تیر کچھ فریب اور فن نہیں آتا

پوچھے ہے اُس سے جب کوئی قتلِ نظیر کو دل کہتا ہے ہم نے مارا ہے ہار مان نہیں نہیں

جس نے دیکھا اُسے کیا سجدہ پروانہ غرض اُس بُت نے بھی خدائی کی

اندھے صبح عید کی اُس شوخ کو خوشی آتش شانہ ہے اور زلفِ معنبر تمام رات

اُس بلائے جانے آتش دیکھئے کیونکر نبھے دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک غم سے دست

سب سے بری ہے حسنِ ذاتی دل قبائے گل میں گل بڑھا کہاں ہے

سب ہوئے محو اُسے دیکھ جدھر سے نکلا ہمارا چنڈ دل تھے تعجب ہیں کہ یہ چاند کدھر سے نکلا

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ استر یا مومن تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

غیروں کو اشارہ ہے قتل یہ ناحق تسکین یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کا ہے کوہِ جوگا

وہ کیا کریگے مداوائے دردِ دل تسکین دل جواک نگاہِ محبت کی تاب لا نہ سکے

✓ یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن انشعبہ اب میں
 داں ایک خامشی تری سب کے جواب میں
 جو ہیں تیرے تریجھے دکھلاؤں کو اپنا بانگین
 ہم ہیں سیدھے سادھے ہم سے بات کر سیدھی طرح

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے آزرده یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شہر اب میں
 لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا غالب لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا غائب میں
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا دل لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
 خُونے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو دل معشوقی دے وصلگی طفسر بلا ہے
 صند کی ہے اور بات مگر خوبروی نہیں دل بھولے سے اس نے بیکڑوں وعدے دفاتے
 جلد جم جاتا ہے ہر شخص کا نقشہ کیسا ناظمِ دلی رام سادہ دل ہے وہ بت آئینہ سیا کیسا
 ایسی رغبت سے کرتے قتل گماں کا بے کو خفا شیفہ شیفہ اس کو تو تو تم سے محبت نکلی
 کچھ ہو پہ اُن کو جانبِ اغیار دیکھنا سالک اک بار منع کیجئے تو سوار دیکھنا

✓ تکلف کیا ہے مر جانے میں ایسے بے تکلف پر
 نہ رسم پردہ کو سمجھے نہ آئینِ حیا جلنے

یہ بھی نیا ستم ہے خاتو لگائیں غیسر نظام اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو کھلے کے ہاتھ
 نہ بن آیا جب اُن کو کوئی جواب دل تو مٹنے پھیر کر مسکرانے لگے
 گردن پہ وہ رکھ رکھ کے اٹھالیتے ہیں خنجر

تو شہرِ جہان پوری

کچھ کچھ ہے محبت کی جھلک طرزِ جہنا میں
 ✓ میں اس مہم مزاجی کے تصدق انور اُبھتے ہیں وہ زلفِ عنبریں سے

یہ باتیں سچ یہ قسمیں راست لیکن دلؔ یہ کیا کہتی ہے طستاری زباں کی
 خدا جلنے کیا بات اس میں مخفی مخفی کہ نظمِ پرچی کو بجاتا بہت ہے
 جنگ پر جس کی لوگ مرتے ہیں ——— صلح میں اس کے کیا مزہ ہوگا
 مٹنے کا بھلا کون یہ سخت باتیں تشق حضور اپنا طستری سخن دیکھتے ہیں سر
 زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے پیار جتنا رشید مہربانی آپ کی نامہربانی آپ کی
 وہ مجھے دیکھ کے ہنس دیتے ہیں قدر آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی
 ہم سے بندوں پر ظلم کرتے ہیں آشنا ان بتوں کا کوئی خدا بھی ہے
 میں زباں سے تم کو سچا کو لاکھ بار کہہ دوں اتیر ایسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا
 ابھی کس میں ضدیں بھی ہیں نرالی اُن کی دلؔ اس پہ چلے ہیں کہ ہم درِ جگر دیکھینگے
 جو کچھ سو جھتی ہے نئی سو جھتی ہے دلؔ میں روتا ہوں اُن کو ہنسی سو جھتی ہے
 اور اک بات حسینوں کی نرالی سُننے دلؔ دیجئے اُن کو دعائیں بھی تو گالی سُننے
 محفلِ دشمن میں میری پیشوائی کے لئے ——— جھوم کر آنا وہ تیرا لے متوالے مرے
 دیکھ لینا کہ حشر کا میدان داغ میرے حاضر جواب نے مارا
 ادا سے دیکھ لو جاتا ہے گلہ دل کا دلؔ بس اک نگاہ پہ پٹھرا ہے فیصلہ دل کا
 اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں دلؔ کہنا نہیں مانتے کسی کا
 تم کو آشفۃ مزاجوں کی خبر سے کیا کام دلؔ تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

بتانِ مابہوش اُجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
 یہ جس کی جان لیتے ہیں اُسی کے دل میں رہتے ہیں
 داغ کی اس طرح کی غزل دیکھ کر اتیر کے شاگردوں نے اہرا کیا کہ حضرت اس زمین میں غزل

کہی جائے، آئیر نے جواب دیا کہ دغ نے اس زمین کو شادیا،

قیامت ہیں بانگی ادائیں تمہاری دلا دوسرا آؤ لے لوں بلائیں تمہاری

ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے دلا اس ادا کا کیس جواب بھی ہے

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور حالی

عالم میں تجھ سے لاکھ سی تو مگر کس

سب بتایا کئے نیازتیم مووی بھیل وہ کسی کا بھی آشنا نہ ہوا

کے سنے سے ذرا پاس آ کے بیٹھ گئے نظم راہیڑ نگاہ پھیر کے تیوری چڑھا کے بیٹھ گئے

ادھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاؤ کی

اکبر آبادی

ادھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیمان ہوتے جاتے ہیں

ترہی چٹوں سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب

دلا

موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں

زمانہ چلے دل کو کہ حاصل ہو نیاز اُس کا

شاہ ولی

بہت دیر آشنا ہے اے جین شوق نار اُس کا

سید حیدر علی طباطبائی نظم

اس چھیڑ میں کوئی جو نہ مڑا ہو تو مڑ جائے وعدہ ہے کہیں اور ارادہ ہے کہیں اور

کبھی کچھ رات گئے اور کبھی کچھ رات ہے ریاقت مسم نے ان پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا

میں نے چھیڑ اُن کو اس ادا سے کہا دلا کچھ سُنو گے مری زبان سے آج

نہیں چھپتا ترے عتاب کا رنگ دلا کہ بد لے لگا نفتاب کا رنگ

رنگ کو اُس کے پوچھنا کیا ہے جس کا سایہ بھی مے گلا بکا رنگ

رہم تو بس اس ادا پہ مرتے ہیں دلؔ منہ چھپائے جو کوستا جائے
 کیا ٹھکانا ہے بات کا اُن کی دلؔ دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے
 تم وعدہ وفائی پر آمادہ سہی لیکن صفیؔ انداز خود آرائی سنگ رہ پیاں ہے
 زباں کاٹ کر حکم آہ و فغاں ہے حسنؔ نئے ممتحن ہیں نیا امتحان ہے
 چھیڑ دینا تھا کہ پھر مارتی دشناموں کی حینؔ جو پوری ایک صیغہ تھا کہ فہر اُسے گردان گئے
 یہی شوخی ہے تو ٹھہر گئی نہ چسکے نقاب جلیںؔ ایک دور روز کا پردہ ہے یہ پردہ کیا ہے
 انہیں کیا پڑی ہے جو تلوار دھوئیں آرزو لکھنویؔ لہو لال تھا اور دھبہ ہے کالا
 جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں دلؔ صدقے اس منہ چھپا کے جانے کے
 یوں پھر رہے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہیں دلؔ آلودہ میسر خون سے داماں کئے ہوئے
 گزرتے بچ کے ہیں جوگی سے ہے خیال انہیں
 گدائے حسن ہے شاید سوال کر بیٹھے

جوگی

داستان اُن کی اداؤں کی ہے رنگیں لیکن امؔغرؔ اس میں کچھ خونِ تمنا بھی ہے شامل میرا
 ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی حؔرتؔ دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
 وہ شرمائی صورت وہ نیچی نگاہیں دلؔ وہ بھولے سے اُن کا ادھر دیکھ لینا
 سُرخِ چشمِ یار سے ہے عیاں دلؔ اثرِ مستیؔ شبانہؔ مسنوز
 ملتے ہیں اس ادا سے کہ گویا خا نہیں دلؔ کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں
 دیکھ اے ستم جاناں نقیشِ محبت ہیں دلؔ بنتے ہیں بہ دشواری ملتے ہیں باسانی
 کچھ خوش ہوئے عدو کی جو دیکھی مسرتیں وحؔشتؔ افسوس کچھ کیا مرے حال تباہ پر
 یہ تجاہلِ عارفانہ بھی ہے کتنا دلفریب اثرؔ لکھنویؔ وجہ گریہ پوچھتے ہیں عاشقِ دلگیر سے

وہ پیاری پیاری میں آج گایاں سیما سیما۔ خدا گواہ ہے دل سے دعا نکلتی ہے
میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبض کا تپا فانی جب مزاج یار کچھ برہم فطرت آیا مجھے
چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا جگر مراد آبادی اس ادا نے حجاب نے مارا

جگر وہ بھی تو ستر پامحبت ہی محبت ہیں ولا مگر اُن کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی
چتو نوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا یا اس چال پر تو ظالم کی سادگی برستی ہے
دوستی کیا بنا ہیٹینگے جن سے سہیل دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا

رخِ جاناں پہ دیکھی کشمکش شرم و تبسم کی
قیامت تھا نگاہِ آرزو کا گدگدا دینا
جھکتے ہی اُس نظر کے یہاں چپ سی لگ گئی
تھے سب رکتے بس اک نگہِ شر مساز تک

اُنہیں آرائشِ گیسو سے مطلب عیبِ شادنی کوئی دیوانہ ہو جائے بلا سے
ساری دنیا سے بے نیازی ہے اثرِ مہبائی واہ اے مستِ ناز کیا کہنا

ابھی تک نگاہوں میں چھائی ہوئی ہے احسانِ دلِ دہستی میں ڈوبی ہوئی نیمِ خوابی
الطافِ بر ملا کی نوکیلات ہے مگر روشِ صدیقی رعنائیِ نواز ششِ نہاں کچھ اور ہے
تذکرہ تھا اگر دُششِ ایام کا آتشِ کاپنوری آپ کیوں تیور بدل کر رہ گئے

عاشق کی ادائیں

بیخودی

شہر بے خودی نے عطا کیا مجھے اک لباسِ برہنگی
 نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی
 ان دنوں کچھ عجب ہے حال مرا میر درد دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کُچھ ہے
 وہ گیا اٹھ کر جدھر کو میں اُدھر حیران سا
 اُس کے جانے پر بھی کتنی دیر تک دیکھا کیا

سراج

جرات

بے خودی بے سبب نہیں غالب غالب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
 تے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو دل اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے
 آج کل آپے سے باہر ہے نظام نظام کہیں محفل میں نہ بلو ایسے گا
 تو بھی آئے تو نہ اب آنکھ اٹھا کر دیکھے امیر اد رہی رنگ ہے اب تیرے تماشائی کا
 یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا حالی ہم محوِ نالہِ جبرس کارواں رہے
 ہنس رہا ہے دیر سے یہ کون تجھ کو دیکھ کر عزیز سر اٹھائے دل سے باتیں کرنے والے لڑکھا

دُور بے خودی میں رکھ دیا سران کے قدموں پر
 وہ کہتے رہ گئے واصف یہ محفل ہے یہ محفل ہے

داصف

اکراہیں قید میں بھی حسرت حسرت ہم دل شدگانِ خود فراموش

بخودی میں ہم تو تیرا در سمجھ کر جھک گئے طاب اب خدا معلوم کعبہ تھا کہ وہ تجھ نہ تھا
وہ قصہ جو اب تک ہے اک راز پنہاں حافظہ سہا پڑی کہیں بخودی میں بیاں ہو نہ جائے
مجھ کو احساسِ رنگ و بو نہ ہوا جیسے صدیقیوں بھی اکثر ہمارائی ہے

بے ہوشی

تم بے ہوش کا یہ عالم ہے تشق ہوش دو دوسپر نہیں آتا
ہوش کی مستیاں ارے تو بہ جگر مراد آبادی ہوش کو ہوشیار کون کرے
وہ آئیں سامنے میں نظر بھر کے دیکھ لوں کمال اتنا تو ہوش لے دل دیوانہ چاہیے

بے قراری و بے تابی

شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ

لے کہ می نالی ز دوراں جو ریا ریا من رنگ
اضطراب از من نگر صبر و مسترار من نگر
چہ می پرسی ربود از دل متاعِ صبر و تسکین را
پریشاں کا کلے رنگیں ادائے محفل آرائے

نہیں ہے تاب مجھے سامنے تے جاناں سراج کہاں سراج کہاں آفتابِ عالم تاب
قولِ ابرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اُس لگی ابرو ہو کر کے بیعتِ رار دیکھو آج پھر گیا
آج دل بیعتِ رار ہے میرا عزت کس کے پسو میں یار ہے میرا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار تیر یادِ آیام جب تھمتل تھا

چشم رہتی ہے اب پُر آب بہت دل کو میسر ہے اضطراب بہت
بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں دل حالت اک اضطراب کی سی ہے

نہ اُس کا وصل ہے ممکن نہ تاب ہے مجھ کو ✓ شکوہ

عجب طرح کا الہی عذاب ہے مجھ کو
کل کی رسوائی تجھے کیا بس نہ تھی لے ننگِ خلق ✓
اُس کے کوچہ میں ضیاء تو آج پھر جانے لگا ضیاء

ہائے پچھپی بہت ساری دل کی ہائے پچھپی
لمٹے لمٹے بے اختیار دل کی ہائے

دن میں سو سو بار اُس کے روبرو جانا مجھے
اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے ممنون

اک لمحہ نہیں مترا جی کو مومن موت آئے بس ایسی زندگی کو
پھر مجھے لے چلا وہیں دیکھو ذوق دل خانہ حشر اب کی باتیں
پھر کچھ اب دل کو بہت ساری غالب سینہ جو ہائے جہنم کا رہی ہے
برق نے اک طرزِ بیتابی مرا سیکھا تو کیا

سیکڑوں باتیں ہیں ایسی خاطرِ ناشادیں

شیفۃ ضبط کرو ایسی بھی کیا بیتابی شیفۃ جو کوئی ہو تمہیں احوال سنانا دل کا

ہائے وہ شیفۃ کی بیتابی دل تمام لینا وہ تیری محل کو

نہ پوچھو شیفۃ کا حال صاب دل یہ حالت ہے کہ اپنے میں نہیں ہے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ غل ہے آہ و زاری کا

مخرج

وہ اب پہلا سا ہنگامہ نہیں ہے بقدرِ اری کا

طلب کیسی بلانا کیا وہاں خود جا پہنچتے ہیں
 اگر عالم یہی چسک رہا ہے اختیاری کا
 دلِ بیتاب ایسا دھڑکے ہے دلہ جیسے بیلِ قفس میں پھڑکے ہے

وہ مزہ دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
 میرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بقیہ رہتا
 ائیر

اک خوشی ہو گئی ہے تحمل کی ورنہ اب عالی پہلا سا حوصلہ نہیں صبر و استرار کا
 اگر قابو نہ بھتا دل پر بڑا تھا اسی وہاں جانا سسر محفل ہمارا
 لاکھ گلے لگائیں وہ رنگ نہیں مسترار کا دلہ موجبے گل ہوں میں اُن کے گلے کے ہار کا
 خوشی سے میصبت اور بھی سنگین ہوتی ہے شاد تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے
 بڑھی اس دل کی بیتابی یہاں تک ریاض ہمیں سہم ہیں زمیں سے آسمان تک
 کون ایسا ہے بھلا اُس کا جگر دیکھیں تو دلہ یار ہو سامنے دیکھئے نہ اُدھر دیکھیں تو
 میخانہ ازل میں جہانِ حشر اب میں اصغر ٹھہرا گیا نہ ایک جگہ اضطراب میں
 حال کھل جائے گا بیتابی دل کا حسرت حرّت بار بار آپ اُنھیں شوق سے دیکھانہ کریں
 تھی کبھی اُن کی یاد دہر سکون دلہ اب کسی حال میں مسترار نہیں
 یا تو کہتے نہ تھے فسانہ دل جلال الدین کبر یا مگر بار بار کہتے ہیں

مستی و جنون

باچنیں زورِ جنوں پاسِ گرمیاں داشتتم
 در جنوں از خود نہ رفیقِ کارِ ہر دیوانہ نیست
 اقبال

بہارِ آخر ہوئی ہے اب تو سینے مے گریباں کو
 یقیں کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن بس کر
 رخصت لے زنداں جنوں زنجیر کھڑکائے ہے
 مژدہ خارِ دشت پھسر تلوا مرا کجھ لائے ہے

نہ ہوا کم کسی تدبیر سے چکر میرا تسیم جب اُکے پائے جنوں پھرنے لگا سر میرا
 موت و حیات کا گذر عالمِ کیف میں کہاں
 مستِ حُما رہ بادۂ نرگسِ نیم باز ہوں
 اِن دنوں جوش جنوں ہے تم سے دیوانے کو — طوقِ وزنجیر لٹے جاتے ہیں پہنانے کو
 یہ جوش جنوں رنگ لانے لگا بخود دہلوی گریباں تک اب ہاتھ جانے لگا

وحشت و دیوانگی

اُسی سچ دھج سے مجنوں پھر سوئے ویرانہ آتا ہے
 مبارک نجد یو کھویا ہوا دیوانہ آتا ہے
 ہے عجب رنگ کی وحشت تیرے دیوانے میں ناسخ جی نہ آبادی میں لگتا ہے نہ ویرانے میں
 التفاتِ جوشِ وحشت پھر کہاں تسیم ہو سکے جب تک بیاباں دیکھ لیں
 خدا جانے کہاں ہے اصغرِ دیوانہ برسوں اصغر کہ اُس کو ڈھونڈتے ہیں کعبہ و تخانہ برسوں
 جے لینا ہوا کہ اُس سے اب رسِ جنوں لے لے سنا ہے ہوش میں اصغرِ دیوانہ برسوں سے
 سوئے صحرانکل چلے وحشی جگرِ ادا آباد انتظار بہار کون کرے

خاموشی

خاموشیِ ماگشت بد آموزبتاں را ——— زیں پیشِ دگر نہ اثر ہے بودفتاں را

اب تک کسی پہ میری حقیقت نہ کھل سکی امیر حرفِ نگفتہ ہوں سخنِ ناشنیدہ ہوں

خاموشی عرضِ حال ہے شاید ناز میری صورتِ سوال ہے شاید

نہ جانے کتنی معنی خیز ہیں خاموشیاں میری ——— سنی دنیائے سو سو رنگ کے اک داستانِ میری

اسے صیاد نے کچھ، گل نے کچھ، بیل نے کچھ سمجھا

چمن میں کتنی معنی خیز ہے اک خاموشی میری

کچھ نہ کہنا بھی کسی کے سامنے فتحِ نادری اک طرح کا انکشافِ راز ہے

خواہاں ہیں چپ کی داد کے ہسم درو مندرِ عشق

آرزو لکھنوی

یہ تم نہ جاننا کہ شکایت نہیں رہی

میں چپ بیٹھا ہوا ہوں اور یہ معلوم ہوتا ہے

آسی الدنی

کہ جیسے کہ رہا ہے اک زمانہ داستانِ میری

سادگی و سادہ دلی

مرا بہ سادہ دلہیائے من توں بخشید نظیری خطا نمودہ ام و چشمِ آفریں دارم

مرا بر سادہ لوحیہائے حزنی خندہ می آید حزنی کہ دار و چشمِ لطف از دلبر نامہ سربانِ من

مرا بر سادہ لوحیہائے فطرت خندہ می آید فطرت کہ عاشق گشتہ و چشم و غازیار ہسم دارم

سادگی دیکھ کہ بوسے کی ہوں لکھتا ہوں تسخنی جن لبوں سے کہ میر نہیں و شام مجھے

جان نہ کھا وصل عُدِ سچ ہے سہی پر کیا کروں مومن جب گلہ کرتا ہوں ہدم وہ قسم کھا جائے ہے
 ٹپکتا ہے اشعار حالی سے درد حالی کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا
 وصل کا اس کے دل زار تمنائی ہے دلہ کہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
 بے محابا سوال وصل نصیح نصیح تجھ کو تو بات کر نہیں آتی
 مان لیتا ہوں تیرے وعدے کو جلیل بھول جاتا ہوں میں کہ تو ہے وہی
 بے تکلف اُسے حسد اکسنا اکبر حیدری ہائے اس سادگی کا کیا کمنا
 اُن کے تو دل سے نقشِ کدورت بھی مٹ گیا
 ہم شاد ہیں کہ دل میں کدورت نہیں ہی فانی
 وہاں جہاں جہاں رہ گئی ہے مدتِ جوش یہاں جہاں رہا دن کا گمان باقی ہے

نزاکتِ مزاج و طبعیت

نہ از خوئے رقیباں نے ز جور یا میر ستم — مزاجِ نازکے دارم زِ خود بسیار می ستم
 کے تو انم دید ز اہد جام صہبا بشکند سرخوش می پر در نگم حسابے گہ بدر یا بشکند
 سرخوش لکھتے ہیں کہ شر و سخن کی ایک مجلس میں اس شعر کی بڑی تعریف ہوئی اور ایک استاد
 نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "سبحان اللہ در ہند مرے پیدا شود کہ چنین شعر میگوید"

مارا ہوائے گلشن و باغے نہ ماندہ است سید محمد جان آغا اے مجھے گل برد کہ دماغے نہ ماندہ است
 لگتی ہے اب تو قفلِ مینا سے دل کو ٹھیس تکلم وہ دن گئے تکلم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
 مانع صحرا نور دی پانوں کی ایزد انہیں ناسخ دل دکھا دیتا ہے لیکن ٹوٹ جانا خار کا
 دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر ابیر لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

وہ ہم نازک دلوں کو آنکھ دکھلائے تو کیا گزرے
 وکان شیشہ گرین مست آجائے تو کیا گزرے

دلہ

غرور و استغنا

ہم کو وزیر سے نہ کسی شاہ سے غرض امیر اس کے فقیر ہیں اللہ سے غرض
 مطلب خزاں سے کچھ نہ غرض ہے بہار دلہ دونوں سے مثل سرویں دہن کشید ہوں
 مانا غرور عشق بھی اک چیسے مگر جگر اتنے بھی دور دور ترے آستان سے کیا

رتبہ عاشق

یہ رتبہ بلند بلا جس کو مل گیا قائم ہر مدعی کے واسطے دار و رس نہیں

ساتم جو چاہو سو کو میسر کو چاہیں ہیں تمہیں
 اور ہم لوگ تو سب اُن کا ادب کرتے ہیں
 خاک ہوں پر تو تیا ہوں چشمِ محسوسہ ماہ کا
 آنکھ والا رتبہ سمجھے مجھ غبارِ راہ کا

میسر

راسخ

شاد عظیم آبادی "نوائے وطن" میں لکھتے ہیں :-

"جب شیخ راسخ اُن سے ملنے گئے تو میر صاحب نے کہلا بھیجا، میاں کیوں شتانے
 آئے ہو، جب شیخ صاحب نے ٹھیکری پر یہ شعر (شعر مندرجہ بالا) لکھ کر بھیجا تو
 فوراً گھر سے نکل آئے، گلے لگایا، اور کہا، مزاج مبارک! کہاں سے آئے ہو
 کیوں مجھ غریب کو سرفراز کیا؟"

رُتبہ شہیدِ عشق کا گر جان جائے آئیر قربان جانے والے کے قربان جائے
یہ فقط آپ کی عنایت ہے ——— ورنہ میں کیا مری حقیقت کیا

انداز

قتل گہ میں اپنے اپنے کام میں تھے حسنِ عشق ✓
اُس کی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں سوئے ست
اسدِ سبل ہے کس انداز کا قاتل سے کتنا ہے ✓ غائب
تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میں سری گردن پر
ہاں دیکھے کوئی دیکھنے والے کی گاہیں ——— تجھ کو نگہ پیار سے جب دیکھ رہا ہو

ہوشیاری

گر کُنڈیلِ بخوباں دلِ منِ خوردہ گیر سعدی کیس گناہیست کہ در شہرِ شامیز کُنند
باز آئیں منہ در راہِ اُلفتِ کامِ بوشِ ضیاعِ شیریں ہاں مگر نشیدہ باشی قصہٴ فسرِ بادِ را
نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند حافظ نہ ہر کہ آئینہ ساز و سکندری داند
پنہاں ز حاسداں بخورم مے کہ منعمان و خیر نہاں ز بہرِ رضائے خدا کُنند
کہیں کہیں اس شعر کو یوں بھی دیکھا ہے : —

پنہاں ز حاسداں بد ہی مے کہ منعمان خیر نہاں بسے ز برائے خدا کُنند
دونوں کے مفہوم میں کافی فرق ہے ،

بہ ہر جامی رومِ اوّل حدیثِ نیکو اُس پرسم شرفِ جاں کہ حرفے آں مہِ نامہاں را در میاں پرسم

ترسم گر از محبت خویش خبر کُنیم بخیش سرگرائی او بیشتر کُنیم

خوشتر آن باشد که سرِ دبران ——— گفتہ آید در حدیث دیگران

خوش آنکہ پیش تو پرسند حالِ عسری و عونی شکایت بہ کنایتِ نر و زکار کنند

خدا چیں آفریدست از برائے طرہ و کامل نہ بہر آنکہ روز و شب کے راد چیں باشد

جہامی بینم و تابد نگہید هیچ کس اُورا ——— بہر کس میسرسم عذر جہانے یار میگویم

در بزمِ ازاں بہ پسلوئے خود جادہ مرا ——— تار است سوئے او نتوانم نگاہ کرد

دل نیست کبوتر کہ چو بر خاست نشیند ——— از گوشہٗ بامے کہ پریدیم پریدیم

خونِ مرا میریز کہ ترسم خجل شوی اسدِ بیک آند چوں ساقی کہ ریختہ باشد شراب را

خونِ مرا بریز و شرابِ مرا میریز یک قطرہ زین شراب بصد خونِ برابر است

دوست می دارم من اور اگر چہ با من دشمن است

و

دشمن است اما نہ بر آئین دشمن دشمن است

شمتِ نمک و عوی عشق است و گرنہ ——— آن گونه توان زبیت کہ جانانہ نداند

اگر زبندگی چوں منے ترا عاقل است ——— تو زندہ باد حسدِ یارِ بندہ بسیار است

می نویسم بر در و دیوارِ کویں حالِ خویش ——— باشد آن رایا را خواند یا کہسے گوید بہ یاد

چارہٗ من جلد و انایان می دانند لیک ——— کس نمی گوید کہ من دانم نمی دانم چرا

ماجرائے بلب و گلِ شاہدِ احوال است اندامِ مخلص از تو مخلص نال و از یار نشیندن بس است

من از رنگین ادائہلے اشعارش گمان دارم منظر جانِ جان کہ مظهرِ میل بارِ عنا جوئے میسر زادار د

منظر تو دشمنِ خودی اے خانانِ حسد دل می دہد بدستِ سپاہی پسر کے

مشکل شد است کار دل از عشق و خوش دلم شاید رسد بہ خاطرِ مشکل پسند و

ایں مصرعہ لطیف چہ خوش گفت عاقلے حسینہ دیوانہ باش تا عسم تو دیگر اس خورند
 دوست دارم گر ہرے را کہ بہ کارم زردہ آ غالب کایں همانست کہ پیوستہ در ابروئے تو بود
 خواندہ بآئید اثر اشعار غالب ہر سحر دلہ از نکتہ چینی در گذر فرہنگ اور اکش نگر
 می ربا یم بوسہ و عرض نہ است میسکیم دلہ اختراعے چند در آداب صحبت میسکیم
 حدیث دل بہ زبان نگاہ می گویم گرامی زبان ما عجمی نگاہا عسری است
 تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم و نہ اتصال عشق کار است کہ بے آہ و فغان نیز نکند
 یہ فن کسے نہیں آتا کہ دل میں راہ کرے فغان فغان میں اُس کے تصدق کہ جو نباہ کسے
 کس مُنہ سے میرے یار کے ہوتا ہے روبرو میر حسن چہرے کے داغ اپنے توالے ماہیتا دیکھ
 بہارِ عسر قائم ہے کوئی دن قائم اُسے جیوں گل پیلے کاٹ نہیں کہ
 مر جائے کسی سے پہ اُلفت نہ کیجئے سودا جی دیجئے تو دید کیجئے پر دل نہ دیجئے
 یہی جانا کہ کچھ نہ جانا مانے میر سو بھی اک عسر میں ہوا معلوم

چلانہ اٹھ کے وہیں پھر تو مچکے مچکے میسر

دلہ

ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں

پیار کرنے کا جو خواہاں ہم پر رکھتے ہیں گناہ

دلہ

اُن سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے

ہندیس جتنے پریر وہیں میں اُن کا یار ہوں تباہاں ہوں تو دیوانہ پر اپنے کام میں شہار ہوں

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا

شوخ و سپید مائی کی صورت ہوئی تو کیا

تو جو بیداریوں پھرے ہے خراب بیدار پاس ناموس و نام کچھ بھی نہیں

قتل سے یہ بے گنہ راضی ہے اپنے اس لئے سوز
تو نہ تھا جیفت یقیں ورنہ دونا ہوتا یقین
شکوہ جئے یار سے کرنا و منا نہیں ولہ
خیال کیجئے کیا کام آج میں نے کیا انشا
گریارئے پلائے تو پھر کیوں نہ پیچھے ولہ
غصے میں تیرے ہم نے بڑا لطف اٹھایا ولہ
عجیب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے ولہ
کچھ آرزو نہ تھی بُت و بُتخانہ دیکھنا متعنی
نخوت سے کوئی جو پیش آیا ولہ
کرتے نہیں جو داد تو بیداد کیجئے ولہ
مشتوقوں سے تیسرے وفا کئے ہو ناسخ ناسخ
نہ اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں رہئے میر شیر علی برآں بہار آئی ہے کیوں کر خانہ زنجیر میں رہئے

ہمارا جہ چند و لال شاداں

چھپ کے اُن کو دیکھنا چاہیں تو دیکھیں کس طرح
ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا مومن
محبت میں کسی کی کیا شکایت تسکین
تیغ تو اوجھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپسے ذوق
جو پاس مہر محبت یہاں کہیں کتنا ولہ
میں نے اسے ہاتھ اٹھاؤں وہ جاسے باز آئیں برق
دیکھتے کوئی نہ دیکھے ہم کو ڈریہ بھی تو ہے
جاد و کھبرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں مومن
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے کیکھ جائے
تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کے لئے ولہ
عشق کی یہ خونیں و جن کی فطرت میں ہے برق

کو چہر عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے صبا
جی چاہتا ہے صانع قدرت پہ ہوں نثار امانت
وہ بادِ شبانہ کی سرستیاں کہاں غالب
ہر بوالموس نے حسن پرستی شکار کی
سر پائے خم پہ چاہتے ہنگام بخودی دلہ
سیکھے ہیں مر رُخوں کے لئے ہم مصوری
ہم سے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہے عمر شیفۃ
اظہار عشق اُس سے نہ کرنا تھا شیفۃ دلہ
ابھی اے شیفۃ واقف نہیں تم دلہ
بچتے ہیں اس قدر جو ادھر کی ہوا سے ہم دلہ
اس نو بہارِ حسن کو بدنام مت کرو دلہ
تو بھی اُس شوخ سے واقف بننا کچھ تو نظام

نظام

مجھ سے دل ملگے تو انکار کروں یا نہ کروں

رُوٹھ کر اُن سے ہو بیٹھے کس توقع پر نظام

دلہ

ہوش میں آؤ وہ آئینے منانے کے لئے

بیگانگی کا پان بھی لینا نہیں قبول میر
مارا تو ہاتھ اپنے دشمن کے ہاتھ پر دلہ
بتوں پر دل و جان مسدا کر رہے ہیں سرسید
نکلے اب کوئی تو راہ پرورش امیر
دستِ ادا سے زہر بھی کھانا قبول ہے
کیسی لگی ہے چوٹ مے دل سے پوچھئے
بنارس میں یادِ حُسنِ اکبر رہے ہیں
بندہ پرور اک نگاہ پرورش

وہ مجھے دیکھ کے ہنس دیتے ہیں قدر آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی
 گر میرے بُت ہو شر با کو نہیں دیکھا داغ اس دیکھنے والے نے حُسد کو نہیں دیکھا
 حضرت دل آپ ہیں جس دُعیان میں دل مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں

بُت کو بُت اور خدا کو جو حُسد اکتے ہیں

دل

ہم بھی دیکھیں کہ تجھے دیکھ کے کیا کہتے ہیں

کہتے تو کموں انجمنِ غیسر کی رودا ظہیر کیا اب بھی اسے آپ کر امت نہ کہینگے
 کیوں چھڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رکتِ حالی پوچھینگے ہم سبب تو بتایا نہ جائیگا
 بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ ہم وہ نہیں کہ ہسم کو منایا نہ جائیگا
 اب بھاگتے ہیں سایہِ عشق تباں ہسم دل کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسمان سے ہم
 نہ آئینہ کا قصہ ہے نہ حالِ شانہ کہتے ہیں شاہِ عظیم آباد حقیقت میں جمالِ یار کا افسانہ کہتے ہیں
 بھول جائینگے خدائی کا مزہ میرے بعد ریاض یاد آئیگا بُتوں کو بھی خدا میرے بعد
 پارسائی کا یقین غیسر کو دلو اتنے ہیں دل اور جو بے ساختہ آجائے تبسم مجھ کو

کہیں کہیں دوسرا مصرعوں بھی دیکھا ہے :-

کہیں بھولے سے نہ آجائے تبسم مجھ کو

کام لیتے وہ کرم سے تو ستم ہو جاتا دل خیر گذری کہ پڑا کام ستم سے پہلے
 وہ کیا سمجھ سکیں گے نشیب و سرازیرِ ثاقب لکھنوی جو چل ہے ہیں راہ کو ہموار دیکھ کر

حیمنوں سے فقط صاحبِ سلامت دور کی اچھی

حفظِ جو پوری

نہ اُن کی دشمنی اچھی نہ اُن کی دوستی اچھی

آئینہ میں کیا چیز ابھی دیکھ ہے تھے جلس پھر کہتے ہو اللہ کی قدرت نہیں دیکھی

دھنا ترکِ تعلق میں بھی رسوائی ہے آرزو کھنڈی اُبھے دامن کو چھپاتے انہیں جھکا دے کر

چاہ نے اندھا کر رکھا ہے اور نہیں تو دیکھتے ہیں
آنکھیں آنکھیں سب ہیں برابر کوئی زالی آنکھیں ہیں

ہنس ہنس کے جو ہر بات کو افسانہ بنا دے دلا وہ تو جسے چاہے اُسے دیوانہ بنا دے

جسین شوق کی شوریدگی کو کیا کہئے افسرہ و گرنہ عشوہ طسار فی نقش پامسوم

یکایک توڑ ڈالا ساغر نے ہاتھ میں لے کر دلا مگر ہم بھی مزاجِ نرگسِ رعنا سمجھتے ہیں

خدا تو فیت دیتا ہے جنہیں وہ یہ سمجھتے ہیں افسرہ کہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے بنا کرتی ہیں تقدیر

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا رحمت رحمتیں اور بھی ہیں وصل کی رحمت کے سوا

اس سلیقہ سے کیا ذبح کہ دامن اُن کا دلا خون عشاق سے گلزار نہ ہونے پایا

ہر چند اس میں آپ ہی بدنام کیوں نہ ہوں

باز آئینگے نہ وہ میسرا چرچا کئے بغیر

لازم ہے دل کے پاس ہے پاسِ باطنِ عقل اتنا لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

سُن بھی لیتا ہے حالِ دل وہ شوخ جو ہر آتے ہوں ڈھب مگر سنانے کے

اُن کو سمجھاتا ہے جو آتے ہیں سمجھانے کو اثر کھنڈی کون دیوانہ کہے گا ترے دیوانے کو

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا دلا محبت میں تھے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

اک بات بھلا پوچھیں کس طرح مٹاؤ گے دلا جیسے کوئی روٹھا ہے اور تم کو مٹانا ہے

بتوں کا ذکر کرتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں رواں فرشتے بھی نہیں کرتے جو آدم زاد کرتے ہیں

تجھے آزاد یوں درویشِ کامل کون مانے گا

آزاد انصاری جہاں سے ہو جریبِ حُبہ و دستار پیدا کر

کافر کہا جو شیخ نے یاد آگئی نماز طالبِ سجدہ کے ہزار تھے در کے سامنے
اُونچے اُونچے مکاں بھی دیکھ لئے اجمد گوشہ عافیت کہیں نہ ملا
سمجھ کر ذرا تیسرے گامِ محبت مجذوب مقامِ ادب کے مقامِ محبت
غلط اندازِ نظر میں ہیں سُوے دوست مسودِ نظر بازوں کی ہُشیاری تو دیکھو
کچھ اور مانگنا مے مذہب میں کفر ہے سراجِ کھنوی لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں

کسی کا کون ہوا غم بھر مگر پھر بھی
یُحسن و عشق تو دھوکا ہے سب مگر پھر بھی
بہت لطیف ہیں کیفیتیں محبت کی احسانِ عظمیٰ وہ بالہوس ہے جو کرتا ہے حبیبِ جان چاک

ناداں سہی پر اتنے بھی ناداں نہیں ہیں ہم
خود ہم نے جانِ جان کے کتنے فیض کھائے

لذت ہے بہت حُسن کی بیدا میں لیکن جگر ہار پور یہ شیوہ فریاد ہے معلوم نہیں کیوں
کرمِ شریکِ تم کیوں ہوا سنبھل لے دل دلہ کہ تیسے گام کو لغزش تو امتحاں میں نہیں

عیش و نشاطِ دہر سے جھمنہ ہوں بھر منہ
لیکن خیالِ پریشِ عہتے لے ہوئے

لطفِ دوامِ دوست میں بھی وہ مزہ کہاں دلہ روحِ نشاطِ ہر سہمی مختصر میں ہے
بہزاد ذرا سوچو اور عقل کے ناخن لو بہزاد اُس نقش پہ متے ہو جو نقش کہ فانی ہے
بہت مشکل ہے دنیا کا سنوڑنا جتنی تری زلفوں کا پیچ و خم نہیں ہے

عینِ راحت ہے ستم بھی جو کرم ہو شامل
لطف کے ساتھ ہو بیداد تو بیداد نہیں

محبت کو سب کچھ سمجھ لینے والے انجم فوتی محبت اُدنی بھی اک زندگی ہے ✓

ہمت و عالی حوصلگی

ہیچ کس بے امن تر نیست اما دیگران سعدی بازی پوشند و مادر آفتاب افکنده ایم
 محبت گر چہ نام بے نشان است — نیانے عرض کن بر نازینے
 زاہد برو کہ طالع اگر طالع من است حافظ جام بدست باشد و زلف نگاریم
 دو عالم را یک بار از دل تنگ — بروں کر دیم تا جائے تو باشد
 خدایا از عزیزاں منت بشون کہ بر تابد — جدا از خانماں دور از دیارم می تو کشتن
 کے بہ ہر نامحسوسے چاک جگر خواہم نمود کلیم من کہ زخمش را نہاں از چشم سوزن اشم
 اے بت ارتیر زنی جبرگرم ہر بار — از جگر بر کشم و باز بدست تو دھرم
 کہاں ہے آج یارب جلوۂ متانہ ساقی ولی کہ دل سے تاب جی سے مبر سر سے ہوش
 بمالے پاس ہے کیا جو خدا کیس تجھ پر میر درد مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں
 تھی آستانہ تیغ سے اُس کی کمر ہنو — ہم ترے ہاتھ پر لے پھرتے ہیں ہسٹو

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم

جان جاوے یا ہے قاسم پہ دیکھیں گے اُسے

ہے ارادہ یہ مہم دیکھئے کیسی بنے

جان سمندر و دل پر واندے مجھے آتش اے سوز عشق ہمت مردانہ دے مجھے

پھینک دوں دل کو ابھی چیر کے پہلو اپنا رند تجھ پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا

پہلا مصرعہ کہیں کہیں یوں بھی دیکھا ہے :- پھینک دوں لگا میں اسے چیر کے پہلو اپنا

کے ہے خنجرِ قاتل سے یوں گلو میرا ذوق کی جو مجھ سے کرے تو پئے لومیرا

زخمِ دل کے دیکھنے کو دل تو وہ پیدا کریں

ہم تو ان کے سامنے رکھ دیں کلیجہ چیر کے

بلائیں زُلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے تفر بلایہ کون لیتا اپنے سر لیتے تو ہم لیتے

سوچتے کیا ہو مرے قتل کو 'میاں بسم اللہ

کھینچ کر تنیج لگا بیٹھے ' ہاں بسم اللہ

تیر پر تیر لگاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے — سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

پڑا فک کو ابھی دل جلوں سے کام نہیں داغ نہ اس میں آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیبت میری دلہ غیر کی ہو کے یہ ہے یا شنبِ فرقت میری

آرام طلب ہوں کرم یار کے طالب دلہ یوں مفت میں لٹتی نہیں بیدار کسی کی

جو رہِ عشق میں قدم رکھے دلہ وہ نیشب و سراز کیا جانے

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں لاؤ کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

طریقِ ظلم اور ایجاد کیجے ثروت مجھے اچھی طرح برباد کیجے

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے

اقصر

اگر آسانیاں ہوں نہ ندگی دشوار ہو جائے

لڑے یا نہ اپنا مقدر لڑے بے نظیر شاہ لڑا دیں گے ظالم مگر جان ہم

گر بیہ رنگیں کو وجہِ زیبِ داماں کیجئے حسرت آہِ سوزاں کو چسپراغِ خائے جاں کیجئے

دعویٰ عاشقی ہے تو حسرت کرو نباہ دلہ یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

کشتی کو اہلِ عزم نے طوفاں میں ڈال کے شمسِ عظیم آباد موجوں کے درمیان میں ساحلِ بنا دیا

رنجِ سفر کو راجتِ مندر بنا دیا بیدِ غمِ بے یوں ہم نے موج کو لبِ ساحل بنا دیا

پاسِ یار

اندکے باتو بگفتم غمِ دل ترسیدم — کہ دل آزرده شوی ورنہ سخنِ بسیار است

جو گذری ہم پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا

بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

کہیں نہ ہو کوئی ظالم تر اگر گیاں گیر

سودا

مے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

پہلے سو بار ادھر ادھر دیکھا میرا اثر جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا

کئے ہیں شکر کے سجے جھٹے یار پر کیا کیا

آتش

رہا ہے دل مرا راضی رضا یار پر کیا کیا

ہم نکالینگے سُن اے موجِ ہوا بل تیرا مونس اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشان ہو گئے

شکایتِ دوست کر سکتے ہیں تیری کر نہیں سکتے

✓ داغ

کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے ایسا ہو نہیں سکتا

قضا کا نام لیں تقدیر کو روئیں مجھے کو سبیں

دلہ

مے قاتل کا چہرہ چاکیوں ہے میرے سو گوار نہیں

جامِ احسرام یا زُنارِ دیر مفسدِ شایگانِ تیری خاطر سب مجھے منظور ہے

دیکھنا بھی تو اُنھیں دُور سے دیکھا کرنا حُرث شیبہِ عشق نہیں حُسن کو رسوا کرنا

معشوق سے خطاب

مرنے چو مہم کے دل میں گشت اسیرت شقای شکرانہ ایں صید تہی کن قفسے چند
 وفا آموختی از من بکار دیگر اں کردی — ربودی گوہرے از ما نثار دیگر اں کردی
 ہزار جان گرامی سوخت زین غیبت — کہ ہر صبح و مسامح مجلس دگری
 بھر گئے کہ خواہی جامی پوش — من انداز متد رami شناسم
 مرخان دم را کہ ایں مرغ وحشی — ز جلے کہ بر خاست شکل نشیند
 بہ تیغ ادائے تو سہمی فروشم ساحر — بہ نوک سنانت جگر می فروشم
 مرا بہ نیم نگہ می توان تسلی کرد — ہزار حیف کہ ایں شیوہ رانی دانی
 خراب بادہ سرخوش کردہ مارا تھوری — بہوش باش کہ بیوش کردہ مارا
 با کفر و ایمان ساختم با آذری پرداختم — من قبلہ خود ساختم محراب ابرے کے
 بحر عشق تو ام می کشند غوغایت نظر جانان — تو نیز بر سر بام آ کہ خوش نما شایست
 اگر ز بندگی چوں منے ترا عار است ولا — تو زندہ باش خریدار بندہ بسیار است
 سر کنم گریہ اگر تاب شنیدن داری — سینہ بشکافم اگر طاقت دیدن داری
 نہ جیاتیری چشم کا مارا سودا — نہ تری ز کف کا بندھا چھوٹا
 بے جسم و گناہ قتل عاشق ولا — مذہب میں تیرے ثواب دیکھا
 سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ ولا — چوں غنچہ سوزاں ہیں اُس کے دہن کے بیچ
 گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ تشر بھی
 اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

سودا کو جرم عشق میں کہتے ہیں آج قتلِ دلہ پچانتا ہے تو یہ گنہگار کون ہے
 بھائیں دیکھ لیا کج ادائیاں دیکھیں تیر بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں
 مدعی مجھ کو کھڑے صاف بُرا کہتے ہیں دلہ چپکے تم سُنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اُس کے رُو کی تئیں
 بلبس سے آج باغ میں جھگڑے بڑے ہے

مرزا محمد علی سندوی

ہم کو تو وفا سے نہیں اے یار گزرنا پر تو بھی جہاں سے نہ ستمگار گزرنا

لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
 زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

آتش نے اس شعر پر اپنے استاد مصحفی کے سامنے فخر کیا، استاد نے ایک نو مشق

لڑکے کی غزل میں یہ شعر اضافہ کر کے مشاعرہ میں غزل پڑھوا دی : ۷۰

نہ ہو محسوس جوشے کس طرح نقشے میں ٹھیکے

بشیر یار کچھوائی کس بگڑی دہن بگڑا

آتش کو بے حد صدمہ ہوا اور استاد سے شکوہ سنج ہوئے، مگر ایچ کیا سکتا تھا

کشتہ ہم بھی تیری نیرنگی کے ہیں یاد ہے

آتش اور زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

اکٹی سیدھی گیفت گو کیا ہے ظفر تجھ کو منظور جنگجو کیا ہے

ہم ہے یاں تک تری خدمت میں سرگرم نیاز

تجھ کو آ حشر آشنائے نازیبجا کر دیا

غالب

تجھ سے کچھ کہنے کو تھا بھول گیا نظام ہائے کیا بات تھی کیا بھول گیا
 بدنام کون ہو گا اگر مر گیا نظام دلا تم جانتے ہو کوئی اُسے جانتا نہیں
 ڈرتے نہیں ہیں آپ مری آؤ سر سے مٹھری شاید کسی سے آپ کو پالا نہیں پڑا
 تم دکھاتے تو ہوا تیر کا دل آئیر اور جو وہ کوئی آہ کر نیٹھے
 کہنے دیتی نہیں کچھ منہ سے محبت تیری داغ لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری
 بات کرنی تک تمہیں آتی نہ تھی دلا یہ ہائے سامنے کی بات ہے
 آؤ مٹا بھی دو غلش آرزو سے قتل حالی کیا اعتبار زندگی مستعار کا
 ہنس کر رلا دیا کبھی رو کر ہنسا دیا — اے فتنہ ساز دونوں میں تجھ کو کمال ہے
 کچھ رحم کرتی ہے شبِ فرقت میں تیری یا — کچھ ٹھہران ہجرتیں یہ خیال ہے
 ابھی تو طفل دبستان ہو تم کو کیا معلوم — وفا وفا نہ کرو دھرم میں وفا معلوم
 دل سے کہ ہم نے آپ کو دلبر بنا دیا — اتنا ستم سہا کہ سنگ مر بنا دیا
 ظلم ہم پر ذرا سمجھ کے کرو — اے بتو بندہ خدا ہیں ہم
 تم ظلم چھوڑ دیتے ہم ترکِ آہ کرتے — کچھ تم نباہ کرتے کچھ ہم نباہ کرتے
 آپ سراپا صدق و صفا ہیں آپ محبسم ہر وفا
 دھن کے پورے بات کے پکے مان گئے ہاں مان گئے
 غم مجھے دیتے ہو آوروں کی خوشی کے واسطے
 کیوں بُرے بنتے ہو تم ناحق کسی کے واسطے
 اس تعنافل پر بھی کرتے ہیں تجھی کو یا دھم
 کہتے ہیں مجبور دیکھ او بانیِ بیدادھم

ریاض

حسرت

رہا باہم کی ہو کیا شکل کہ آگاہ نہیں حشر دل رنجور سے تم خاطرِ سرور سے ہم
جس نے ہنگامہ عدالت کا تری دکھا، جوہر اُس گنہگار کو اک روز جہنم اور سی
کیونکہ کہوں زبان سے تو مہرباں نہیں جگہ بریلی لیکن مرا نصیب کہ میں شادمان نہیں

بُت کا فریہ واضح ہو خدا بھی اپنے بندوں پر
فقط ظلم و ستم کر کے حُدا ئی کر نہیں سکتا

آزاد انصاری

تو اور چشمِ لطف نئی واردات ہے دل میری نگاہ نے مجھے دھوکا دیا نہ ہو
تو اور پاسِ خاطر اہل وفا کرے دل اُمید تو نہیں ہے مگر باں خدا کرے
آپ اچھے ہی سی بیخود نکتا ہی سی بیخود موبانی آپ اگر ایسا ہی کہتے ہیں تو ایسا ہی سی
ہم بھی آخر خدا کے بستہ ہیں جو ش کوئی حد بھی ہے او ستم ایجاد
اک ہم کہ خاک ہو کے بھی تم پر ہوئے فدا
اک تم کہ خاک کر کے بھی دامن کشاں رہے

سرخوشی اپنی جگہ اچھی ہے غم اپنی جگہ — یعنی تم اپنی جگہ اچھے ہو غم اپنی جگہ

سوال و جواب

گفتم کہ روشن از قمر گفتا کہ رخسارِ من است
گفتم کہ شیریں از شکر گفتا کہ گفتارِ من است
گفتم کہ مرگِ عاشقاں گفتا کہ در و ہجرِ من
گفتم علاجِ زندگی گفتا کہ دیدارِ من است

خسرو

گفتم کہ حوری یا پری گفتا کہ من شاہِ تباں
گفتم کہ خسرو بینو گفتا کہ پرتبارِ من است

از حسن این چه سوال است کہ مشوق تو کیست
 این سخن را چه جواب است تو ہم میدانی
 گفتم بیا بوعده وفا کن جواب داد یلی خوش بر فریب وعده مادل نهاده
 کہیں کہیں پہلا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے :

’گفتم بیا و وعده وفا کن جواب داد‘

رنجیدن ز بزم تو رفتن گناہ من قیدی ساغر ز دست غیر گرفتن گناہ کیست
 گفتم اے مبارقہب روسیہ کتر نشین تخی زیر لب خندید و گفت او نیز می گوید چنین
 بخود بوقت فوج تمیدن گناہ من غائب دستہ دشمن تیغ نکردن گناہ کیست
 ایک کرم فرما کو پہلا مصرعہ یوں پڑھتے سنا ہے :

گیرم بوقت فوج تمیدن گناہ من

گفتش سو ختم در آتش عشق ادیب نیشاپور گفت اگر عاشقی بسوز و بساز
 نقشہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے
 گفتا کہ دُر اے باورے اس ملک کی یہ ریت ہے
 ہمنائمن کو دل دیا تمنا ہمن کو دکھ دیا
 ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی کیا ریت ہے

مست شراب بند قبا دا کئے ہوئے قدا پوچھا میں اس طرح سے چلے ہو کہاں میاں
 کہنے لگاے تیغ کو غصے سے ہاتھ میں نستا ہے بے یہ کون زباں ہے میاں میاں
 میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا سودا میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا
 ایک دن آگیا کچھ جی میں سو مجھ سے پوچھا متیا کہ متیا ہیگا کہو کا تو خراب ابستہ

شیخ محمد امین
 سدی

نواب آصف الدولہ آصف

میں پوچھا اُس سے کچھ تجھ میں دُعا ہے تو مڑ کر دیکھ کر ہنس کر کہا ہے

اُس گلرو نے یہ ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی ہے

نادھیان ہمیں کچھ چولی کا ناہوش تمہیں کچھ دامن کا

نظیر اکبر آبادی

جب ہم نے نظیر اس گلرو سے یہ بات کہی اُس دم ہنس کر

کیا پوچھے ہے اے رنگ بھری ہے مست مہینہ بھاگن کا

کل اُس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش وہ کہ اب تو آپ بھی کچھ لب کو کھولئے صاحب

یہ سن کے میں نے نظیر اُس سے یوں کہا کہ جو کوئی بولے تو البتہ بولئے صاحب

جب کہا حیرت ہے میں تم پر سدا تم غیسر پر

صفیر

ہنس کے بولے اپنے اپنے دل کے آجانے کی بات

رات اُن کو بات بات پر سو سو دئے جواب حالی مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

انہیں کبر حُسن کی نخوتیں مجھے فیضِ عشق کی حیرتیں

آسی غازی پوری

نہ کلام ہے نہ پیام ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

کچھ کٹی ہمت سوال میں عسر فانی کچھ اُمید جواب میں گذری

راز و نیاز

فَعَلْتُ الْوَعْدَ سَيِّدَتِي فَقَالَتْ ^{ابو نواس} كَلَامُ اللَّيْلِ يَحْوِي النَّهَارَ

یہ شعر ابو نواس کے ایک مشہور قطع کا آخری شعر ہے اس قطع کی شان نزول یوں بیان کی جاتی ہے

کہ ہارون الرشید کو شہستان عیش میں ایک کینز مخمور نظر آئی جس کے سر سے بدستی میں دوپٹہ گر گیا تھا

اور نظر فریب حالت پیدا ہو گئی تھی، ہارون الرشید نے کچھ اور چاہا، کینز نے کہا کل، دوسرے دن رات رشید نے ایفلے وعدہ کا تقاضا کیا، کینز نے کہا، 'کَلَامُ اللَّيْلِ يَمْحُوهُ النَّهَارُ' یعنی رات گئی اور رات کے ساتھ رات کی بات گئی، ہارون الرشید نے دربار میں اگر شعرا کو طلب کیا اور حکم دیا کہ اس مصرع پر مصرع لگائیں، ابو نو اس نے برجستہ اپنا قطعہ کہا، 'شعر مندرجہ بالا کا ترجمہ فارسی میں نظام الملک نے کیا ہے، اُن کا شعر بھی سن لیجئے:۔

گفتنمش اے وعدہ دوشین خود را کن وفا
گفتن شنیدی کلام اللیل میحوہ النهار

اُردو میں اسی مضمون کو ایک شاعر نے یوں ادا کیا ہے:۔
س رات کی بات کا مذکور ہے کیا
چھوڑیے رات گئی بات گئی

دُشوار غامی بُخ و دُشوار دہی بوس زہکی آساں بر بانی دل و آساں ببری جاں
نشود نصیب دُشمن کہ شود ہلاک تیغت عراقی سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی
اے سلماناں بھنر یا دم رسید سدی کاں ملانے یو فانی میسکند
یارِ من! و بکش و فلا شراست و رند لیک با من پار سائی میسکند
بوسہ از لب جان بخش بدہ یا بستان دلہ کایں متاعیست کہ بخشند و بہانیز کنند
گر بر سر چشم من نشینی دلہ نازت بکشم کہ نازینی
تو شبیہ می غامی بر بے کہ بودی امشب خرو کہ ہنوز چشم سنت اثر خمار دارد

محبوب الہی کی آنکھیں شعلہ باطن اور شب بیداری کی وجہ سے سُرخ رہتی تھیں، انہیں خمار آلودہ آنکھوں کی کیفیت دیکھ کر امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا، اس شعر کے متعلق ایک لطیفہ ملاحظہ ہو، جہانگیر

کے سامنے قوال نے یہ شعر گایا، جہانگیر چیں بجیں ہوا، اُس کے نزدیک معیوب تھا کہ عاشق معشوق سے اس قسم کے خیال کا اظہار کرے کیونکہ غیرت اس کی تاب نہیں لاسکتی، ملا نقشی نے یہ رنگ دیکھا تو توجہ کی اور عرض کیا ”جہان پناہ! ہندوستان میں عاشق عورت ہوتی ہے، اس شعر میں خسرو نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے“ یہ سن کر جہانگیر کے ملتے کے بل دور ہوئے،

جاں ز تن بُردی و جانانی ہمنوز دلہ درد با دادی و درمانی ہمنوز

|| من تو شدم تو من شدم من تن شدم تو جان شدم
|| تاکس نگوی بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اکبر کی حرم سرا میں ایک کینز تھی، نام ناد رہ تھا، اکبر نے ایک دفعہ اُسے انارکلی کہہ کر پکارا، اس وقت سے وہ اسی نام سے موسوم ہو گئی، سلیم کو اس سے محبت ہو گئی، اس کا پتہ اکبر کو لگ گیا، پتہ یوں لگا کہ ایک روز حفلِ رقص و سرود گرم تھی، اکبر بھی موجود تھا اور سلیم بھی، انارکلی نے گانا شروع کیا، جب شعر متذکرہ بالا پر پہنچی تو ضبط نہ ہو سکا اور دامن احتیاط ہاتھ سے پھوٹ گیا، اکبر نے اس منظر کو دیکھا اور معاملہ کی تہ تک پہنچ گیا، انارکلی معتوب ہوئی، سلیم عتاب سے اُسے گلو خلاصی نہ دلواسکا، اسی حالت میں انارکلی نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی، اس واقعہ کو مدت گزر گئی، سلیم اب جہانگیر ہو چکا ہے اور انارکلی کو بھول چکا ہے، ایک روز اسے ایک باغ میں ٹہلنے کا اتفاق ہوا، ایک کلیوں سے لے ہوئے انارکلی کے درخت کے نیچے ایک قبر نظر آئی، مالی سے دریافت کیا کس کی قبر ہے، مالی نے کہا، انارکلی بیگم کی، گذشتہ واقعات اس کے سامنے آ گئے، دوسرے روز منتظم تعمیرات کو حکم دیا

کہ انارکلی بیگم کی قبر پر ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کر دیا جائے، تعویذ قبر پر یہ شعر لکھوایا

گیا : ۵

تاقیامت شکر گویم کہ دگارِ خویش را
آہ گر یک بار بینم روئے یارِ خویش را

قبر لاہور میں اب تک موجود ہے ،

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ او لیتم
تو نے وہ گنجھائے گرانمایہ کیا کئے

غالب

بدم گفتی و خرمندم عفاک اللہ لگو گفتی	حافظ	جواب تلخ می زید لب لب شکر خارا
قند آیمختہ با گل نہ عسلج دل مست	دلہ	بوسہ چند بیا میز بہ و شنائے چند
آنکہ پامال جفا کرد و چو خاک ہسم	دلہ	خاک می بوسم و عذر قدمش میخواستم
بہ تمنائے تو ترک دوہاں کرد وئی	دلی	مہربانی تو ہم درخور آں می بایست
بہر تو شنیدہ ام سخنہا	دلہ	شاید کہ تو ہم شنیدہ باشی
تو بہ کار کسے نمی آئی		بہ کنار کسے نمی آئی
بچہ امید می تو اں مر دن		بہ مزار کسے نمی آئی

گشت بیمار دل از رنج و غم تنہائی	خاناناں	اے طبیب دل بیمار چہ می فرمائی
گر چہ می انم قسم خوردن بجان تو بنیت	نظیری	ہم بجان تو کہ یاد من نیست سو گندے دگر
از یک حدیث لطف کہ آں ہم دروغ بود	دلہ	امشب ز دفتر گلہ صد باب شستہ ایم
از من متاب رو کہ نیم بے تو یک نفس	جہانگیر	یک دل شکست تو بصدخوں برابر است

امروز عیاں شد که نداری سِرِ اہلی اہلی بیچارہ غلط داشت بطعفت تو گساہا
 گر نیم مائل رخسارِ تو حیرانی چیست اتانی ورنہ دارم سِر زلفت تو پریشانی چیست
 حُسنِ تو زیورِ تو بس است این قدر چسپا نسبتی برگوش و سینہ زحمتِ زیور نہ سادہ
 چہ بری تو نامِ دشمن بہ بہانہ شکایت و دلا گلہ گر مراد داری گلہ کن و لے زماکن
 ہم اینجا صلح کن با ما چہ لازم صائب کہ در محشر نہ ما شرمندہ باشی
 زدی بستی ہشکستی سوختی انداختی رفتی

جوابت چیست فدائے قیامت داد خواہاں را

ہمہ چیزے تو خوب لیک ایں بد و آراشکوہ کہ تو بسیار دیر می آئی
 غرض ز مسجد و مِحَنانہ ام وصالِ شمت جز این خیال ندارم حنہ آگواہ من است
 تا اگر فراقم بدر و عشق وقت من خوش است وقت آن کس خوش کہ بنیادِ گرفتاری نہا
 ہزار شکر کہ مارا سِر شکایت نیست و گر نہ قصہ جوہر ترا نہایت نیست
 ز غم شاد شوی میسر انم غمِ دل با تو از اں می گویم

یا من ناصبور را پیشِ خود از وفا طلب

یا کہ تو پاک دامن صبر من از خدا طلب

شہر کا شان است ہر سو ماہِ سیمائے دگر ظلم کم کن ورنہ عاشق می شوم جانی دگر
 دل را بروں ز سببِ برائے تو میسکنم خالی ز عجبِ پردہ سرائے تو میسکنم
 ہر جہلے کہ کنی راحت جان بہت لے رسم انصاف مباد از جہاں بر خیزد

جاناں بیا در چشم من تا چشم را برہم ز غم

ہرگز نہ بیم کس و گرنے کس ترا دیدن دہم

محبوبی ہر عشوہ گرے را چہ کند کس مصلح جائے کہ تو باشی دگرے را چہ کند کس

شرابِ لطف پُر در جام می ریزی و می ترسم

کہ زود آخر شود ایں بادہ و من در خمار افستم

کماں ابروئے من فکر من زارِ بلا کش کن — فگن در سینہ ام تیرے پیکانش در آتش کن

یار و رناز است و عاشق در نیسا ز اصغیا اول صفت ہر کسے در کار خود دانا بود

تو چرا از عوض کشتن من می ترسی غلام علی آزاد ہمہ دانند کہ در سلک غلامان تو ام

در دل تست آنچه بر من میسر و غالب می شناسم سختیِ آیام را

از عشق و حسن ما و تو با ہم دگر گفتگو

خبر و بہ مجنوں یک طرف شیریں بہیلی یک طرف ولا

آہم چگونہ در دل سختی اثر کند ولا سنگ است در بر تو ہما نابجائے دل

چشمش بسوئے مانگہ نامتسام کرد شبلی ساقی حجام ریخت مئے نارسیدہ را

شاد م بھ چسپ بادل من می کنی ملے لاہوتی حیث است اگر بگفتہ اعنیار می گئی

ملنا تمن کا غیر سوں کوئی بھوٹ کوئی سچ مچ کہتے

کس کس کا منہ موندوں سخن کوئی کچھ کہتے کوئی کچھ کہتے ابو من نانا شا

تجھ زلف میں لٹک رہے دل تو کیا کہے سراج الدین شا بے کار ہے اکٹ نہ رہے دل تو کیا کہے

اول کی تم تو بھول گئے ہستیوں سراج لانے لگے ہو خوب تغافل کی بنیاں

تم پر خدا میں سارے حسنِ جمال والے ولا کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

دیکھ دامنگیر محشر میں تمے ہو گئے عاجز خوں ہمارا اپنے دامن سے نہ اے قابلِ چھڑا

جان اگر دشمن ہے ہو تم ہمارے اس قدر آبرو کیوں ہمارے دل کو پھر لگتے ہو پیارے اس قدر

گاہ گاہ ہے پیار کی آنکھوں سے کرتا ہے نگاہ
مہرباں ہونے لگا ہے اب تو بے اس قدر

پہلے شر کا دوسرا مصرعہ کہیں کہیں یوں بھی دیکھا ہے :۔

تو ہمارے دل کو کیوں لگتے ہو پیارے اس قدر

کیوں ہوئے ہو تم کہو دشمن ہمارے اس قدر	یگرنگ	دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے پیارے اس قدر
مجھے مت بوجھ پیارے دشمن اپنا	دل	کوئی دشمن ہوا ہے اپنی جاں کا
تم تو دل مانگو ہو یاں جان تنک حاضر ہے	احسن	بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمانے کی
نہ اُلفت نے محبت نے مروت	فغان	تری خاطر کوئی بد نام کیا ہو
آخر فغان دہی ہے اُسے کیوں بھلا دیا	دل	وہ کیا ہوا تپاک وہ اُلفت کدھڑ گئی
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے		یوں بھی گزر گئی میری دوں بھی گزر گئی
مت عاشقوں پہ جو رستم اس قدر کرو	حاتم	عالم کا ڈر نہیں تو حسد اکا تو ڈر کرو
اُلفت کی مجھ کو پیارے تیری نگاہ بس	دل	گر پے بہ پے نہوئے تو گاہ گاہ بس
یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعویٰ دوستی لیکن	قائم	کبھی ہمیں بھی تو اک بار آزمانا ہوتا
غیر سے ملنا تمہارا سُن کے گو ہم چپ ہے	دل	پر سنا ہو گا کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا
یک دگر جب تنگی آئی تو جھگڑا کیا ہے	دل	تم کو خواہندہ بہت ہم کو حسد یاد رہتا
جب سوں تیری فطرت پڑی ہے جھلک	دل	تب سوں لگتی نہیں پلک سے پلک
آگے نہ میسر غیر سے گو تم نے بات کی	دل	سرکار کی نظر کو تو پہچانتا ہوں میں
گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے	دل	کہنے کو بات رہ گئی دن تو گزر گئے
جو عمل چاہئے کیجے مرے دکھ دینے کا	سودا	وہ نہ کیجے کہ کہے کوئی "سزاوار نہ تھا"
بساط اپنے میں تھا جو ایک دل سو وہ بھی کھو بیٹھا	دل	مجھے مدت ہوئی پیارے میں اس سے ہاتھ دھو بیٹھا

ہوئی اک عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے ولا جھٹک نہ دیجیو پیائے غبار کے مانند

کون کتاب ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

یہ باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنئے گا
جب کہتے کسی کو سنئے گا تب پہڑوں سر کو دھنے گا

یہ شریوں بھی دیکھا ہے :۔

اشعار ہمارے یاد رہیں اشعار نہ ایسے سنئے گا
جب پڑھتے کسی کو سنئے گا تب پہڑوں سر کو دھنے گا

عید آئندہ تک رہے گا گلہ ولا ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

تجے عشق سے آگے سودا ہوا تھا ولا پر اتنا میں ظالم نہ رسوا ہوا تھا

تجھی پر کچھ لے بُت نہیں منحصر ولا جسے ہم نے پوجا خدا کر دیا

ہم فقیروں سے کچھ ادا لئی کیا ولا آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

یاساتھ غیر کے ہے تمہیں ایسی بات چیت ولا سو سوطی کے لطف میں اک اک سخن کہیے

یا پاس کیے لگتی ہے چپ ایسی آن کر گویا زباں نہیں ہے تمہارے دہن کے چپ

بھلا تم نفت دل لے کر ہمیں دشمن گنوا اب تو

کبھو کچھ ہمس بھی کر لینگے صاحب دوستانِ دزل

بھلا جو رسے کچھ ادا کیاں دیکھیں ولا بھلا ہوا کہ تری سب بُرائیاں دیکھیں

کچھ تمہیں ملنے سے رکتے ہو ہمارے

دوستی تنگ نہیں عیب نہیں عار نہیں

شرمندہ ہو گئے جانے بھی دو امتحان کو دلہ لکھے گا تم سے کون عزیز اپنی جان کو

کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں بھی دیکھ لے: ۷

تم سے کرے گا کون عزیز اپنی جان کو

حال بد گفتنی نہیں میرا دلہ تم نے پوچھا تو ہمسریابی کی
پرستش کی یاں تک کہ اے بُت تجھے دلہ نظر میں سمجھوں کے حُدا کر چلے

چاہنے کا ہم یہ خواباں یہ جو دھرتے ہیں گناہ
دلہ ان سے بھی پوچھے کوئی تم اتنے پیلے کیوں ہو

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے دلہ پچھتاؤ گے سُنو ہو یہ بستی اُچار کے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے دلہ پر ہم جو نہ ہونگے تو بہت یاد کرو گے

کافر ہو جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو بیاں اک مختصر سی جا ہو اور میں ہوں اور تو ہو

منہ نہ موڑیگا یہ عاصی گر یہی منظور ہے شاہِ عالم آفتاب لیجئے سنگ جہا اور شیشہ دل توڑیے

بکھی تو مہرباں ہو ہمسرے بُت آشنا کہ آخر ہم بھی بستہ ہیں حُدا کے

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے مجر جہنا میر درد پر وہ کیا کچھ تھا کہ جی کو بھا گیا

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر دلہ لکھ یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو

دلہ یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

ہزار بار مرے پر نظر کئے ہو گے حُنا ہنوز کہتے ہو دیکھا ہوں تجھ کو کیا اللہ

اتنا ہمک ہمک کے جو اٹھتے ہو خیر ہے

دلہ لایق ہیں ہم تو قتل کے پر کچھ گناہ بھی

عشوہ و ناز کو ترے پیارے خاکسار کیا جانے
ہم نے تو جان تک نہ پیاری کی — اپنے وقت کیا ہماری کی
چند دن آہ میاں میں بھی خُندائی کرلوں — جھوٹ ہی کہہ دو کہ ہاں تم سے محبت ہے

میرے حق میں تو بہت سے مجھے آرام ہوئے گا
و لے تو قتل کرنے سے مرے بدنام ہوئے گا

تو نہ میری ہی جان ہے کاسر لاڑیکا رتنی تجھ پہ شیدا جہان ہے کاسر
بھاگتا ہے مرے تصور سے کس قدر بدگمان ہے کاسر
دن بھر پھر مگر تسلی کے ان دنوں بھر بان ہے کاسر

دُعا کو تم جفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے
اُدھر کچھ دل میں تم سمجھے اُدھر کچھ دل میں ہم سمجھے
ریخ و غم مجھ کے گزر بھی گئے — اب تو تم دھیان سے اُتر بھی گئے

اگر خیال میں گُذرا ہے امتحان جو شکم
ہیں تو کچھ نہیں انکار مھنڈاں جو شکم

ہم پہ سُو غلم و ستم کی جینگا بیدار ایک ملنے کو نہ کم کی جینگا
جانیں مشاقوں کی لب پر آئیاں دلا بل بے ظالم تیری بے پردائیاں
جو کچھ چاہئے آپ سر مائیے دلا پہ غیروں کی باتیں نہ سُوائیے

تمہیں غیروں سے کب فرصت کب اپنے غم سے ہم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

گر کہے تو رات تو دن کو کہوں میں راستی دلا کفر اس میں کچھ نہیں یہ دل بے کی بات

دھمکتے ہیں بس مجھ کو فقط آپ اکڑ کر اَلَمِ بانگے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر
 جس کا تو آشنا ہوا ہوگا سوز اُس نے کیا کیا ستم سہا ہوگا
 بھلا بتا تو مری جان کچھ ہدایت نے ہدایت تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
 مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

ٹمک اک انصاف کہ اتنی بھی کرتا ہے جفا کوئی
 کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی یقین
 اس ادا کا ہوں تیسری دیونا جوشش دیکھنا مجھ کو اور چھپ جانا
 تجھ سے ظالم کو اپنا یا کر کیا دل ہم نے کیا جبر اختیار کیا
 پوچھو ہو کیا کہ حال تر اکس طرح سے ہے لاڈلِ راز کیا جانتے نہیں ہو میاں جس طرح سے ہے
 نواب آصف الدولہ آصف

ہم نے قصہ بہت کہا دل کا نہ سنا تم نے ماجرِ دل کا
 لاکھ پرے میں چھپ کے تم بیٹھو — دیکھ ہی لینگے دیکھنے والے
 سہ اے ستم ایجا دکب تک یہ ستم دیکھا کریں
 تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں جرات
 ایک گھر میں بھی کبھی مل کے نہیں بیٹھتے ہیں ر
 ہم کیس بیٹھتے ہیں آپ کیس بیٹھتے ہیں دل

جھڑکی سہی ادا سہی چین جیس سہی انشا سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
 گر نازنین کے سے بُرا مانتے ہیں آپ میری طرف تو دیکھئے یس نازنین سہی
 میں نے بھی ترے عشق میں کیا کیا نہیں کیا صفحہ سب کچھ کیا ہے پر تجھے رُسوا نہیں کیا

بیٹھنا پاس تمہیں غیر کے کیا لازم تھا دلہ تم نے اتنا بھی میاں پاس ہمارا نہ کیا
چاہنے والے تم سے میرے سوا اور بھی ہیں دلہ میں نہیں ایک گرفتارِ بلا اور بھی ہیں
نے اُن کے خواہاں ہیں نے پیار کے بھوکے ہیں

دلہ ہم لوگ ہیں بازاری دیدار کے بھوکے ہیں
تو دیکھے تو اک نظر بہت ہے دلہ اُلغت تری اس قدر بہت ہے

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی معلوم
یاد آئے گی تمہیں میری وفا میرے بسد ہوس

کہتے ہو یاں پہ مجھ سا کوئی مجہیں نہیں تیرا کڑاوی پیائے جو ہم سے پوچھو تو یاں کیا کہیں نہیں

یوفا کچھ نہیں تری تقصیر میرا اثر مجھ کو میری وفا ہی راکس نہیں

حال میرا نہ پوچھے مجھ سے دلہ بات میری تو معتبر ہی نہیں

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

جو سزا دیتے بجا مجھ کو دلہ تم سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو

بکھو دوستی اور بکھو دشمنی دلہ تری کون سی بات پر جلیے

کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف

مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے میر شیر علی آقوں

زمانہ ترا بُستلا ہو رہا ہے تجھے بھی خبر ہے کہ کیا ہو رہا ہے

روٹے ہوئے تھے آپ کئی دن سے من گئے ناتج بگڑے ہوئے تمام مے کام بن گئے

✓ گماں نہ کیونکہ کروں تجھ پہ دل چیرانے کا

منون جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے تو سن ورنہ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا

چارہ دل سوائے صبر نہیں سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم میں تم میں بھی اُٹھی

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مے آنسو نہ پوچھنا دیکھو دل کہیں دامن تر نہ ہو جائے

جب خفا ہوتا ہے تو یوں دل کو سمجھا تا ہوں میں

وزیر

آج ہے نا مہر باں کل مہر باں ہو جائیگا

سر مرا کاٹ کے پھپھٹائیگا دل بھوٹی پھر کس کی قسم کھائیگا

آپ کو حال پریشاں سے مے کیا کام ہے

آپ بیٹھے چین سے زلفیں بنایا کیجئے

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندہ احساں ذوق سر میرا تیرے سر کی قم اُٹھ نہیں سکتا

سُنتے ہیں اُس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم دل کس مزے سے عتاب کی باتیں

جو کہو گے تم کہیں گے ہم بھی ہاں یوں ہی سہی

دل

آپ کی گریوں خوشی ہے مہر باں یوں ہی سہی

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم فنا سمجھے

دل

جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اُس بیک خدا سمجھے

کب تمہارا شکوہ جو بدستم کرتے ہیں ہم

ظفر

اور کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں ہاں کرتے ہیں ہم

غضب ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت دل کہو منہ پہ ہم سے صفائی کی باتیں

تم سے بچا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ غالب اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا
 لگو میں رہا رہیں ستم سائے روزگارِ ولہ لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
 تو اور آرائشِ حنیم کا کل دلہ میں اور اندیشہ ہے دور و دراز
 کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں سوائی دلہ بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو
 غیر پھر تلے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر دلہ کوئی پوچھے کہ کیا ہے تو بتلے نہ بنے
 قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے دلہ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی
 ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے دلہ بے نیازی تری عادت ہی سی

نواب محمد یوسف علی خان ناظم (دالی رام پور)

وہی تم ہو وہی نجر ہے یہ انصاف کرو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو کیا میرے بعد
 وفا کی ہم نے اور تم نے جفا کی ولہ تم اچھے ہم بُرے قدرتِ خدا کی
 مانا کہ ہم سے آپ کو نفرت ہے پر اسے حرم کیا کیجئے کہ مجھ کو محبت ہے آپ سے
 کس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر شیفہ کیا کوئی اور ستم یاد آیا
 یا اپنے جوشِ عشوہ پہیم کو تھامے ولہ یا کہتے ہیں بھی نالہ شورِ رش ادا کر دین
 پوچھی تھی ہم نے وجہ ملاقاتِ مدعی ولہ اک عمر ہو گئی اُنھیں منکر جواب میں
 وہ کون سی جفا ہے کہ جو تم نے کی نہیں تصوہ وہ کون سا ستم ہے جو میں نے نہیں سہا
 مارا تو ہاتھ آپ نے دشمن کے ہاتھ پر تنیر کیسی لگی ہے چوٹ مے دل سے پوچھئے
 ناحق ہیں نازِ حُسن سے یہ بے نیازاں شری بندہ نواز آپ کسی کے حُسنِ انہیں
 غیر بھیکے بہت ہیں عشق کا دم ولہ ایک دن آزمائے تو سہی
 ہیں آپس میں دھم و گم کیسے کیسے ولہ یہاں کیسے کیسے وہاں کیسے کیسے

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھ کو بُرا جانا مخرج
 سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا
 کیوں میری بود و باش کی پریش ہے ہر گھڑی دل
 تم تو کہو کہ ہتے ہو دو دو سپر کمال
 نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے اور پسند پونچھے اپنی جبین سے

زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے
 مہر بانی آپ کی نامہر بانی آپ کی
 میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں
 اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا
 آئیر

سب کی نظموں پہ نہ چڑھے صبا دل دیکھے دل سے اتر جائیے گا
 سنی ایک بھی بات تم نے نہ میری دل سنیں میں نے سارے زلمے کی باتیں
 میری ہر بات پر ہیں سو سو عذر دل غیر کی خوب مان لیتے ہیں
 مستی چھوٹی ہوئی سوکھے ہوئے ہونٹ دل یہ صورت اور آپ آئے ہیں گھر سے
 کسی نا آشنا کا کیا شکوہ دل آشنا کی جب آشنا نہ سنے
 تم کو آتا ہے پیار پر غصہ دل مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے
 ساری دنیا کے وہ ہیں میرے سوا دل میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے
 مانی ہیں میں نے سیکڑوں باتیں تمام دل آج آپ ایک بات مری مان جائیے
 اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں داغ کتنا نہیں مانتے کسی کا
 بُرا ہے شاد کو ناشاد کرنا دل سمجھ کر سوچ کر بیدار کرنا
 احسان ماننا ہوں ستم لے غیر کا دل بگڑا ہوا مزاج تمہارا بنا دیا
 چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو دل وہ طریقہ تو بتا دو تمہیں چاہیں کیونکر

تم روٹھ جاؤ ہم سے تو ہم منتیں کریں - دل ہم روٹھ جائیں تم سے تو ہم کو منائے کون
 سارے مجھ سے تو سر پایا تمہیں کو داغ کہتے ہیں
 دل تمہیں ہوا ماہِ کامل میں تمہیں بہتے ہوا لے میں

داغ کے دل پہ جو گذرتی ہے دل آپ بندہ نواز کیا جائیں
 ضد ہر اک بات پر نہیں اچھی دل دوست کی دوست مان لیتے ہیں
 یوں ہی ہزاروں لاکھوں میں تم انتخاب ہو دل پورا کرو سوال تو پھر لا جواب ہو
 دیکھتے کرتی ہے رشوائے زمانہ کیا کیا دل مجھ کو یہ چاہ مری تجھ کو یہ صورت تیری
 - آپ کا اعتبار کون کرے دل روز کا انتظار کون کرے
 ذکرِ مہر و وفا تو ہم کرتے دل پر تمہیں شرمسار کون کرے
 ہوئی جاتی ہیں کیوں نہی نگاہیں دل کہو تو کیا ہے قرباں اس جیا کے
 دوستی کیا اسی کو کہتے ہیں دل آشنا کی جو آشنا نہ مئے
 کیرا ز اپنا کبھی کہا نہ کہے دل حال میں را کبھی سنا نہ مئے
 عرض احوال کو گلہ سمجھے دل کیا کہا میں نے آپ کیا سمجھے
 وہ نہیں سنتے ہماری کیا کریں دل مانگتے تھے ہم دُعا جن کے لئے
 جھگڑتے پیارے تو تجھ سے حجاب آتا ہے بیان و گرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے
 میں نے جو کچھ بھی کیا سب کیا شوق آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا
 ہم جو کہتے ہیں سراسر ہے غلط سب بجا ہے آپ جو فرمائیے

وہ مجھے دیکھ کے ہنس دیتے ہیں

آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی

میر محبوب علی خان آصف نظام دکن

ادھر میں ہوں ادھر محشر میں تو ہو جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو
کچھ کہہ دو جھوٹ سچ کہ توقع بندھی ہے تسلیم توڑو نہ آسرا دل ایتھ وار کا
فلق آور دل کا سوا ہو گیا حالی ولاساتھارا بلا ہو گیا
نہ کرو اب نباہ کی باتیں دلہ تم کو اے مہربان دیکھ لیا

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اولہ
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کساں
کتاب ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے
شکوے کو لے گیا ہے وہ بیداد گر کہاں

کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت دلہ ہم کو طاقت نہیں جدائی کی
دل کو درد آشنا کیا تو نے دلہ درد دل کو دو کیا تو نے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
تم قتل بھی کرتے ہو تو چرچا نہیں ہوتا

دل جلوں سے دلگی اچھی نہیں ریاض روتے والوں سے ہنسی اچھی نہیں
شبشہ دل کو یوں نہ اٹھاؤ عزیز دیکھو ہاتھ سے چھوٹا ہوتا

پوچھو مجھے کہ دہر میں اک کس پر سوں عترت گور کھپوری دیکھو مجھے کہ بیچ ہوں سب کی نگاہ میں
اس ہوائے دہر میں جمعیت خاطر کہاں ثاقب لکھنوی دل کو جانے دو یہ زلفیں کیوں بکشاں ہو گئیں
اے شوخ مجھ کو تو ہے تجھے ہے عدو پسند توی اب ان میں اچھی کس کی سمجھتا ہے تو پسند
کتنے الزام آخبر اپنے سر بیتاب عظیم آبادی تم نے غیروں کو سر چڑھا کے لئے

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا ادا نام اثرِ محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے
 بات کرنے میں تو شریاتے ہو تم احسانِ پوری ظلم کرنے میں نہیں آتا لحاظ
 یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم کو اس سے نفرت ہے

مگر اتنا سمجھ رکھو محبت پھر محبت ہے نوح

اے آپ اور مجھ پر کرم شانِ خدا اتر آپ اور پوچھیں غریبوں کا مزاج
 اے تو اس چار دن کے خُشن پر یہ مزاج، اتنا مزاج، ایسا مزاج

جو دیکھے گا روتے مجھے تم کو ہنستے آرزو لکھنوی مری بات چھوڑ دو تمہیں کیا کہے گا
 اُسی کے نہ ملنے سے جی پر بنی ہے دل، یہ کاہے کو سمجھے مرا بھولا بھالا
 اب ایسے نہ تھے ہم کہ چھیڑو تو رو دیں بہا ہو گا کوئی کیلجے کا چھالا
 تم ایسا عھد شکن آرزو سانا تمید دل، کہو جو سچ بھی تو آتا ہے اعتبار کہاں
 رونے پہ میرے ہنستے کیا ہو بے سمجھے نہ دیوانہ جانو

دل کس سے لگایا ہے تم نے تم در کسی کا کیا جانو دل

کچھ سہارا چاہتی ہے عاشقی کی زندگی دل، بے نیازی تیرے صدقے نارنجیا ہی سی
 رات ساری جسے آنکھوں میں لبر ہو تی ہے دل، آپ کیا ہیں اُسے دنیا کی خبر ہو تی ہے
 اب میں ہوں اور تغافلِ بسیار کے گلے حرّت وہ میں کہ موردِ کرم بے حساب تھا
 آپ کے ہاتھ سے کرم کہ ستم دل، جو ہوا مجھ پہ بے حساب ہوا

ہم لے یان تک تری خدمت میں سسر گرم نیاز
 تجھ کو آخر آشنائے نازِ حجاب کر دیا دل

آپ بٹھیں تو سی آ کے مرے پاس کبھی دل، کہیں فرصت میں حدیثِ دل دیوانہ کہوں

ملنے ہیں اس ادا سے کہ گویا خدا نہیں دلہ کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں
ہم جو رہے ستوں پہ گماں ترک وفا کا دلہ یہ وہم کہیں تجھ کو گنہگار نہ کر دے
معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا دلہ اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زبان سے

اک تم کہ وفا تم سے نہ ہوگی نہ ہوئی ہے ✓
اک ہم کہ وفا تم سے نہ ہوگی نہ ہوئی ہے دلہ

توڑ کر عہدِ کرم نا آشنا ہو جائیے دلہ بندہ پرور جائیے اچھا خدا ہو جائیے
تم جب سے کوئے ہو طبیعتِ بحال ہے دلہ اچھے ہیں آج کل تو تمہاری دعا سے ہم

ہمارے پانوں میں تو تم نے زنجیرِ وفا ڈالی دلہ
تمہارے ہاتھ سے کیوں رشتہٴ مہر و کرم چھوٹا دلہ
کچھ کچھ ستم ضرور ہو لطف و کرم کے ساتھ دلہ
یہ رسمِ عشق ہے اسے اے مہربان نہ چھوٹ دلہ

مہر آتا اگر گزری ہوئی باتوں کا افسانہ دلہ
کہیں سے ہم بیاں کرتے کہیں سے تم بیاں کرتے دلہ

ذرا بزم سے اٹھ کے خلوت میں مٹ لو دلہ صفرِ خدا جانے کیا مدعا ہے کسی کا
ہمے میری یہ التجا دیکھو — اور اپنا نہ ماننا دیکھو دلہ

میں نے کہا کہ دل سے تمہیں چاہتا ہوں دلہ تمہیں گو رکھ پور اُس نے کہا کہ مجھ کو ترے دل کی کیا خبر
رقیب لاکھ سکایت کریں نہیں شکوہ اتر لکھنوی دلہ گلہ تو یہ ہے کہ تم نے بھی عتبار کیا
میرے دل و دماغ پہ چھائے ہوئے ہو تم دلہ ذرے کو آفتاب بنائے ہوئے ہو تم
افسانہ کہہ رہی ہیں پریشاں نگاہیاں دلہ کیا راز ہے جو دل میں چھپائے ہوئے ہو تم

شکوہ کیا تھا از رہِ الفت ظننر سمجھ کر روٹھے ہو

دل

ہم بھی ہیں نادم اپنی خطا پر آؤ تم بھی جانے دو

کچھ تری چشمِ فسون ساز کا ایسا نہ کھلا دل لبِ نوش کو تکلیفِ گل افشانی دے

نہ جانے بات یہ کیا ہے تمہیں جس دن سے دیکھا ہے

دل

مری نظروں میں دُنیا بھر حسیں معلوم ہوتی ہے

تیرے شار تو بھی دیوانہ اپنا کہہ دے دل اک حلقِ مجھ کو تیرا دیوانہ کہہ ہی ہے

قائل نہیں ہوں آپ کے قول و سترار کا جگر گور کھدی اک روگ ہو گیا ہے مجھے انتظار کا

اس طرح مجھے ستر ہے ہو سیاب جیسے میرا خدا نہیں ہے

تم اور دل آزاری اربابِ محبت آزاد انصاری اربابِ محبت کا یہ شیوہ نہیں ہوتا

آنگر اس قدر قریب نہ آ دل کہ تماشہ محال ہو جائے

نہ دُنیا کا مجھے رکھانہ دین کا دل رگلہ ہے تیرے لطفِ بیکراں سے

اب او صبر و سکون لے جانے والے دل بتا صبر و سکون لاؤں کہاں سے

دل ہے اب التفات کے قابل فانی بیکسائے مدعا کی قسم

آزادہ کیوں ہوئے مری آشتنگی سے تم دل آخر یہی تو زلفِ شکن در شکن میں تھی

کیا عمر میں اک آہ بھی بخشی نہیں جاتی دل اک سانس بھی کیا آپ کے ناکام نہ لیتے

جس پہ تیری ظننر نہیں ہوتی جگر و آبادی اُس کی جانب خدا نہیں ہوتا

ستمِ عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں دل تڑپ جائیے گا جو تڑپا یے گا

جفا سے کیا اُسے اندیشہ جس نے

دل

دیا دل آپ کو مت قتل سمجھ کر

سب پہ تو مہربان ہے پیارے دل کچھ ہمارا بھی دھیان ہے پیارے
جب سے تو مہربان ہے پیارے اور دل بدگمان ہے پیارے
تو جہاں ناز سے قدم رکھ دے وہ زیں آسمان ہے پیارے
سچ بتا اس میں کوئی بات بھی ہے یا یوں ہی مہربان ہے پیارے
کنسنے میں جو نہیں آتی وہ بھی اک داستان ہے پیارے
ہم سے جو ہو مکا سو کر گذرے اب ترا امتحان ہے پیارے

جیس پر سادگی نیچی نگاہیں بات میں نرمی
مخاطب کون کر سکتا ہے تم کو لفظِ قاتل سے
اب دل مایوس کی تسکیں کا ساماں کیجئے نشتر سچ نہیں تو جھوٹ ہی کچھ عہد و پیمان کیجئے
چپ رہو نگا تو سنائے گا مجھے دل میرا جاوید کچھ کہوں گا تو مزاج آپ کا برہم ہو گا
میں تو الفت میں وفا کر کے پشیمان ہوا ✓ لیڈل عظیم آبادی
دیکھنا تم نہ جھٹا کر کے پشیمان ہونا ✓
دل لگاؤنگے اور سے ہم بھی جوش آپ سمجھیں نہ دگی اس کو
ایک دن کہہ لیجئے جو کچھ ہے دل میں آپ کے ✓
ایک دن سن لیجئے جو کچھ ہمارے دل میں ہے ✓
یہ نیازِ عشق و نازِ حسن ہے ورنہ حضور — آپ کے دل میں مہی ہے جو ہمارے دل میں ہے
اظہارِ مدعا کا ارادہ تھا آج کچھ — تیور تمہارے دیکھ کے خاموش ہو گئے
تمہیں میری محبت کی قسم سچ سچ بتاؤنا — گلے میں ڈال کر باہیں منانا کس سے سیکھا
تم نے پھیری لاکھ نرمی سے نظر لا دل کے آئینے میں بال آہی گیا

خوش بھی ہو لیتے ہیں تیرے بقرارِ فراق کو رکھ پوری غم ہی غم ہو عشق میں ایسا نہیں
 ✓ ہم سے کیا ہو سکا محبت میں دلہ تم نے تو خیر بے وفائی کی
 ساحر کے دن میری چُپ کا جبرِ حقیقت جاننے کچھ نہ کچھ تم سے بھی پوچھا جائے گا
 تم چاندنی ہو، پھول ہو، نغمہ ہو، شعر ہو، عذیبہ دانی اللہ سے خنِ ذوق میرے انتخاب کا
 کی شکایت تو اپنی قسمت کی عیاں ہم کو تم سے کبھی گلہ نہ ہوا
 احمدِ عزم زدہ ہشیار نہیں ہے لیکن نولف آپ دیوانہ سمجھتے ہیں تو ایسا بھی نہیں
 اور کچھ چاہتا نہیں ایسا دلہ ایک نل کا ماجرا سن لو
 تمہارے دل میں حلاص و محبت دلہ تمہارا دل ہمارا دل نہیں ہے
 جانے دو اگلی باتوں کا اب ذکر کیا کریں شہرِ تم جانتے نہیں ہو کہ ہم جانتے نہیں
 دلِ ناز پروردہ پر مہربان اثرِ صہبائی یہ جور و ستم الاماں الاماں
 ہمیں شکوہ ہے اک بیدادگر سے مجروح اب اس میں آپ ہوں یا آسمان ہو
 تے شعائرِ تعارف پہ زندگیِ مستربان جیب احمدِ متقی تے شعائرِ تعارف میں دلکشی کیوں ہے
 آپ کے لب پہ اور وفا کی قسم مہا اکبر آبادی کیا قسم کھائی ہے خدا کی قسم
 ایک ہندی کا شعر بھی سن لیجئے :-

پریم پریم لگائے کے دورِ دیس مت جاؤ
 رہو ہماری ناگرہی مسم مانگیں تم کھاؤ

انتہائے راز و نیاز

بروزِ حشر گر پُرسندِ سرورِ اچرا گشتی خرو چہ خواہی گفت قربانت شوم تاسم ہی گویم

من درویش را کشتی به سمنه دلہ کرم کردی الہی زندہ باشی
 تم میرا فیصلہ ہیں کردو تو خوبے — آپس کی بات جائے نہ پروردگار تک
 ہوگا غضب جو حشر میں جھگڑا یہ جائے گا ✓
 مانو کہا کہ بات ابھی گھر کی گھر میں ہے

نوائے عاشق

مومنِ زہدیں برآمد و صوفی ز اعتقاد ادھی ترسا محمدی شد و عاشق چنانکہ ہست
 کفر کافر را و دین دین دار را عطار ذرہ دردت دلِ عطار را
 نہ من بیہودہ گردِ کوچہ و بازار می گردم مولانا روم
 مذاقِ عاشقی دارم پئے دیدار می گردم
 تادہی بوسہ بر کفِ پائے عراقی خویشن را غبار باید کرد
 ماجرائے عقل پُر سیدم ز عشق سعدی گفت معزول است و فراموشیت
 گر کند میل بخوباں دلِ من خوردہ گیر دلہ ایں گناہیست کہ در شہرِ شمایز کُشد
 من آن نیم کہ حلال از حرام نشناسم دلہ شراب با تو حلال است اے سبے تو حرام
 عشق بازی نہ من آخر بجہاں آورم دلہ یا گناہیست کہ اولِ من مکیں کردم
 نظر بر نیکیاں سے مست معہود دلہ نہ ایں بدعت من آوردم بہ عالم
 رفیق و مہربان و یارِ مہم دلہ ہمہ کس دوست می دارند و من ہستم
 بیچ کس بے دامنِ تر نیست اما دیگران دلہ
 باز می پوشند و من در آفتاب انگندہ ایم

بر کفے جامِ شربت بر کفے سندانِ عشق دلہ
خسروا در عشقنازی کم ز ہندوزنِ مباحث خسرو
سرے دارم کہ ساماں نیست اورا دلہ
کافرِ عشقم سلمانی مرا در کار نیست دلہ
نا خدا در کشتی من گر نباشد گو مباحث دلہ
خلق می گوید کہ خسرو بُت پرستی میکند دلہ
من آن ترکِ طنا ز رami شناسم دلہ
غلامِ حضرتِ عشقم کرم بہاے من است حافظ
در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست دلہ
ہر جا کہ ہست پر توے رہے حبیب ہست

ساقیا یک جرعدہ ز اں آبِ آتش گوں کہ من

دلہ

در میانِ پختگانِ عشقِ ادِ خامم ہسنوز

فاش می گویم و از گفتم خود دلشادم دلہ
خسروا پیرانہ سر حافظ جوانی میکند دلہ
بندہٗ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی جامی
صفتِ بادہٗ عشقش ز من مست پیرس دلہ
غمِ عالم پریشاںم نمیکرد شقای
شیخِ مستغنی بہ ایماں برہمن مغرورِ کفر توسنی
بیم تیغ نیست لیکن ایں سرِ بخت را —
از پنچہٗ من چاکِ گریباں گلہ دارد عشقنی

بندہٗ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
بر اُمیدِ عفوِ جان بخش و گنہ فرسائے تو
کندیرس اہ فلاں ابن فلاں چنیے نیست
ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چیشی
سر زلفت پریشاں آفریند
مستِ حُسنِ دوست را با کفر و ایماں شکار نیست
دوست می دارم کہ زیر پائے او بسیار بود
وز گریر من گوشہٗ داماں گلہ دارد

تختِ مہرِ ہم نگیرِ دینہ افکارِ ما عَرَفی سایہ نگلِ برنتابد گوشہ دستارِ ما
شام کا سہانا وقت ہے، جہانگیر و نور جہاں محل کی چھت پر بیٹھے ہوئے ہیں، جہانگیر
نور جہاں کو مخاطب کر کے کہتا ہے :—

بلبلِ نیم کہ نالہ کنم درِ وِ سرِ دہم
پروانہ ام بسوزم و دم بر نیارم

نور جہاں جواب دیتی ہے :—

پروانہ من نیم کہ بیک شعلہ جاں دہم
ستمم کہ شب بسوزم و دم بر نیارم
ایک دن ایک شخص خانخاناں کے پاس آتا ہے، یہ قطعہ لکھ کر لایا ہے اور پیش کرتا ہے :—

اے چشمِ فیضِ خانخاناں
دارم صنم کہ مہ جبین است
گر جاں طلبد مضائقہ نیست
ز رمی طلبد سخنِ دیں است

خانخاناں نے پوچھا وہ کیا مانگتے ہیں، کہا لاکھ روپیہ، خانخاناں نے حکم دیا کہ ان کو

ایضاً

سوالاکھ دے دو،

بے سبب مرشد ز طورِ من شکایت می کند مرشد ایں قدرِ احسنِ منی داند کہ من دیوانہ ام
جز آستانِ تو جادرجہاں نمی بینم تھوری من دھنکر جائے دگر دروغِ دروغ
ز شکرِ خشک لبی لبِ اماں نمی یابد من و شکایتِ مرثاگانِ تر دروغِ دروغ
ادائے حقِ محبتِ عنایتِ ست ز دوست ——— دگر نہ عاشقِ میکیں بہ بیچِ خرسند است

وہں جاغم محبت آں عاجزائے عصیاں قدسی آسائش دو گیتی برما حرام کردند
 معشوق مابہ مذہب ہر کس برابر است نادم باماشراب خورد و بہ زاہد نسا ز کرد
 مقصود ماز ویر و حرم جز حبیب نیست نسبتی ہر جا کنیم سجدہ ہداں آستان رسد
 ناتوچوں شانہ دل چاک ٹہیانہ کنی سائب پنچہ درنچہ آن زلف چلیبانہ کنی
 لختے برو از دل گذر دہر کہ زیشیم — من قاشش فروش دل صد پارہ نوشیم
 نگہ دارد خدا از جسم بد خاک صفا ہاں را

کہ ہر سو جلوہ گر بینم سپاہ کجکلاہاں را
 دو عالم را بیک بار از دل تنگ — بروں کر دیم تا جائے تو باشد

سرد کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کلمہ کا ایک جز یعنی صرف 'لَا إِلَهَ' پڑھتے
 ہیں، وہ برہنہ ہی رہا کرتے تھے، عالمگیر کا دل اُن کی طرف سے صاف نہ تھا
 کیونکہ اُنھوں نے دارا شکوہ کے بادشاہ ہونے کی پیش گوئی کی تھی، چنانچہ
 عالمگیر کے اشارے سے علماء کا اجتماع ہوا، علمائے اعتراض کیا کہ کلمہ کا ایک ہی
 جز کیوں پڑھتے ہو، سرد نے جواب دیا کہ میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں، مرتبہ
 اثبات پر نہیں پہنچا ہوں، علماء نے اُن سے ستر پوشی کرنے اور پورا کلمہ پڑھنے
 کو کہا مگر بے سود، وہ واجب القتل سمجھے گئے، اور اُن کے خلاف قتل کا
 فتویٰ صادر ہوا، شاہ اسد اللہ ایک صاحب دل بزرگ سرد کے پرانے رفیق
 تھے، بعد صدور فتویٰ اُنھوں نے کہا کپڑے پہن لیجئے اور پورا کلمہ پڑھ لیجئے
 تاکہ جان بخشی ہو جائے، سرد نے جواب نہ دیا، ایک نظر ڈالی اور بیٹھ بیٹھا: ہ
 عمریت کہ آوازہ منصور کہن شد
 من از سر نو جلوہ دہم دار و درسن را

غرضیکہ قتل ہوئے، کہا جاتا ہے کہ قتل سے پہلے اُنھوں نے یہ شعر پڑھا تھا:۔

سر جُدا کر د از تنم شوخے کہ با ما یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ در دِسر بسیار بود

مدفن وہیں ہے جہاں مشہدِ نبی جامع مسجدِ دہلی کے شرقی پھاٹک کے سامنے
سُرد کا ایک شعر سن لیجئے:۔

شاہ درویش و قلندر دیدہ

سُردِ سُرمست و رسوا را بین

اس شعر سے اُن کی سُرستی کا صحیح پتہ چلتا ہے،

بشکند دستے کہ خم در گہ دن یارے نشد
کور بہ چشتے کہ لذت گیر دیدارے نشد
بہ عالم ہر کہ را بینی بہ دل درد و غمے دارد
ز دست غم منال اے دل کہ غم ہم عالمے دارد
زدانایان دنیا ہر کہ را بسنم غمے دارد
دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمے دارد
گورِ رسوائے عشق از مردم عالم غمے دارد
کہ عاشق گشتن و رسوا شدن ہم عالمے دارد

عمر گر خوش گذر د زندگی خضر کم است رفیع و رہ بہ ناخوش گذر د نیم نفس بسیار است

میر معزموسوی خاں نے ”بہ ناخوش“ کے ٹکڑے پر اعتراض کیا، رفیع نے

اُس کے بجائے ”بہ تلخی“ رکھ دیا مگر کہا کہ شعر کا لطف جاتا رہا۔

پرنس و پرنسز آف ویلز ۸ مارچ ۱۹۰۶ء کو علی گڑھ کالج میں تشریف لائے اور
شام کو واپس گئے، اس آمد کے سلسلے میں کالج میں بڑا مجمع تھا رات کو ڈنر
ہوا، نواب محسن الملک اس زمانہ میں سکرٹری تھے، ڈنر میں سر آغا خاں بھی موجود
تھے اور نواب محسن الملک کے برابر دائیں بیٹھے ہوئے تھے، نواب محسن الملک نے
ڈنر کے بعد تقریر کی جس میں محسان کالج اور ان کے احسانات کا ذکر تھا، سر آغا خاں
کے احسانات کا کیا کہنا، نواب محسن الملک کے احسانات کو کچھ کم نہ تھے، سب کے
آخر میں سر آغا خاں کا ذکر کیا اور اس کے بعد اشارۃً اپنا بھی، پھر یہ شعر پڑھا:۔

نہی گویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار از من

جہاں جہاں مصرعہ ثانی میں ”از یار“ کے الفاظ تھے ان کو پڑھ کر آغا خاں کی طرف
ہاتھ سے اشارہ کرتے جاتے تھے، جب ”یار از من“ پڑھا تو اپنے دامن سے ہاتھ سے
اپنا سینہ ٹھونکا، ”از من“ کے الفاظ زبان سے ابھی پورے نکلے بھی نہ تھے
کہ وہ شور بلند ہوا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اسٹریچی ہال کی چھت اڑ جائیگی،
نواب محسن الملک سے بہتر موقع پر شاید ہی کسی نے یہ شعر استعمال کیا ہو، گویا
شاعر نے شعر اسی موقع کے لئے کہا تھا، اب آپ شعر کو پھر پڑھیں اور لطف
اندوز ہوں (ملاحظہ ہو اعمالنامہ از سرمناعلی)

روزم تو بر سر روز و شہم راتو نور دہ — ایں کارست کارمہ و آفتاب نیست
جنونت میکشد سہیاباں — برائے پائے مازنجیر نوکن
خود بینی و خویشتن پرستی — رستمست کہ در دیار مانیست

ماو مجنوں ہسم سبق بودیم در دیوانِ عشق
 او بہ صحرا رفت و من در کوچا رسوا شدم
 بہ طاعت کوش گر عشق بلا انگیز می خواہی
 متاعِ جمع کن شاید کہ غارتگر شود پیدا

ناصر علی قلی

جنوں می خیزد از طرز بیانم بیدل ز بانم لغزشِ مستانہ کیست
 در فضا ئے عشقِ جاناں بوالہوس را کار نیست
 ہر سکہ شائستہ سنگ و سکہ آزادانیت

بھوت رائے پیغمبر الہی

بھرم عشق تو ام می کشند غوغائیت منظر جانان تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشا بیت
 من ایس دستے کہ افشا ند مز کونین حین بہ دامن تمنا ئے تو باشد
 خدا نا کردہ گر آید اجل پیش افتاد باُمید کہ بگذارم جنوں را
 گاہ در بستکہ گاہ بہ بہ حرم سیر کنند یار غارتگر دین است خدا خیر کنند
 خدا گواہ کہ لب را بہ مے نیا لودم لچمی این شوق برائے مستی من چشم یار شد باعث
 ہچو میر آشفہ حالے دیر پیدا می شود میر مستم دانید روز چند این رویش را
 نیست شور میر در بازار ہا دلہ غالباً از شہر آں دیوانہ رفت
 دلتاں در شرم و غالب بوسہ جوے غالب شوق شناسد ہمیں ہنگام را
 عیش و غم در دل نمی ماند خوشا آزادگی

دلہ

بادہ و خون بہ یکساں است در عنبر بال ما

وداع و وصل جُدا گانہ لذتے دارد دلہ ہزار بار بر و صد ہزار بار بیا
 وجود او ہمہ حسن است و ہمہ عشق دلہ بہ بخت دشمن اقبال دوست سو گند است

بجرم آشنائی کشتن عاشق روادار دے رتوا کہ دارد دلربائے آشنا دشمن کمر دارم
 ترک جان گفتن بے بند و عاشقانِ عبرت سہل باشد ترکِ جانان مشکل است
 پیر شد عبرت و دارد سر شوریدہ او دلہ شورش عشق تو گوئی کہ جو است ہمنوز
 یا جگر کاوی آن شتر مرغ کاں کم شد شبی یا کہ خود جسم مرا لذت آزار نماند
 دو دل بودن دیر رہ سخت تر عیب است سالک را

نخل از کفر خود ہستم کہ دارد بویے ایمان ہستم
 بہ تیغِ ادائے تو سر می فروشم قاتی غازی پری بد تیر نگاہت جگر می فروشم
 در جہاں مثلِ چسپا رخِ لالہ صحرایم اقبال نے نصیبے محفلے نے قسمتِ کاشا
 نظر در دیدہ ہچوں بادہ در پیمانہ می قصد
 جگر در سینہ ہچوں رند در میخانہ می قصد سہیل

آرزوئے چشمہ کوثر نہیں دلی تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا
 اے دلی غیر آستانہ یار دلہ جہہ سائی نہ کر خدا سے ڈر
 خدا کا آسرا عشقِ صنم ہے دلہ یہ دو باتیں ہیں جب تک تم میں دم ہے
 مفلسی سب بہار کھوتی ہے دلہ عشق کا اعتبار کھوتی ہے

ہوس ہے عشق کی اہل ہوس کو ہستم تو میاں
 مئے سے نامِ محبت کا زرد ہوتے ہیں قائم

اے خردمند و مبارک ہو تمہیں سسرانگی دلہ ہم ہوں اور صحرایہ اور وحشت ہوا اور دیوانگی
 گئے رونائے سہ کو پشکنا قدرت خوشایام اوقاتِ محبت
 عار ہے تنگ کو مجھ نام سے سبحان اللہ قائم کام پہنچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا

روا ہے کہ تو بھلائے سپہرنا انصاف سودا ریائے زہد چھپے رازِ عشق رسوا ہو

شکوہ آبلہ ابھی سے میسر تیر ہے پیارے حسنوز دلی دور

ایک سب آگ ایک سب پانی دلہ دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

اسیر زلفت کرے قیدی کند کرے دلہ پسند اس کی ہے جس طرح وہ ہند کے

آئیے کس واسطے دردِ میخانے کیچ میر درد اور ہیستی ہے اپنے دل کے چانے کے بیچ

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو

دلہ ✓

کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

اب زمانے میں کوئی یار کہاں ہوتا ہے بیچہ گر ہو ابھی تو وفادار کہاں ہوتا ہے

سودا میں گذرتی ہے کیا خوب طرح تاباں تاباں دو چار گھڑی ردنا دو چار گھڑی باتیں

جس نے ہر درد کو درماں بخشا سوز مجھ سے کافر کو بھی ایمان بخشا

اہل ایمان سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا دلہ آہ یارب رازِ دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا

لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہے کہیں

دلہ

عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

عمر آخر ہے جنوں کر لوں بہاراں پھر کہاں

یقین

ہاتھ مت پکڑو مرا یا رو گریباں پھر کہاں

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے دلہ میں بتوں سے پھروں خدا نہ کرے

ہم کو لیس و نہار نے مارا بیباک گردشِ روزگار نے مارا

ایک تو آگے ہی تھی رسوائی تپہ جوش بہار نے مارا

صبر کس طرح کیجئے بیباک اس دل بے قرار نے مارا

حُسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا

مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

دہلی کے کجکلاہ لڑکوں نے پیام کام عشاق کا تمام کیا

ایک عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

بہار آئی دوانے کی جسیرہ لو خشت اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

مائل سے یار و مردِ مسلمان یہ یہ ستم مائل اللہ کا بھی اُس بتِ کافر کو ڈر نہیں

✓ نہ چھپڑے نکلت بادِ بہاری راہ لگ اپنی

انشا

تجھے اُنکھیلیاں سو جھی ہیں ہم سبز اربٹھے ہیں

✓ میں وہ نہیں ہوں کہ اُس بت سے دل مرا پھر جائے

مصحفی

پھروں جو اُس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاکِ نظیر کیا آپی سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

خیالِ زلفِ بتاں میں نصیر پٹیا کر نصیر گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پٹیا کر

اے دستِ جنوں چل تو گریباں کی طرف بھی رنگین اور جی میں ترے آئے تو داماں کی طرف بھی

عام ہیں اُس کے تو الطافِ شہیدی سب پر

شہیدی

تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی متا بل ہوتا

✓ رنگِ عشرتِ باغِ عالم میں نظر آتا نہیں

ناسخ

گل کو گلچیں کا خطرِ بلبس کو غمِ صیاد کا

جنوں پسند ہے مجھ کو فصحا بولوں کی

دل

عجب ہمارے ان زرد زرد پھولوں کی

روحِ عشق کے آئین ہی ہیں کشورِ دل میں
 رہ و رسم و مناسبات جاری جو آگے تھی سوا اب بھی ہے

شونہ (محل نواب غازی الدین حیدر)

لے اڑی طرزِ فغانِ بلبلِ نالاں ہم سے
 دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
 ہم نکالینگے سن اے موجِ ہوا بل تیرا
 منت حضرتِ عیسیٰ نہ اٹھائینگے کبھی
 صبرِ یارب مری وحشت کا پڑیگا کہ نہیں
 پھر بہار آئی وہی دشتِ نور دی ہوگی
 عمر ساری تو کئی عشقِ تباں میں مومن
 قیس کا نام نہ لو ذکرِ جنوں جانے دو
 اے صبا جذبِ پہ جس دن دلِ ناشاد آیا
 صوفیوں میں ہوں رندوں میں نہ میخواروں میں ہوں
 لے ہو بندہ خدا کا میں گنہگاروں میں ہوں
 چھوڑ دوں گامین اُس بُتِ کافر کا پوجنا
 ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سی
 جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلیں جائے کیوں
 رنج سے خوگر ہو انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
 مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

سرِ ظفر

چھوڑ دوں گامین اُس بُتِ کافر کا پوجنا

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سی
 جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلیں جائے کیوں

دکھ
 ۷۰/۵۵

رنج سے خوگر ہو انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
 مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

یکسے باپوں جوں میں کیا کچھ دلا کچھ نہ کچھ دلا کر ہے کوئی
 چاہئے اچھوں کو بقہ اچھا ہے دلا یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے
 دے داد لے نکلتے لڑھکتے پوست کی دلا ہاں کچھ نہ کچھ تلاقی مافقت چاہئے
 نواب یوسف علی خان ٹانم (دلی راجہ)

جان دے کر بھی ہم عشق کی سرکرتا ہے یہ فرشتوں کا نہیں کام بشر کرتا ہے
 اُس نو بہارِ حسن کو بدنام مت کرہ شیفہ تھی شیفہ کے پہلے سے شور و غوغا میں
 باغ ہو آسپ رواں ہو اور شبِ مہتاب ہو

ساقی! ہوشیار ہوئے ہو جلسہ اجاب ہو
 خدا جانے کیا بات ہے اس میں خفی خفی کہ اس شلم بر دل کو بجا تاہمت ہے
 ہر شے کی شہادت ہو دل انداز ہو
 ہر شے پر ہوا نور و نور میں پر ہوا نور و نور کا

شہید ناز او قاتل رحیم ہیں دلا ترے انداز کے سہلی ہیں ہیں

جس پر ہے نظر اپنی نظر میں بھی وہی ہے
 اشکوں میں وہی دید و تریں بھی وہی ہے دلا

تیرے کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیر کو آبرو سرورشی کی تمنا ہے تو سر پیداکر
 کو چہر عشق کی زبوں کوئی چہر نہ چہر ہلا شکر کیا بلا میں غریب اگلے زمانے والے
 کبھی کی ہے ہوس کبھی کبھی تباہ کی ہے دلا بھوکہ خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے
 بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا دلا وہ کافر صمغ کیا خدا ہے کسی کا
 محشر میں وہ نادام ہوں شہید نہ کھائے دلا آنکھوں نے کبھی اُن کو بٹیاں نہیں دیکھا

کہہ دینگے ہم تو دادِ محتر سے صاف صفا

دل

اچھوڑ کر دل نے پیار کیا ہم نے کیا کیا

پہلے سے مرزا نگاہ میں گردنِ مشکان کے ہیں

دل

مجھ سے کہاں چھین گئے وہ ایسے کہاں کے ہیں

دل سے تو اس قماشِ کاپر و در و گارہ سے

دل

جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

کچھ ہو رہے کا عشق و ہوس کا بھی امتیاز — آیا ہے اب مزاجِ ترا امتحان پر

وہ ہم سے خفا ہیں، ہم ان سے خفا ہیں — گم بات کرنے کو جی چاہتا ہے

دل مرادِ بسته زنجیرِ زلفِ یار ہے محسن ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہیار ہے

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر حالی ابھی کچھ رنگ باقی ہیں جہاں میں ر

وفا اغیار کی اغیار سے پوچھ دل مرقِ الفت در دیوار سے پوچھ

ہماری آہ بے تاثیر کا حال کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ

یار ان تیس گام نے منزل کو جالیا دل ہم محوِ نالہِ جرسِ کارواں رہے

کیفیتِ نگاہِ سرور آفریں نہ پوچھ فانی شبنم کو جس نے بادِ عرفاں بنا دیا

نہیں یہ کہ بچتا بچاتا چلا جا جگر مراد آبادی محبت کی ہر چوٹ کھانا چلا جا

گلشنِ پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز

کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں دل

جگر کے اس شعر کا کیا کہنا، ایک روز یہ شعر میں نے مرزا ثاقب مرحوم کو سنایا، انھوں نے

داد دی اور کہا سنئے میں نے بھی یہی مضمون باندھا ہے، یہ کہا اور اپنا یہ شعر سنایا: ہ

نگہتِ گل رہی پھولوں میں مگر رہ نہ سکی

یہیں تو کائناتوں میں رہا اور پریشاں نہ ہوا

اس شعر کا تغزل قابلِ داد ہے ،

فکرِ منزل ہے نہ ہوشِ جادوِ منزل مجھے
جا رہا ہوں جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے

جگر مراد آبادی

اختر وہ ذوقِ عشرتِ رندانہ کیا ہوا اختر تہری شام و سحر و وظیفہ قرآن ہے آج کل

کیسے کیسے بُت ہے پیشِ نظر مجدوب اللہ روز و شب لب پر رہا

عشق وہ کیا کہ جس میں جاں نہ گئی عیاں دروہ کیا جو لا دوا نہ ہوا

فسردگیِ محبت کی اک علامت ہے جتن سا پتھر کہ حق میں غیر کے میں تجھ سے بدگمان رہا

تنگ آکر گردِ دشایم سے فضا جانند طرّ دل کو بہلاتا ہوں تیرے نام سے

اس وقت کس کو فکر ہے ساحل کی ہم نشیں

فضل

دیر یا بہاؤ پر ہے بسا جا رہا ہوں میں

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

فیض

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

جنونِ دل نہ صرف اتنا کہ اک گلِ پیر میں تک ہے

مہرِ جوج

قد و گیسو سے اپنا سلسلہ دار و درسن تک ہے

اب تو جو شے ہے مری نظروں میں ہے ناپائدا

حبیب احمد صدیقی

یا دایا میکہ عنم کو جادواں سمجھا تھا میں

لے دل سر نیاز کو کیا قیدِ سنگِ در دل کبھی ہی کیا بُرا ہے جو وہ آستان نہیں

محبت کو دیوانگی جانتے ہیں وہ محبت مگر پھر بھی کی جا رہی ہے
 جانتا ہوں مائلِ عشق مگر ناشاد جان کریں فریب کھانا ہوں
 نہ دنیا نہ عقبی کہاں جائیے جذبی کہیں اہلِ دل کا ٹھکانا نہیں
 اے موجِ بلا اُن کو بھی ذرا درد چار تھپیڑے ہلکے سے
 کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفان کا نظارہ کرتے ہیں
 ہم کو نسبت ہے اُس گلستان سے حیرت شلوی جس گلستان کا خار بھی گل ہے
 آگے جبین شوق تجھے اختیار ہے خار یہ دیر ہے یہ کعبہ ہے یہ کوئے یار ہے

کار ہائے عاشق

حاصلِ عمر نثار رہ یا کسے کر دم — شادم از زندگیِ خویش کہ کالے کر دم
 من نعتِ عمر صرفِ رویار کردہ ایم — کالے کہ کردہ ایم ہی کار کردہ ایم
 بنایا میں نے دلکش اور بھی نقشِ محبت کو دھست وفا کا رنگ بھر کر اُس کی تصویرِ خیالی میں

مکتبہ اسلامیہ

تصویر توحیٰ بیہودہ در دیوارے ————— اسے پروردگار شفیق و مہربان سے
 نیست مشوقی ہمیں زلفِ پلید اشتن ایضاً در دہر بسیار در دین و دنیا و لہذا و اشتن
 مشوق بھی انسان ہوتا ہے، کبھی نہیں وہ خود بھی گرفتار محبت ہو جاتا ہے، اس عالم میں اس
 پر جو گزرتی ہے، اس کا نقشہ نظیری اور غالب دونوں نے کھینچا ہے، 'لا خلد ہوں ان کی
 غزلیں :-

چشمش براہے میر و دفرگان نمناکش نگر نظری در سینہ دار دانتے پیراہن چاکش نگر
 واسے کز زلف انداختہ در گردن بزمینش بیدیں خونے کہ مژگان ریتہ بردہ امین پاکش نگر
 شرم از میاں انداختہ ہر از دہاں برداشتہ گھٹا رہے کچھ نہ ہیں زلفا رہے پاکش نگر
 از کوہے معشوق آدہ شوریدگان در حلقہ اش از صید آبومی رسد شیراں بہ ستراکش نگر

در گریہ از بس ناز کی مِخ ماندہ بر خاکش نگر غائب
 داں سینہ سودن از تپش بر خاک نمناکش نگر
 بر تے کہ جانہا سوختے دل از جہنا سر دہن ہیں
 شوخے کہ خونہا ریختے دست از حنا پاکش نگر
 آن سینہ کہ چشم جہاں مانسند جاں پوے نہاں
 اینک بہ پیراہن عیاں از روزن چاکش نگر

آن کو بہ خلوت با خدا ہرگز نہ کرے التجا نالاں یہ پیش ہر کسے از جوہر افلاکش نگر

غیر سے ملنے کو تیرے سُن کے گو ہم چپ ہے ر
 قائم پر سنا ہو گا کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا

نظیری اور غالب کی طرح سودا نے بھی ایک غزل کہی ہے جس میں انھوں نے معشوق
 کے گرفتار محبت ہونے کا نقشہ کھینچا ہے، اس غزل کا مطلع ہے : ۷

جو طیب اپنا ہے دل اس کا کسی پر زار ہے
 مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے
 جم گیا خون کھٹ قاتل پہ تیرا تیر ز بس
 اُن نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوئے دھوئے
 نواب آصف الدولہ آصف

عجب عالم نظر آتا ہے معشوقوں کے رویوں میں
 ذرا دیکھو تو آصف شمع کے آنسو دھککتے ہیں
 اسی دن کو تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
 اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر
 وزیر

کوچے میں جو عشاق بہت آئے ہوئے ہیں مشتری وہ خوف سے بدنامی کے گھبرائے ہوئے ہیں
 کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھ کر انور میری طرف تو دیکھئے سرکار کیا ہوا
 کسی کے عشق میں آفت ہے ان کا مبتلا ہونا

خدا جانے گذرتی ہوگی کیا کیا ان حسینوں پر
 آئے تھے جو سُننے کو فیانہ مرے دل کا ——— وہ جانتے ہیں ہاتھوں سے کیلجہ کو سنبھالے
 دھویا ہزار اس بُستِ سفاک نے مگر ——— دھبے ہمارے خون کے خجر میں رہ گئے

میرے غم میں آنسوؤں کا تار رہنے دیجئے وسیم آپ جھوٹے موتیوں کا ہار رہنے دیجئے

میرے غم نے ہوش اُن کے بھی کھو دئے

آرزو کلمنوی

وہ سمجھاتے سمجھاتے خود کھنچا رو دئے

اللہ اللہ رے خسار ستم — لڑکھڑاتے ہیں پانوں قاتل کے

ٹوکا جو بزمِ غیر سے آتے ہوئے انھیں حسرت کہتے نہ کچھ بنا وہ قسم کھا کے رہ گئے

کروٹیں کیوں مل رہے ہیں حضور! اثر کلمنوی ابھی آعناز ہے کہانی کا

تم بھی ہو جاؤ گے آرزوہ محبت کر کے شہیدِ بایونی یہ بھی افتادِ پڑے گی مجھے معلوم نہ تھا

افشائے رازِ عشق و محبت کے خوف سے

جوش

اُن انکھڑیوں کا گریہ پنہاں نہ پوچھئے

مصائبِ عاشق

سرخ و غم

سودائے سرِ بے سرو ساں کیسو شیخ ابوالحسن اندیشہ خاطر پریشاں کیسو
 بے مہرئی چرخِ وجہِ دوراں کیسو اینہا ہمہ کیسو غمِ جاناں کیسو
 زندگی درِ دوسر ہوئی حاتم حاتم کب ملے گا مجھے پیا میرا
 بحرِ اس کے کہ خوب روئے اور قائم غمِ دل کا کوئی علاج نہیں
 دیدنی ہے شکستگیِ دل کی تیر کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے
 قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے ناسخ جو شخص کہ جس چیز کے قابلِ نظر آیا
 بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا غمِ ہم کو دیا سب کے جو شکلِ نظر آیا
 رحمِ آتل ہے مجھے اس فوجانی پر تری شہیدی لے شہیدی رات دن کا رنج و غم اچھا نہیں
 کہتے ہیں میرے دوست مرا حال دیکھ کر صبا دشمن کو بھی خدا نہ کرے مبتلائے رنج
 دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا غالب میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
 آئے ہے بیکسی عشق پہ روزِ غالب دلا کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد
 یادِ غمِ دل سے کبھی جاتی نہیں عشق اب تو بھولے سے ہنسی آتی نہیں
 مجھے غم سے اس واسطے پیار ہے — کہ میرے بُرے وقت کا یار ہے
 مرنے کا اپنے غم نہیں پر غم یہ ہے کہ غم — بیکس ہوا، غریب ہوا، بے وطن ہوا

کاشک بے بہا کرے، درد بڑھے بڑھا کرے

لذتِ سوزِ غم گھٹے، ایسا نہ ہو خدا کرے

بہت رہ چکے حضرتِ عِسم یہاں جیلِ کرم کرتے اب اور گھر دیکھتے
دیکھوں، ہجومِ غم میں وہ لے کس طرحِ خبرِ آسفر یہ اُس کا امتحان ہے مرا امتحان نہیں
اب کسی وقت کاوشِ غم سے حیرت کچھ سکوں ہو تو ہو نجات نہیں
خدا کی دین ہے جس کو نصیب ہو جائے اثرِ سہائی ہر ایک دل کو غم جاوداں نہیں ملتا

دردِ دل و دردِ جگر

کارم ز دورِ چرخِ بہساں نمی رسد حافظِ خوش شد دلم ز درد و بدرماں نمی رسد
مرادِ دیست اندر دل اگر گویم زباں سوز — و گرم در کشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوز
دردِ دستِ طیب است علاجِ ہمہ درے قنّانی دردے کہ طیبیم دہد آں را چہ علاج
من ازیں دردِ گرانیامیہ چہ لذتِ یابم عرقی کہ باندازہ آں صبر و شہادتم دادند
اے کہ فکرِ چارہٴ بیماریِ دل میکنی صائب نسبتِ خود را بہ چشمِ یارِ باطل میکنی
میں اپنے دردِ دل کہنے کے صدقے قنّان تھے سُن سُن کے چپ رہنے کے صدقے
دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا قائم آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

کہیں کیس دوسرا مصرعہ یوں دیکھا ہے :

بے کہے بھی رہا نہیں جاتا

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
رقمت میں جو لکھا ہو الہی شتاب ہو

ہائے اُن خجی شمشیرِ محبت کا جگر تیر درد کو اپنے جونا چار چھپا رکھتا ہو
 اک ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے، اک درد جگر میں ہوتا ہے
 ہم راتوں کو اُٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے
 کون سے زخم کا کھلا ٹانکا ضیا آج پھر دل میں درد ہوتا ہے ✓
 اب تو اس دردِ دل کی تاب نہیں مصحفی مصحفی کچھ دوا کئے ہی بنی
 کہیں تو کیا کہیں اور بن کے کیسے دوا ہوے

بڑی شکل پڑی کیا چارہ درد نہاں کیجے
 خدا ہی خیر کرے آج زنگِ ٹیٹھ ہے قلق ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا
 فغاں میں آہ میں فریادیں، شیون میں نالے ہیں
 سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے ہیں

علاجِ دردِ دل تم سے میسا ہو نہیں سکتا دلہ تم اچھا کر نہیں سکتے میں اچھا ہو نہیں سکتا
 ایک دم بھی کسی کروٹ نہیں ملتا آرام منی بائی جابا ہائے پیچیدہ ہیں ہم دردِ جگر سے کیا کیا
 اک عمر چاہتے کہ گوارا ہموشِ عشق عالی رکھی ہے آج لذتِ دردِ جگر کہاں
 ایک دفعہ میں نے مرزا تاقب مرحوم سے استدعا کی کہ حالی کا کوئی شعر سنائیں، مرزا صاحب

مرحوم نے یہی شعر سنایا اور اس کی تعریف کی،

علاجِ شدتِ دردِ جگر کرے کوئی اہتم جنہیں خبر نہیں اُن کو خبر کرے کوئی
 نہایت شدتِ دردِ جگر ہے دلہ میسا کچھ ہماری بھی خبر ہے

ترے درد کا دلِ ناتواں شبِ غم علاج میں کیا کروں ✓
 نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں

شاعر عظیم آبادی

یوں ہی راتوں کو تڑپینگے یوں ہی جاں اپنی کھوینگے

تری مرضی نہیں اے دردِ دل اچھا نہ سوئینگے

جی بہلنے کو لوگ مُنتے ہیں بیلِ دردِ دل داستان ہے گویا

متاعِ زسیت کیا ہم زسیت کا حامل سمجھتے ہیں

اتنصر

جسے سب درد کہتے ہیں اُسے ہم دل سمجھتے ہیں

ناطق

کیا بتاؤں دل کہاں ہے اور کس جا درد ہے

میں سراپا دل ہوں دل میرا سراپا درد ہے

اپنا اپنا حال کہہ لینے دو ناطق سب کو تم

جاننا ہے وہ کہ کس کے دل میں کتنا درد ہے

اُسی آدنی

میں اپنے دل سے کہتا ہوں کہ اب تو درد کچھ کم ہے

مراد دل مجھ سے کہتا ہے کہ اکثر یوں بھی ہوتا ہے

آج تسکینِ دردِ دل مٹانی قاتی وہ بھی چاہا کئے مگر نہ ہوئی

نہیں کہ درد نہیں میرے دل میں اے قیتر

قیتر

مگر یہ ہے کہ اب احساسِ درد کچھ کم ہے

دردِ سینے میں کہاں اور کدھر ہوتا ہے بیدل عظیم آبادی ہم تو یہ کہہ نہیں سکتے ہیں مگر ہوتا ہے

ہوئی مدت کہ دل میں درد باقی ہے نہ بیتابی جیبِ احمد صیقی بیانِ دردِ دل میں ہے مگر لطفِ بیاں اب تک

زخمِ دل و زخمِ جگر

زمنِ مہرِس کہ از دستِ اودلم چون است سدی ازو پیرس کہ گشتا شش پُر خون است

جرحِ جگر خستگان چہ می پُرسی خرو زغمزہ پُرس کہ این شوخی از کجا آموخت
 کے بہرِ نامحرّمے چاک جگر خواہم نمود سائب منکہ زخمِ خود نہاں از چشمِ سوزنِ اِشتم
 جز خارِ عِسمِ زُست ز گلزارِ بختِ ما جمد آں ہم غلیہ در جگرِ بختِ بختِ ما
 زخمِ دل منظرِ مبادا بہ شود آگاہ باش منظرِ جانِ کاین جراحِت یادگارِ ناوکِ شرکانِ اوست

ایں دلِ چاک چاک را یا ز کرم دوا بکن

یا قدرے منزدوں ازین تا نمکند دوا طلب

پہلو بنگافید و سنیہ جگر را غالب تا چند بگویم کہ چیاں بہت و چیاں نیست
 زخمِ دل ہونے دے ناسو نہ کر اس کا علاج دادد در دیں جو کہ مرزا ہے نہیں دماں کے بیچ

حسابِ اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا
 حسابِ دوستان در دل اگر وہ دلربا سمجھے ذوق

زخمِ سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن

غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں غالب

جس زخم کی ہو سکتی ہو تندیسِ فوکی دلہ یا رب اُسے لکھ دیجیو قسمت میں عدد کی

شق ہو گیا ہے سینہ نے لذتِ فراغ دلہ تکلیفِ پردہ دارئی زخمِ جگر گئی

پھر پرکش جراحِ دل کو چلا ہے عشق دلہ سامانِ صد ہزار نمکدان کے ہونے

ہر جگہ چھچھ کے نوکیں رہ گئیں سو فار کی ارشد گود پھولوں سے بھری ہے زخمِ دہنِ لاری

ظاہر میں تو کچھ چوٹ نہیں کھائی تھی ایسی اسی غازی پوری کیوں ہاتھ اٹھایا نہیں جاتا ہے جگر سے

لو تھمتا نہیں زخمِ جگر کا جیب نہ اچھے ہونگے اب اے چارہ گریم

ہیں کتنی ہے دنیا زخمِ دل زخمِ جگر والے سائل در اتم بھی تو دیکھو تم بھی ہو آخر نظر والے

موجہ گل کی روانی گرد تھی اثر وہ لکنا زخم دامن دار کا

سنگِ طفلان

کو دکاں سنگ بکف بر سر راہند غنی غنی خواہم اس تیرے بنام من دیوانہ افتد
می رسد از سادہ لوحیہا دل از غوغائے شہر

ناصر علی

سنگِ طفلان صندل در دسر دیوانہ بود

سنگھا در دست طفلان ماند چوں در در صدف

خالص

من نمیدانم کج رفتند اس دیوانہا

دیوانہ براہے رود و طفل بر آہ دلہ یاراں مگر اس شہر شام سنگ ندارد

بجائے سنگ طفلان پارہ ہائے شیشہ باید زد

منظر جانجناں

چو منظر میرزا دیوانہ نازک طبیعت را

بنیر خشت کتابے بدست طفلان نیت دلہ خراب ساختہ دیوانہ تو مکتبھا

سرم از سنگ طفلان لالہ زار است دلہ جنوں گل کرد ایام بہار است

زود دکان خود اے شیشہ گراں تختہ کنید

دلہ

فوج طفلان بکف منظر مامی آید

یارب چہ سازد با سنگ طفلان واقف نازک دل من مینا دل من

گوناگوں

ماجرائے دل نمی گویم ز کس سہی آبِ چشم ترجمانی میکند

زینِ دلِ خود کام کارِ من بہِ رسوائی کشید خسر و خسروا فرمانِ دل بُردن ہمیں بار آورد

امیر خسرو نے جب خان شہید کی ملازمت کی تو حسن بھی اُن کے ساتھ ملازم ہوئے، دونوں کے تعلقات اور محبت کا چرچا زیادہ پھیلا تو لوگوں نے خان شہید سے شکایت کی، امیر خسرو نے اس سلسلے میں ایک غزل کہی، شعر مندرجہ بالا اُسی غزل کا مقطع ہے، خان شہید نے بدنامی کے خیال سے حسن کو امیر خسرو سے ملنے سے منع کر دیا، لیکن کچھ اثر نہ ہوا، خان شہید نے حسن کے ہاتھ پر کوڑے لگوائے، حسن سیدھے امیر خسرو کے پاس گئے، خان شہید کو اُسی وقت پرچہ لگا، نہایت متحیر ہوا، اور امیر خسرو کو بلوا بھیجا، آئے تو پوچھا کیا حال ہے، امیر خسرو نے آستین سے ہاتھ نکالا اور کہا: ہ

گواہِ عاشقِ صادق در آستین شد

خان شہید نے دیکھا تو جہاں حسن کے کوڑے لگے تھے وہیں امیر خسرو کے ہاتھ پر بھی کوڑے لگنے کے نشانات تھے،

شبِ تاریکِ نیمِ موج و گردِ ابے چنیں بائِل حَافِظ کجا دانند حالِ ما سُبکسارانِ ساحلِا
من از بیگانگان ہرگز نہ شالم دلا کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد
بختِ حافظِ گز ازیں گو نہ مدد خواہد کرد دلا زلفِ آں شوخ بدستِ دیگرانِ خواہد بود
ایں زماں بے نسبتِ سنخ و گرنہ پیش ازیں
دستِ من در زلفِ او گستاخ تر از شانہ بود سنخ

جہاں گشتم و در دابہِ هیچ شہر و دیا عرنی نیافتم کہ فرو شدند بخت در بازار
مردم از شرمندگی تا چند باہر ناکسے نظیری مردم از دہنہا بند و گویم یا نہایت
فغان کہ بند قباے تو باز خواہد شد دلا کہ بادہ بے ادب افتاد و صبا گستاخ

سوزی چہ مرگ می طلبی از خدا کہ نیست سوزی آسودگی نصیب تو در زیر خاک ہم
طرز دلبر نیم تا کہ پریشاں بسین ملائش چشم عاشق نیستم تا چند جیساں زین
اسیر از دوست پرسیدن چہ حاجت اسیر سوالے را کہ دشنامش جواب است
روئے آسانی نہ بیند مطلب دشوار ما ظوری درد ما دربان ما آرام ما آزار ما
ز غیری کم از دست بیکسی میدی میدی تحلی کہ ز معشوق خویش نتواں کرد
در سراق تو چناں لے بت محبوب کم غفلت کاش صبر ایوب کم گریہ یعقوب کم
مغنون نے اس شعر کا ترجمہ اردو میں کیا ہے 'اُن کا شر آپ کو آگے دینگا'

خندہ بر بخت زخم یا بہ جہاں کا رُئی دست کلیم گریہ بر خویش کم یا بگرفتاری دل
از نالہ و فغان من آمد جہاں جہاں قبری آن سنگدل گفت کہ آیا فغان کیت
چوں نامہ نیاز ضمیری رسید خواند پرسید بر سبیل تعاف من از ان کیت
عاشق ز خلق عشق تو پہناں چساں کند ^{جانان پیغمبر خست} ^{عبد الرحیم خان} پیدا است از دو چشم ترش خوں گریستن
پس از عمرے اگر حال من بیماری پُرسد ————— نمی پُرسد ز من آن نیز از اغیار می پُرسد
ز شرح قصہ ما خواب رفت از چشم خاصاں را
شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

بیگانہ ہم یہ پرسش احوال ما رسید ————— درد اکہ کار ما بہ محبت کجا رسید
انچہ جسم از دل برد تا شیر نہ یاد من است
انچہ نسیاں آورد خاصیت یاد من است
نہ قاصدے نہ پیلے نہ مرغ نامہ برے ————— کسے ز بیکسی ما نہی برد خبرے
نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درخت سایہ دارم ————— ہمہ حیرتم کہ مارا بچہ کار کشت دہقان

سراغ یک نگاه آشنا از کس نمی یابم ————— جہاں چوں زرگستان بے نوشهر کوری نام
 روز یکی کس نیست غیر از سایہ یار من ————— مگر آں ہم ندارد طاقت شہلے تار من
 افسوس کہ کار شکل افتاد ————— قلم بہ رضائے قاتل افتاد

از بہار دیگران گلمائے باغم تازه شد فطرت کاشی ہر کرد دیدم کہ داغے داشت داغم تازه شد
 سر شوریدہ و جان حسر لے نسبتی چہ می پرسی سرو سامان مارا

می روی و خشک می گردد زبان گفتگو دل می روی و می تراود از بیم گفتار با
 خندہ خندہ ہیچ کہ عالم نمی پرسی بناز دل گریہ گریہ آبروئے دیدہ خونبار رفت

پارہ دل بر جگر نختے جگر بروئے دل دل پارہ را دو ختم اما پریشاں دو ختم
 میان نور و ظلمت عالمے دارم نمی انم صائب کہ شام صبح یا صبح امیدم شام می گرد

بہویت صبحدم گریان چو شبنم در چین رفتم دل نہادم رو بروئے گل و از خوشتن رفتم
 جاں بہ لب از ضعف نتواند رسید غنی ما بزور ناتوانی زندہ ایم

کباب آتش عشقم ندارم ہیچ دلسوئے دل کہ گرداندم را ہر خطہ پہلوئے بہ پہلوئے
 آن شوخ نظر بمن ندارد چہ کنم سر آہ دل من اثر ندارد چہ کنم

با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند از حال دلم خبر ندارد چہ کنم
 غم عالم فراوان ست و من یک غنچہ دل دارم

چہ ساں در شیشہ ساعت کنم ریگ بیابان عالمگیر
 نور بہار آخر شد و ہر گل بفسر جا گرفت

غنچہ باغ دل ما زیب دستک نشد زیب النساء
 مارا نبود طاقت برخاستن از جا یقین داغیم ہر جا کہ شستیم شستیم

’دآغ کا مصرعہ “ حضرت دآغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے ” اس شعر کے دوسرے مصرعہ کا لفظی ترجمہ معلوم ہوتا ہے، یہ محض امر اتفاقی ہے، دآغ کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ یقین کا کلام دیکھتے، یہ یقین اردو شاعری والے یقین نہیں ہیں، ان کو افتخار نے تذکرہ ”بنظیر“ میں ایک درویش مستغنی مزاج لکھا ہے،

قتلِ عام ختم ہو چکا تھا اور محمد شاہ و نادر شاہ میں صلح ہو چکی تھی، محمد شاہ نے نادر شاہ کے اعزاز میں شاندار ضیافت کی، مجلسِ رقص و سرود بھی برپا ہوئی نور بائی ایک سحر طراز قاصدہ تھی، اُس کا گانا سن کر نادر شاہ پر حالتِ وجد طاری ہوئی اور پکار اٹھا: ”نور بائی روئے ہندوستان سیاہ کن، بیا کہ ترا ایران بریم“ نور بائی کی روح کانپ اُٹھی کہ نہ جانے ایران جانے پر کیا حشر ہو، اس نے اپنے ہوش و حواس کی شیرازہ بندی کی اور یہ اشعار پُر لطف انداز سے گائے:۔

من شمعِ جاں گدازم تو صبحِ دلکشائی سوزم گرت نہ بینم میرم چو بخ غائی
نزدیکتِ این چنینم دور آں چناں کہ گفتم نے تابِ وصلِ دارم نے طاقتِ جدائی

نادر شاہ اس لطیف جواب کو سن کر خوش ہوا، انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اور اپنا ارادہ ترک کر دیا،

آصف جاہ اول، آصف

حالِ خود را از طیبیانِ جہاں آصف گو درِ عشقِ یار دار و ذوقِ درمانے دگر
بر اوجِ بیکسیِ ما پریمس نہ رسد انجام رسیدہ ایم بجائے کہ کس بہمانہ رسد

گمبید آہ پیش من گمبید مقرر جانان کہ معشوق کسے عاشق نواز است

سوزِ دل را از بنِ ہر مونسایاں کردہ اند
ایں جفا جویاں مرا سر و چراغاں کردہ اند

دل

تمت زدہ ام کرد بہ عشقِ دگرے کاش
پرسند کہ غمیرا ز تو بعالمِ دگرے ہست

دلی

بہر تو شنیدہ ام سخنِ دل شاید کہ تو ہم شنیدہ باشی

نہ تبسمے نہ لطفے نہ تکلمے نہ حرفے مانعِ بگڑائی بچساں کنم تسلی دلِ بے قرار خود را

خلشِ نشترِ غم در رگِ جاں است کہ بود

چشمِ خوں زِ دل و دیدہ رواں است کہ بود

جانِ غالبِ تابِ گفتارے گمانِ اری منو غالب سخت بے دردی کہ می پرسی زیبا احوالِ ما

ما و خاکِ رہگذر بر فرقِ عسریاں ریختن دل گُل کسے جوید کہ او را گوشہٗ دستارِ بہت

گر دہم شرحِ ستہائے عزیزانِ غالب دل شرطِ امیدِ ہمانا زہاں خبریہ

قسمتِ نگر کہ بادلِ چاکم برابرست دل جیسے کہ مدعی بہ ہوس پارہ میکند

غالب بہ چیں کشاکش اندر دل یا حضرتِ بو ترابِ تناکے

فرضِ کردم کہ بزلفش نہ فروشم دل دیں مشقی در بغارتِ برد آں نگرِ فستاں چہ کنم

قصہٗ دلِ گفتنی ست در جبِ گرفتاری ست آفتابِ خلوتیاں کجا بر م لبتِ ہائے ہائے را

ارغی گوید ز بانم حالِ دل آزاد رنگِ رویم تر جانی می کند

چو شمعِ سوزاں چو ذرہٗ حیراں ز مہر آں مہ بگشتمِ آخر

خسرو

نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں

کہے تھے پیا بن صبوری کرو قطب شاہ کہا جائے اما کیا جانے ناں
یوں آبرو بنائے دل میں ہزار باتیں آبرو جب تیرے آگے آئے گفتار بھول جائے
مضمون کے کے زمانے میں ایک امیر باہر سے محل میں آئے، پلنگ پر لیٹ گئے
اور حقہ طلب کیا، ایک بڑھیا ماما نئی نئی نوکر ہوئی تھی وہ حقہ بھرائی اور اُسے
سامنے رکھا، امیر کی زبان پر اُس وقت مضمون کا یہ شعر تھا: ۛ

سہم نے کیا کیا نہ تیرے عشق میں محبوب کیا
صبرِ ایوب کیا، گریہِ یعقوب کیا

ماما سن کر بولی ”الہی تیری امان! اس گھر میں تو آپ ہی پیغمبری وقت
پڑ رہا ہے، بیچارے نوکروں پر کیا گذریگی، چلو بابا یہاں سے“ یہ کہہ
کر چل دی، ”پیغمبری وقت“ والا جملہ کس قدر فصیح ہے!

باور اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے فقاں آنسو ڈھلک گئے کہیں نخت جگر کہیں
ایک دن ہاتھ لگایا تھا تھے دامن کو حاتم اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ

رقیباں کی نہ کچھ تفصیر ثابت ہے نہ خوباں کی
مجھے ناحق ستانا ہے یہ عشق بدگماں اپنا

منظر جاننا

حجابِ عشق اگر حائل نہ ہوتا میر حسن تو ملنا یار کا مشکل نہ ہوتا
کروں شکوہ تو بے وسواس میں اُس کے نہ آنے کا
نہ ہو دھڑکا مرے دل میں جو اُس کے روٹھ چکا

کب میں گلشن میں باغِ باغ رہا دل میں تو جوں لالہ داغ داغ رہا
قمار محبت میں بازی سدا دل وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا

نہ میں شمع ساں سر بر جہل گیا ولا سراپا محبت میں گھر جہل گیا
اس زمانے میں لے آجس مت پوچھ ولا ہے محبت کہاں کہاں خلاص
کیا ہنسنے کیا خاک کوئی رو سکے ولا دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

کس سے پوچھوں حال میں باشندگانِ دل کاٹنے
اس نگر کے رہنے والے کس نگر کو اٹھ گئے ولا

شاکستہ دنیا نہ سزاوار ہوں دیں کا قدرت لے لئے یس قدرت نہ اُدھر ہوں نہ اُدھر چو
ہر دم آنے سے یس بھی ہوں نادم قائم کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
قسمت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جاکمند ولا دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا
کہیں کہیں یہ شعریں بھی دیکھا ہے :

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند ولا کچھ دُور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تیری ولا مر چکے ہیں اسی آزار میں بیمار بہت
ہوس ہے عشق کی اہل ہو اکو ہم تو میاں ولا سُننے سے نام محبت کا زرد ہونے میں
مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے ولا جو گزرتے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے
دُنیا میں ہم رہے تو بہت دن پر اس طرح ولا دشمن کے گھر میں جیسے کوئی مینہاں ہے
جس چشم نے مجھ طرف نظر کی سودا اُس چشم کو یس پُر آب دیکھا
تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا ولا لذت کو اسیری کے کر یاد بہت رویا
سو اسے یہ میں پوچھا دل میں بھی کسی کو دُوں ولا وہ کر کے بیاں اپنی روداد بہت رویا
کرتے ہیں اسیرِ قفس و دام بھی فریاد ولا لے سکتے نہیں سانس گرفتارِ محبت
ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم ولا گردن زدنی ہے سو گنہگارِ محبت

اے لالہ گو فلک نے دئے تجھ کو چار داغ دل چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ
یوں دیکھنا ہوں اُس ستم ایجاد کی طرف دل جوں صید وقت بیچ کے صیاد کی طرف
دل کو تو سو طرح سے دلاسا دیا کروں دل آنکھیں جو مانتی نہیں سو اس کو کیا کروں
میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد دل جو کچھ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

جی تک تو نے کے لوں میں کہ ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ظاہر میں دیکھنے کے تو اسباب بھی نہیں دل آوے مگر وہ خواب میں سو خواب بھی نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بے نسل کے بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ عسلاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
جس سے پوچھا کہ دل خوش ہے کوئی دنیا میں
رو دیا اُن نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

فکرِ معاش ذکرِ بتاں یادِ فرستگاں دل اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کرے
پڑا ہے پائے ایک ایسے کے دل کہ جو ناداں دل وفا کی راہ نہ رسمِ شمری جانے
کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو یار آتا تیر سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
تاب کس کو جو جاں میسر سنے دل حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا
فغاں مجھ مست میں پھر خندہِ قلقلش ہو گیا دل مئے گلگوں کا شیشہ چکیاں لے لے کے رو گیا

یاں کے سپید و سہ میں اپنا دخل جو ہے سوتا ہے

رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا

ہم اے آگے ترا جب کسی نے نام لیا دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

سب مجھے نادم پئے تدبیر ہو جان سمیت دلہ تیر تو نکلا میرے سینے سے لیکن جاں سمیت

جی میں تھا اس سے ملنے تو کیا کیا نہ کئے میسر

پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر دلہ

گھر سے اٹھ کر کوپے میں بیٹھا بیت ٹپے دو باتیں کیں

رکس کس طور سے اپنے دل کو اُس بن میں بسلتا ہوں دلہ

بھری آتی ہیں آج یوں آنکھیں دلہ جیسے چشمے کہیں ابلتے ہوں

بھرے ہتے ہوں ہر دم پھول ہی جس کے گریباں میں

وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے اماں میں دلہ

نامرادانہ زلیبت کرتا تھا دلہ میر کی وضع یاد ہے ہم کو

اب حالِ دل ہے اُن کے لخواہ دلہ کیا پوچھتے ہو الحمد للہ

کیا کروں شمعِ خستہ جانی کی دلہ میں نے مرمر کے زندگانی کی

مقدور بھر تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں

دل سے نکل ہی جاتی ہے کچھ بات پیار کی دلہ

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں دلہ اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

میری تغیر حال کو مت دیکھ دلہ افستِ لابات ہیں زمانے کے

بہت سہی کیجے تو مر رہے میر دلہ بس اپنا تو اتنا ہی معتدور ہے

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا دلہ میر درد پر تمے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

نالہ فریاد آہ اور زاری دلہ آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی دلہ ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

مژگانِ ترہوں یارِ گِ تاکِ بُریدہ ہوں دلُ جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرضِ آفتِ رسیدہ ہوں
 ہر شامِ مثلِ شامِ رہوں ہوں سیاہ پوش ہر صبحِ مثلِ صبحِ گریباںِ دیدہ ہوں
 اے دردِ جا چکا ہے مرا کامِ ضبط سے میں غمزدہ تو قطرہِ اشکِ چسکیدہ ہوں
 دردِ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے دلُ جو سانس بھی نہ لے سکے وہ آہ کیا کرے
 میری تفسیرِ حالِ پرمت جا دلُ یوں بھی لے مہربان ہوتا ہے
 اگر آہ بھرئیے اثرِ شتر ہے دلُ دگر ضبط کرئیے جگرِ شتر ہے

میں نے پوچھا کل ضیا سے دل کو کیدھر کھودیا

ضیا

اُن نے کوچے کو ترے بتلا کے ٹپ ٹپ رو دیا

تھی آشنا نہ تیغ سے اُس کی کمر ہنوز ہر زانوئی دلی ہم تب سے ہاتھ پر لئے پھرتے ہیں سر ہنوز
 دلِ ترپے ہے اور دیدہ تکے راہِ کسوکی نظامِ یارب نہ کسی دل کو لگے چاہِ کسوکی
 وہ برہمن بچہ افسوس کر لے ہم نفساں ہاشمی قصہ دردِ مرا رام کہانی سمجھا
 یار ہنستا ہے چشمِ تر کو دیکھ ہوس گر یہ ٹمک اپنے تو اثر کو دیکھ
 وہ تو سنا نہیں کسی کی بات تاباں اُس سے میں حال کیا کہوں تاباں
 انجان ہو تو اُس سے کہے کوئی حالِ دل دلُ جو جانتا ہو سب اُسے آگاہ کیا کر دل
 گئے نلے ترے برباد مانند جس چپڑ دلُ اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپڑ
 پگڑی اپنی سنبھالے گا میرے بقا اور بستی نہیں یہ دلی ہے
 نہ شہر بھاگے نہ صحرا لگے بھلا مجھ کو پیش الہی بیٹھے بٹھلے یہ کیا ہوا مجھ کو
 تن پر میرے زخموں سے جاگ نہیں خالی ہے قیس اور ہائے ستم اُس نے پھر تیغِ سنبھالی ہے
 قتل کا تو نے جو حسرت کے کیلے ساما مرزا جعفر علی حشر کچھ رہا ہے مگر اُس بے مرساں میں ہنوز

کسے منظور تھا یوں تلخ کیجے زندگانی کو دلؔ دلے کیا کیجئے حسرت بلائے ناگمانی کو
 رات کو نیند ہے نہ دن کو صُبح سوزؔ ایسے جینے سے اے حسدِ اگدرا
 ایک آفت سے تو مر کے ہوا تھا جینا دلؔ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی
 اشکِ خوں آنکھوں میں جم کر رہ گئے دلؔ دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے
 جو کچھ کہیں یہ تجھ کو یقین ہے سزا تیری یقینؔ بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا حسدِ انا تھا
 کہے بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق دلؔ اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

نواب آصف اللہ آصف

بڑا چرچا بڑھیکا اس کا آصفؔ ہر اک بے درد کو تو مت سُنا درد
 لاکھوں جفا و جور سے اُس سے لیک آہ دلؔ جاتی نہیں ہے دل سے مرے چاہ کیا کروں

جو دیکھوں غیر سے ہمسام تو غیرت مار ڈالے ہے
 اگر آنکھیں چراتا ہوں تو اُلفت مار ڈالے ہے دلؔ

کہاں کی یہ بلا تھیچھے پڑی یا رب کہاں جاؤں
 مجھے تو رات دن یا رب محبت مار ڈالے ہے
 گو دل سے زباں تک ہیں ہزاروں ہی نگلے پر
 کچھ منہ سے نکلتا ہی نہیں وقت ملے پر جرات

اے ستم ایجادِ کب تک یہ ستم دیکھا کریں دلؔ تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کرتے ہیں
 جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں
 کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے وقف نہیں دلؔ

جب یہ سنتے ہیں وہ ہمارے میں ہیں آئے ہوئے دلؔ کیا دروہام یہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

گھر میں کیا بیٹھا ہے ظالم آتما شا تو بھی دیکھ دلا کھینچ لائی ہے سر بازار رسوائی مجھے
 غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہے دلا ہے اسی عالم میں لیکن اُس کا عالم اور ہے
 نہ چھپڑائے نگہت باد بہاری راہ لگ اپنی
 تجھے اٹھکھیلیاں سو جھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں انشا

ہوں گر چہ بیگنہ پہ مجھے تیرے روبرو تھکھی سر کو جھکائے مشل گنہگار بیٹھنا
 ایک صورت کے لئے اس عشق میں دلا سیکڑوں صورت کی ہیں رسوائیاں
 فلک گرہنسا تا ہے مجھ پر کسی کو دلا میں ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہوں
 بات کرتا نہیں وہ شوخ کبھی بھولے سے دلا جان کر ہم کو محبت کے گنہگاروں میں
 دہن بیگم (محسن نواب آصف اللہ)

دن کٹا فریادیں اور رات زاری سے کٹی عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

قسم ہے ایک عالم کو رُلا دیتا ہے ابے رنگیں رنگیں
 وہ اُس کی جھڑکیاں کھا کر ترا مجسور ہو جانا
 ایسے ظالم کو دل دیا ہم نے دلا آہ اتد کیا کیا ہم نے
 یہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
 کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے
 ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں سکتے

شہیدی

دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں
 لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں جتنا آتش زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا
 دوستوں سے اس قدر مدد اٹھائے جان دلا دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

فروش گل بہتر تھا اپنا خاک پر سوتے ہیں اب
 خشت زیر سر نہیں یا تکیہ تھا زانوے دوست
 چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
 خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور سم کہیں

سانس دیکھی تن سہل میں جو آتے جاتے
 بیکسی پیدا ہوئی میرے لئے
 فائدہ عرض مدعا کر کے
 خوشی سے اپنی رسوائی گوارہ ہو نہیں سکتی
 کس درجہ تنگ ہوں تم سے ہاتھوں لے جو
 نا لائق التفات والطفان متاثر پوری میں ہی ہوں تمہیں تو کیا کہوں میں
 اُٹھے نہ آنکھ ہلائے نہ کوئی لب اللہ
 اتنا ہلک ہلک کے جو اُٹھے ہو خیر ہے
 کیا کہیں ہجر برا اور وصال اچھا ہے احباب یا جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

نواب الی بخش خان معتمد

در دہریں ہے کسے صندل لگانے کا داغ
 کہیں کہیں پہلا مصرعوں دیکھا ہے
 کیوں سنے عرض مومن مضطر مومن
 یہ عذیر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
 اس نقش پاکے سجدے نے کیا کیا ذلیل
 اس کو چہر قریب میں بھی سر کے بل گیا

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم دل مند دیکھ دیکھ لڑتے ہیں کن سبکی سے ہم
 ٹھانی تھی جی میں اب لینگے کسی سے ہم دل پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
 کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں دل سائے رنگے تمام ہوئے اک جواب میں
 کرتے وفا اُمیدِ جفا پر تمام عمر دل پر کیا کریں کہ اس کو سر امتحان نہیں
 یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے دل کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے
 حسد کی بے نیازی آہ مومن ہم ایماں لائے تھے جو رشتاں سے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
 ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہو گئے
 نہ اٹھا گیا دل کے ہاتھوں سے تنکیں تنکیں دل
 کہا اُس نے جو سب سنا بیٹھے بیٹھے
 یوں لائے واں سے ہم دل صد پارہ ڈھونڈ کر
 دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اکٹھا لیا ذوق

پھر مجھے لے چلا وہیں دیکھو دل دل خانہ خراب کی باتیں
 نکالوں کس طرح سینے سے اپنے تئیں دل
 نہ پریاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پریاں کو
 اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے دل
 ذوق کا یہ شعر کسی نے مرزا غالب کو سنایا 'پوچھا کس کا شعر ہے' جواب
 ملا ذوق کا فرمایا کیا ذوق بھی ایسا شعر کہہ سکتے ہیں 'ذوق غالب نہ
 رہے ہوں مگر پھر بھی ذوق تھے'

ستم کو ہم کہہ سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے دل جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس سے بڑا سمجھے

کون پر سنا ہے حال بسمل کا بیمار خلق منہ دکھیتی ہے وصال کا
سانس آہستہ لیجیو بیمار ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

یوں تو مدت سے ہے الطاف و عنایات میں فرق
لیکن ایسا نہ ہو آجائے ملاقات میں فرق ظفر

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں ر
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں دلہ

یہاں تو کہتے ہیں لائینگے ہم سب اُس کو کہہ سُن کر
وہاں جا کر میرے ہمدم نہ کہتے ہیں سنتے ہیں دلہ

یہ کیا قسم ہے ہم کہیں رو رو کے اپنا حال
منہ اپنا پھیر پھیر کے وہ بیوفا بنے دلہ

کون سنتا ہے فغانِ درویش ——— قدر درویش بجانِ درویش

بیقراری دل کی میں کیوں کہہ بتاؤں یا رکو
سینے پر جب ہاتھ رکھتا ہے ٹھہر جاتا ہے دل
مفتی صد الدین خان
آزادہ

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے دلہ یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں
ہوئے ہیں جو ہفت افلاک کے ——— امتحان ہیں ایک مشتِ خاک کے

اجل بھی بے خبر ہے وہ بھی غافل ——— کوئی رکھے کسی کا آسرا کیا
ہم کہاں قسمتِ آزمانے جائیں غالب تو ہی جب خنجرِ آزمانہ ہوا

× میں نے چاہا تھا کہ اندوہ و فاسے چھوٹوں

دل وہ شکر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب دل
 مرنے کی لے دل اور ہی تدبیر کر کہیں دل
 دوست غمخواری میں میری سخی فرما بیٹھے کیا دل
 و احزانہ کیار نے کھینچا ستم سے ہاتھ دل
 دیکھا ستم کہ دیئے جاں تھا جو فتنہ گر دل
 کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں دل
 عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب دل
 کیوں گردشِ مدام سے گھبرانے جانے دل
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ نام ہے دل
 مجھ پر جفا سے ترکِ وفا کا گناہ نہیں دل
 یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں دل
 کوئی امید بر نہیں آتی دل
 آگے آتی تھی حالِ دل پہنسی دل
 موت کا ایک دن معین ہے دل
 قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے دل
 نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے دل
 مجبوری و دعویٰ گرفتاریِ الفت دل
 زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غافل دل
 کھلتا کسی پہ کیوں مے دل کا معاملہ دل
 خونِ جگر و دہیتِ مرثگانِ یار تھا دل
 شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا دل
 زخم کے بھرنے تلک ناخن بڑھ آئینے کیا دل
 ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر دل
 اب چسبے مجھ کو جان سے سزا دیکھ کر دل
 یوں نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر دل
 دل کا کیا حال کروں خونِ جگر ہونے تک دل
 انساں ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں دل
 یہ جانتا اگر تو لٹا تا نہ گھر کو میں دل
 اک چھپر ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں دل
 عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو دل
 کوئی صورت نظر نہیں آتی دل
 اب کسی بات پر نہیں آتی دل
 نیند کیوں رات بھر نہیں آتی دل
 کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی ہوا دل
 کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے دل
 دستِ تہِ سنگِ آمدہ پیمانِ وفا ہے دل
 ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے دل
 شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے دل

آتش سوزاں میں یہ گرمی کہاں دلا سوزِ غم سائے نہانی اور ہے
 باتیں ہزار تیجھے بناتے ہیں بیٹھ کر عارف مقدر کیا کہ بول سکیں اور ہے دوست
 رمز (ولیعہد بہادر شاہ)

ہوئی صورت نہ کچھ اپنی شفق کی دوا کی مدتوں برسوں دُعا کی
 دیکھ ادا قاتل بسر کرتے ہیں کس شکل سے ہم
 چارہ گر سے دردِ نالائے درد سے دل سے ہم نیم ہوی

کیا حال تمہارا ہے ہمیں بھی تو بتاؤ شیفۃ بے وجہ کوئی شیفۃ اُف اُف نہیں کرتا
 افسردہ خاطر سی وہ بلا ہے کہ شیفۃ دلا طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذت گناہ میں
 جس لب کے غیر بولیں اُس لب سے شیفۃ دلا کبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے
 کس کس طرح ستاتے ہیں یہ بت ہمیں نظام ہم ایسے ہی ہیں جیسے کسی کا خدا نہ ہو
 تم بھی وہی کہو تو کہے اک جہان سجا ساک میں بھی وہی کہوں تو کہے اک جہاں غلط

تھی شکیبائی علاج اضطراب دلا چارہ رنج شکیبائی نہیں
 عمر کٹنے کو کٹ گئی لیکن عیش ایک دن چین سے بسر ہوئی

یاد آیام کہ رہتے تھے کھنچے یار سے ہم
 اب یہ عالم ہے کہ جھکنے لگے اغیار سے ہم

غصہ آتا ہے پیارا آتا ہے اٹکی غیر کے گھر سے یار آتا ہے
 نامہ مجھ سے وہ غیسر کو لکھو ایں بے بیر بھئی یہ بھی لکھا مرے مقتدر کا

محل طرازیوں وہ کہاں اب تو کام ہے جرح گھر میں پڑے ہوئے درو دیوار دیکھنا
 میری ہر بات مختصر سی بھی مقنون اُن کو اک داستان ہے گویا

یہ قسمت نے اُس سے بھی محسوس رکھا وحید جو میں آپ کو اک نظر دیکھتا تھا
 دیکھتا ہوں اشک میں سُرخ وحید دلہ عشق میں کیا خون ہو جاتا ہے دل
 سب کو خبر ہوئی مرے حالِ تباہ کی دلہ اٹھ جائیگی جہاں سے اب رسمِ چاہ کی
 کہتے تھے دل کسی نے لگاؤ نہ لے لیر ایتھر دیکھو تو چار روز میں کیا حال ہو گیا
 شبنم کے لے امیر لے ہیں مجھے نصیب دلہ گل ہنس پڑیں چمن میں جو میں آید یہ ہوں
 کبابِ سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو لیتے ہیں دلہ جو بل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں
 کھاتے ہوتے نہیں میں عاشق دلہ صورت تو ایتھر اپنی دیکھو

نہ سمجھا عمر گزری اُس بُتِ خودِ سر کو سمجھاتے

دلہ

سمجھ جاتا اگر اتنا کسی تپسہ کو سمجھاتے

چلا تو ہوں پئے اظہارِ دردِ دل دیکھوں دلہ حضورِ یارِ محالِ بیاں رہے نہ رہے
 خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم ایتھر دلہ سائے جہاں کا دردِ ہما کے جگر میں ہے
 سِیاں دل میں خیال اور ہے واں مدِ نظر اور
 ہے حالِ طبیعت کا ادھر اور ادھر اور داغ

اپنی نظر میں ہیچ ہے سائے جہاں کی سیر دلہ دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا کہاں کی سیر
 کہنے دیتی نہیں کچھ مُنہ سے محبت تیری دلہ لب پہ رہ جاتی ہے آکٹے شکایت تیری
 دیکھنے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا مجھ کو یہ چاہ مری تجھ کو یہ صورت تیری

نہ سمجھا عمر گزری اُس بُتِ خودِ سر کو سمجھاتے

دلہ

پگھل کر موم ہو جاتا اگر تپسہ کو سمجھاتے

اُن کی فرمائش نئی دن راستے دلہ اور تھوڑی سی مری اوقات سے

کیا بُری شے ہے محبت بھی اِلہی توبہ ظہیر جرمِ ناکردہ خطا وار بنے بیٹھے ہیں
 گر اُنھیں ہے خوفِ عرصِ آرزو تسلیم دُور سے حالِ پریشاں دیکھ لیں
 اک خُوسی ہو گئی ہے تَحَل کی ورنہ اب حالی پہلا سا حوصلہ نہیں صبر و استمرار کا
 گرچہ الطاف کے قابلِ یَدِ زار نہ تھا دلہ لیکن اس بَور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
 رونایہ ہے کہ آپ بھی ہستے ہیں دُرنیاں دلہ طعنِ رقیبِ دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
 قلق اور دل کا سوا ہو گیا دلہ دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

ہوتی نہیں قبول دُعا ترکِ عشق کی دلہ دل چاہتا نہ ہو تو دُعائیں اشرکماں
 دھوم تھی اپنی پارسائی کی دلہ کی بھی تو کس سے آشنائی کی
 جی میں کیا ہے جو بخشو یا آج دلہ حالی اپنا کہا سنا تو نے
 یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا دلہ ہم محوِ نالہِ جبرِ س کاڑاں رہے

× واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے با
 اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے

نہ گرے اُس نگاہ سے کوئی اُسی غازیچہ اور افتاد کیا مصیبت کیا
 یقین اُن کے وعدے پہ لانا پڑیگا — یہ دھوکا تو دانستہ کھانا پڑے گا
 دہائی ہے دلِ درد آشنا دہائی ہے — کہ آہِ سرِ دپہِ تہمت ہے دل دکھانے کی
 بھول جانا اُنھیں محال سہے — ہر طرح سے بھلا کے دیکھ لیا
 کہاں جاؤں مفر اُس سے کہاں ہے — زمیں اُس کی اُسی کا آسماں ہے
 نگہِ یاس سے ہر ایک کا مُنہ نکلتے ہیں — حال دیکھا نہیں جاتا ترے پیاروں کا
 بڑھتی جاتی ہے تمکنت اُن کی کیفیت گھٹتا جاتا ہے اب وقار اپنا

کر کے اظہارِ بیگلی دل کی ——— بات کھوئی رہی سہی دل کی
 مثالِ شمع کیا رونا بھٹا دشوار تجور اگر ہوتی مصیبت رات بھر کی
 اللہ کس قدر درودِ مقصود دُور ہے ——— بیکِ خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا
 کیا قید سے تم نے آزاد جن کو آتا وہ حسرت سے طوقِ درسن دیکھتے ہیں
 ہوا ناوک کو نکلے اک زمانہ اخترِ بنائی کھٹک اب تک نہیں نکلی جگر سے
 جان پر آگئی ہے اُلفت میں کوکب اب یہ دل کا معاملہ نہ رہا
 مجھ کو تو صبر تھا ستم گاہ گاہ پر ذہن یہ بھی اگر بُرا ہے تو اچھا نہ کیجئے
 دل کو راحت سی ہوتی ہے محسوس ——— سامنا ہے کسی مصیبت کا
 دل دھڑکتا ہے شک نہتہ ہیں ——— باتے ہم کس بلا میں رہتے ہیں
 پہلے ہی اپنی کون سی تھی قدر و منزلت
 پر شب کی منتوں نے تو کھودی ہی سہی
 روتے ہیں ہیں دیکھ کے دشمن بھی ہمارے
 آتی ہے مگر ایسی تساہی نہیں آتی
 شکر پرواں زبان کشتی ہے ——— شکوہ کرنے کی کیا مجال ہیں
 دل پر چوٹ پڑی ہے تب تو آہ لبوں تک آئی ہے
 یوں ہی چھن سے بول اٹھنا تو شیشہ کا دستور نہیں
 تم شکل سے ہو ہماری بیسزار عمو رام پور اللہ اب ایسے ہو گئے ہم
 جہاں رکھی گلے پر تیغ دم لینے نہیں دیتا صفدر رام پور تڑپنے کا مزہ کھوتی ہے جلدی میسے قاتل کی
 لڑتی تھی آنکھ اب نہیں ملتی نگاہ بھی کینی جیہ آبادی وہ بھی نظر میں ہے میسے یہ بھی نظر میں ہے

کبے بھی ہم گئے نہ گیان بتوں کا عشق
 اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں
 ہوتے ہوتے کم بس اتنی رسمِ الفت رہ گئی
 اُن سے ہم سے دور کی صاحبِ سلامت رہ گئی
 وہ مریضِ غم ہوں میں جس کو دوا آئی نہ اس
 سر پہ جب صندل لگایا اور دردِ سر ہوا

حرّتِ عظیم آبادی

شفقِ عمار پوری

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بزمِ ابرار آبادی وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چسپا نہیں ہوتا
 دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب دل آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جاں ہو گیا
 اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی دل وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا
 زندگی سے اب طبیعت سیر ہے دل موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے
 کہاں لے جاؤں دل دونوں جہاں میں سخت مشکل ہے
 ادھر پریوں کا مجمع ہے ادھر حوروں کی محفل ہے

دل

ادوروں کو اپنے ہاتھ سے لے کر کھلا دیا دل ہم سے کبیدہ ہو کے کہا پاں لیجئے
 نہیں معلوم ہنسنے والوں کو بدتر رونے والوں پہ کیا گذرتی ہے —
 ایک دن یہ ہیں کہ پابندِ سلاسلِ بانٹوں ہیں نسخ ایک شب وہ تھی کہ تھی زلفِ معنبر ہاتھ میں
 مدتیں گذری ہیں شغلِ میکشی چھوٹے ہوئے ریخندہ عالم اثر وہ پڑے ہیں طاق پر جامِ دسبوٹھے ہوئے

ریاض

وہی ہم تھے نہ چھوڑا تا تک اپنے گریباں کا
 وہی ہم ہیں کہ اب ٹکڑے لئے دامن کے میٹھے ہیں
 ریاض احساس ہی مجھ کو نہیں ہے دل فیصلِ گل ہے یا فصلِ خزاں ہے

کیا ڈھونڈتی ہے باغ میں مے تو اے خزاںِ غربت گو کھپوئی تو جانتی ہے سب کے چمن میں بہا رہے
گرنے لگی ہے قیمتِ دل آنسوؤں کے ساتھ ثاقب لکھنوی کس نے اُلٹ دیا ورقِ اعتبار کو
اب افسردہ دلی کا رنگ پیشِ نظر ثاقب

ولا

ان آنکھوں نے بہت سرگرمیاں دیکھی ہیں محفل کی
دل سے نزدیک ہیں آنکھوں سے بہت دور صفتی مگر اس پر بھی ملاقات انہیں منظر نہیں
یوں تو تنہائی میں باتیں ہیں ہنسنا احساں بھنپا اُن کے منہ پر کچھ کہا جاتا نہیں
بھلا ہے ہیں اپنی طبیعت خزاںِ نصیب دل دامن پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ ہسار کا
ہے گا کس کا حصہ بیشتر میرے ملنے میں

برقِ دیلوی

یہ باہم فیصلہ پہلے زمین و آسماں کر لیں
مری مجبوریاں کیا پوچھتے ہو حقیقت جو پوچھا کہ جینے کے لئے مجبور ہوں
میں شمعِ بزم ہوں نہ چراغِ مزار ہوں جلیلِ راتیں مگر گزرتی ہیں سوز و گداز میں
میرے نصیب کی برکتی سی لیکن قبلِ ٹوکوی پھرا ہے مجھ سے زمانہ تری نگاہ کے بعد
کھا کے چرکے ہنسویہ بات ہے اور آرزو لکھنوی آرزو دل ہی جانتا ہو گا
بیٹھے تکتے تو ہیں کنکھیوں سے ولا یہ نہیں پوچھتے کھڑے کیوں ہو

آرزو اُس کا جینا کیا ہے ہاں دن پورے کرنا ہے
بیٹھا ہو جو اس لگا کر اُن ہونی کے ہونے کی ولا

دیدنی تھی ہم سے واما ندن کی شانِ بکبی ولا دوزخِ مڑ مڑ کے اہلِ کارواں دیکھا کئے

حسن
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

اُٹھاتے ہو تم راستے سے ہمیں بے نظیر شاہ کہ بیمار بھی ہیں مسافر بھی ہیں
 مصلحت کا ہے تفت ضا احتیاطِ افسر دل یہ کہتا ہے کہ دیکھا کیجئے
 ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی حسرت دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
 کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
 چھیڑنا حق نہ اے نسیم بہار دل سیرِ گل کا یہاں داغ نہیں
 یوں تو برباد دلیٰ ایک حقیقت ہے مگر دل تم جو افسانہ سمجھتے ہو تو افسانہ سہی
 بجائیں کوششیں ترکِ محبت کی مگر حسرت
 جو پھر بھی دلنوازی پر وہ چشمِ سحر کار آئی دل

خندۂ اہلِ جہاں کی مجھے پرواہ نہ تھی دل تم بھی ہنستے ہو مے حال پہ رونا ہے یہی
 یا ہماری یہی یہ قسمت ہے کہ محروم ہیں ہم یا مگر اُن کی محبت کا نتیجہ ہے یہی
 حُسن سے اپنے وہ غافل تھائیں اپنے عشق سے دل اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مرنے
 دل میں کیا کیا تھے عرضِ حال کے شوق دل اُس نے پوچھا تو کچھ بتا نہ سکے
 ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
 محبت میں بتائے ضبطِ غم ایسا بھی ہوتا ہے دل

اس شکر کو شکر نہیں کہتے بنتا دل سعی تاویلِ خیالات چلی جاتی ہے
 بھول جانا انھیں محال سا ہے ہر طرح سے بھلا کے دیکھ لیا

وہ میری عرضِ تمنا پہ تیرا ہنس دینا ناطق وہ تیرے ہنسنے پہ میری ندامتیں مت پوچھ
 مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی وحشت خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا
 مے آنسو تیری بیداد کا پردہ نہ کھولینگے دل عبت یہ بدگمانی ہے میں کب کیا کہاں روینگے

رونا ہے التفات کا لطاف اک طرف دلؔ اب تو وہ میرے درپے آزار بھی نہیں

کسی کی دوستی بھی دشمنی سے کم نہیں وحشت

کسی پر کوئی دو دن کے لئے یوں مہرباں کیوں ہو دلؔ

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں اقبالؔ معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھو یا ہے

قسم جو کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

میں اب تو لے جنوں تھے ہاتھوں سے تنگ ہوں

لاؤں کہاں سے روز گریباں نئے نئے نیازؔ

دے ہے ہیں ضبط پر مژدہ مبارکباد کا اثر لکھنوی امتحان منظور ہے شاید دلِ ناشاد کا

فریاد کا شنوا کوئی نہیں سیکس کا سہارا کوئی نہیں

کچھ دیکھ لیا اس دنیا میں کچھ حشر میں دیکھا جائیگا دلؔ

رات کچھ ایسی ہو کہ دل میں اٹھی دلؔ اک گرہ رہ گئی جہاں دل تھا

سدا دھر سے آج وہ گزرے تو منہ پھیس کر ہوئے گزرے

اب اُن سے بھی ہماری بی کسی دیکھی نہیں جاتی دلؔ

دُور سے گاہ گاہ ایک نگاہ دلؔ اس کو بھی مدتِ مدید ہوئی

پھر اثر ہیں اور تو جیہہ ستم دلؔ پھر بڑھا ربط اُس بُتِ عیار سے

اثر کو وہ خنجر سے دھمکا ہے ہیں دلؔ دہی اپنے سائے سے ڈر جانے والے

جب کہا اُس نے مدعا کیئے دلؔ سوچتے رہ گئے کہ کیا کیئے

ہزاروں بار کوشش کر چکا ہوں اسی الدنی نہیں چھپتیں محبت کی نگاہیں

اب تک تو محبت میں وہ ساعت نہیں آئی
 جس روز وہ رونے پہ مرے ہنس نہ دیا ہو
 وہ رعبِ حسن تھا کہ بن آئی نہ ہم سے بات
 یوں دردِ دل کہا کہ نہ کہنا کہیں جسے
 وہ شدت ہے تلاطم کی کہ اب جو کچھ ہے دریا ہے
 مری کشتی بھی اک موجِ رواں معلوم ہوتی ہے

دل

تو کچھ نہ خود

سیلاب

ناکام ازل کی کامرانی معلوم فانی قسمت میں نہ ہو تو شادمانی معلوم
 جیسے مراد ہے مرنا شاید ورنہ فانی کی زندگانی معلوم
 بہلانہ دل نہ تیرگیِ شاہِ غم گئی دل یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
 کچھ کٹی ہمت سوال میں غم دل کچھ امیدِ جواب میں گذری —
 فانی کھٹ قاتل میں شمشیرِ نظر آئی دل لے خوابِ محبت کی تیر نظر آئی
 کیا عمر میں اک آہ بھی بخشی نہیں جاتی دل اک سانس بھی کیا آپ کے ناکام نہ لیتے
 آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُٹھا آتا ہے

دل

دل پہ گھٹاسی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برتی ہے
 آمادہٴ فریادِ رسی ہے وہ ستمگر دل فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے
 یاتے محتاج ہیں اے خونِ دل دل یا انھیں آنکھوں سے دریا بہ گئے
 لب پر جو شکوے آپ کے آئیں گئے ناظر دل ہی میں دلوں دل شیدا کے رہ گئے
 ٹوٹی ہوئی ناؤ دیکھتا ہوں بیخود موبانی دریا کا بہاؤ دیکھتا ہوں
 اب تو یہ بھی نہیں رہا احساسِ جگرِ مرادِ آبادی درد ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

اک مصیبت ہے واعداری بھی حیطہ ہوشیار پڑے ونا سے نباہ کرتے ہیں
 تم سے مل کر خاطرِ ناشاد کیا مسرور ہو عذیبِ ادانی اس قدر نزدیک ہونے پر بھی کتنے دور ہو
 تری طرف سے دیا مدتوں فریبِ وفا ولا دلِ حزنیں مگر اب بدگمان ہے مجھ سے
 زخمِ دل کے چھپا رہا ہوں میں ولا کوئی میری ہنسی کو کیا جانے
 آہ کی مستدر اشک کی قیمت کوئی غمِ ناشناس کیا جانے

دل بھی صابر ہے زبان پر شکر کے کلمات بھی
 میرے مالک میں علاجِ چشمِ گریاں کیا کروں

شفیقِ چنپوری

ستم دیکھتے ہیں کرم دیکھتے ہیں نشرِ ہتھکامی جو قسمت دکھاتی ہے ہم دیکھتے ہیں
 اُس طرف اُن کی جھلے اور وہ ولا اِس طرف میری وفا ہے اور میں
 ہم سمجھتے تھے اُنھیں صاحبِ ایمان الیاس مؤلف تھا نہ معلوم کہ وہ دشمنِ ایمان ہونگے
 یوں تو ہے یاد اُن کو اک اک بات ولا مگر عہدِ وفا کو بھول گئے
 مجھ پر گز رہی ہے محبت میں کیا نہ پوچھ جتن سا چنپوری بس مختصر یہ ہے کہ وفا کر رہا ہوں میں
 اثرِ فرنگی میں یوں مرے لب پر تبسم ہے اثرِ مہربانی کہ جیسے پھول ہوں کھڑے ہوئے گورِ غریباں پر

جوابات دل سے تابہ لبِ آئی نہ تھی کبھی
 مجبور یوں سے دل کی وہ افسانہ ہو گئی

مزاج

کسی پابندِ غم کی زندگی کیا سہو کبھی نالے کبھی فخرِ یاد کرنا
 ہم کو ہماری موت بھی اب پوچھتی نہیں ولا یوں زندگی کسی کی الہی بسر نہ ہو
 وہ سلسلہ حروفِ حکایات نہیں اب صیادِ صدیقی ملتے ہیں مگر لطفِ ملاقات نہیں اب
 ملنے کو تو ملتی ہیں نگاہوں سے نگاہیں وہ لطفِ سوالات و جوابات نہیں اب

ستم ہے اب بھی امیدِ وفا پہ جیتا ہے
وہ کم نصیب کہ شائستہ بُخا بھی نہیں

دل

شیم جے پوری

اللہ اللہ کس قدر نازک ہے وہ دورِ حیات
جس میں پھولوں پر بھی کانٹوں کا گماں کرنا پڑے

ہم محبت بھی کریں ترکِ محبت بھی کریں اثرِ بدایونی کسی مذہب کسی ملت میں یہ دستور نہیں
مصائبِ عاشق کے سلسلے میں دو چار ہندی کے شعر بھی سن لیجئے :-

پریم بے پہاڑ پر ہم جہنا کے تیر — اب کی ملنا کٹھن بھیکہ پاؤں ٹہنی جھیر
جے سلگے تے بچھ گئے بچھ تے سلگے ہیں — رچین دا ہی پریم کے بچھ بچھ کے سلگائیں
لکڑی جل کوئلہ بھیکو کوئلہ جل بھیکو راکھ — میں پاپن ایسی تلی نہ کوئلہ بھیکو نہ راکھ
ساجن جو میں بھانتی پریتا کسے دکھ ہوئے
نگر ڈھینڈھو را پیٹتی کہ پرینت نہ گریو کوئے

مشغلہ عاشق

گریہ وزاری

گہ گریہ و گہ خندہ و گہ آہ جگر نو عشقی اے عشقی از وضع تو جانان گلہ دارد
در محزن جگر گہ چہند جمع بود — دلال گشت دیدہ بہ داماں فرو خستم
شد ز اشکم رفتہ رفتہ دیدہ گریاں سفید — می کند ابرسیہ را عاقبت باران سفید
خاطر بہ خندہ گل و مل وانی شود نظیری غیر از گریستن غم دل را علاج نیست
وقت گریہ یاد روش می کنم نسبتی خام کارم نقش می بندم بر آب
لب را گہ بخندہ نیا لودہ ایم ما تیر تا بودہ ایم گریہ کُناں بودہ ایم ما
بیا و جوش تمنائے دیدنم بنگر غالب چو اشک از سرِ مرثکاں چکیدنم بنگر

تغافل لائے یارم زندہ دارد ورنہ در برش
بجرم گریہ بے اختیارم می توان کشتن

ہنستے کیا ہو مرے رونے پہ لے دلدار بہوت
تم سلامت رہو بندے کے خریدار بہوت

تیرا حسن یہ رونا یوں ہی اگر ہے گا
ظالم تو پھر کسی کا کاہے کو گھر ہے گا

ولہ

عزالت

یر حسن

جس جا پہ تم نے باتیں کی تھیں کھڑے ہوا کُن
 دل چاہے دیکھنا وہ جاگہ بے اختیار رونا
 کبھی رونا کبھی سس کر نکلتا تھرتھرتا ٹھنڈا آیم اوقاتِ محبت
 اے ابر اپنے گریہ میں جس وقت جوش تھا
 جو قطرہ اشک کا تھا سو طوفانِ مسرور تھا قائم

بھلا اے ابر مڑ گاں اب تو بس کہہ دل ابھی تو کھٹ گیا تھا تو برس کر
 نختِ جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں ستوا یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں
 جو اس شور سے میسر روتا ہے گا تیرے تو تمسایہ کا ہے کو سوتا رہے گا
 مجھے کام ہر دم ہے رونے سے ناصح میرے منہ کو کب تک تو دھوتا رہے گا
 بس اے میسر مڑ گاں سے پوچھ آنسوؤں کو تو کب تک یہ موتی پر دوتا رہے گا
 ہماری تو گزری اسی طرح میرے دل یہی نالہ کرنا یہی زاریاں

ہنستا ہی میں رہوں جو مرا کچھ ہو اختیار
 دل پر کیا کروں میں دید و بے اختیار کو

جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے دل اس زندگی کرنے کو کہاں جگر آفے
 جہاں اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک دردِ جگر میں ہوتا ہے
 ہاں راتوں کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے دل
 سر ہانے تیرے آہستہ بولو دل ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے
 کتنے تھمتے تھمتے تھینگے آنسو رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے
 بعد نے کے مے ہوگی مے رونے کی قدر تیر درد تب کہلیجے گا لوگوں سے وہ برساتیں کہاں

اس طرح سے گنجت جو آنسو نہیں تھمتے

دل

معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑیں ہے

عجب احوال ہے تاباں کا تیرے تاباں کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

روتے ہی اس کو گزرے ہے ہجر میں تیرے رات دن

حال میں کیا بیاں کروں حسرت بے سترار کا

چین نا دن ہے ان آنکھوں کو نہ شب آرام ہے

سوز

شام سے تا صبح رونا صبح سے تا شام ہے

پتو کو اپنے یقیں کی چشم گریاں پر نہ رکھ

یقین

مت کر اے گل آب جو میں دامن رنگیں خراب

بہت روئے تو اپنی جان کھوئی آشفۃ کسی کا ہم نے بنلاؤ یا کیا

روئے ہے بات بات پر جرات جرات یہ گرفتار ہے کہیں نہ کہیں

ضبط گریہ تو ہے پر دل پہ جو اک چوٹ سی ہے

راج

قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز

معالج ہو سکے اب کیا کوئی غمخوار رونے کا معصی کر ان آنکھوں کو مدت ہے اک آزار رونے کا

آج اُس بزم میں طوفان اٹھا کے اُٹھے توں یاں تنک روئے کہ اُس کو بھی رلا کے اُٹھے

گو ہر اشک سے بھریز ہے سارا دامن وزیر آج کل دامن دولت ہے مبارادامن

یوں اگر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں

غالب

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ دیراں ہو گئیں

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل دل جب آنکھوں ہی سے نہ نکلے تو پھر لو کیا ہے

آپ ہی آپ ایسے روئے نظام نظام دل میں کچھ دھیان آ گیا ہوگا
ایسا روزنا نصیب ہو کس کو دلہ اشک پوچھیں وہ اپنے دامن سے
دیکھتا ہوں اشک میں سرخی و حید و حید عشق میں کیا خون ہو جائے دل
میری لگی بچانے کو آتا ہے بار بار انہر ممنون ہوں میں گریہ بے اختیار کا
تیکئے پہ آمیر سر کو رکھے دلہ پہروں گزرے کہ رو رہے ہیں

لگی دل کی بچانے کیس میں کون ہے ایسا

مگر اک گریہ حسرت چو بے تابانہ آتا ہے

کوئی آمیر ترادر دل سے کیوں کر دلہ تو ایک بات کہ اور دو گھڑی روئے

دامن سے وہ پوچھتا ہے آنسو غصہ کا کوریا رونے کا کچھ اور ہی حزا ہے

برنگ آبلہ ہم پھوٹ پھوٹ کر روئے جلال کسی کا پھیر کے کچھ پوچھنا بھی شتر تھا

رونا نہ ہو گا حالی شاید یہ کم تمہارا حالی جب دیکھو آنسوؤں سے من ہے تم تمہارا

سہے کوئی بات آج ہونے کو دلہ جی بہت چاہتا ہے رونے کو

گریہ غم ہے کہ ساون کی جھڑی تا دم صبح

آسی غایہ پوری

کوئی موسم ہو یہاں رہتی ہے برسات کی رات

بہت نہ رونے سے یہ نہ سمجھو کہ کم ہے جوشِ شریک دل میں

اکبر

یہ آنسوؤں کی کمی نہیں ہے رعایتِ ظرفِ آستین ہے

ابریکسار کے آگے نہ ہنسی ہو تیری ریاقت تارا شکوں کا کیس دیدہ تر ٹوٹ نہ جائے

ابھی تو اشک نے بدلا ہے کچھ یوں ہی سازنگ

رسوا

بہینگے آنکھ سے لختِ جگر ہو کیا ہے

ہنسی ہوگی جو کوئی دیکھ لے گا جیل جلیل آنسو تو پوچھو چشم تر سے

آگ دل میں لگی نہ ہو جب تک آرزو کھنوی آنکھ اشکوں سے تر نہیں ہوتی

تیری بے صبری ہے تیری خام کاری کی دلیل
گریہ عشاق میں ہوتی ہیں تاسیریں کہیں

حسرت

اے گریہ ناکامی تو جان محبت ہے دلہ تو جان محبت ہے ایمان محبت ہے
آنسو کی کیا ساط مگر جو جس عشق نے سہیل قطرے کو موج موج کو طوفاں بنا دیا

آہ و نالہ و سرِ یاد و وفاں

گئے از درد بے درماں بنالم عراقی گئے از جسم بے مرمم بگیم
ہر شب منم فداہ بگر و سرائے تو خرد ہر روز آہ و نالہ کنم از برائے تو
شب از غوغائے من واقف شد گفت از کجایا

صہبائی

صدائے نالہ صہبائی ناشادی آید
اے نہ پنداری شفق میں گنبدِ خضر گرفت رُسا شعلہ آہ و فغانم عالم بالا گرفت
اے آہ کش زحمت بیہودہ کہ تاسیر پڑمان را ہے بحسیریم دلِ جانانہ ندارد
نہ بوجھو آسماں پر تم سارے سراج ہماری آہ کی چنگاریاں ہیں
بے شعلہ نہ زندگی بسر کر قائم گر اشک نہیں تو آہ سر کر

بیان

کتنا نہیں میں عرش پہ اے نالہ جاپہوچ
کانوں تلک تو اُس کے تو اے نارِ جاپہوچ
ہوئی آہ اب اس قدر نارسا دلہ کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک

جی تک تو دے کے میں لوں کہ ہو گا کارگر کہیں
 لے آہ کیا کروں نہیں بختا اثر کہیں
 اثر نے آہ میں ہر چند نے تاثیر نہ لے میں
 پر اتنا ہے کہ ان دونوں سے اپنا جی بھلا ہے

تاب سننے کی نہیں بہر خدا موشوں ہو ناسخ ٹکڑے ہوتا ہے جگر ناسخ تری فریاد سے
 نالہ جز حسن طلب لے ستم آئینہ نہیں نالہ ہے نصرت اندازے جفا شکوہ پیدا نہیں
 یا اپنے جوش عشوہ پیہم کو روکے شہنشاہ یا کہنے میں بھی نالہ شورشن نہ کرے
 تم دکھاتے تو ہو ایسے کا دل آئینہ اور جو وہ کوئی آہ کر بیٹھے
 کلیجہ تھام لو گے جب منہ لگے نہ سنا لے گا اشیوں کسی کا
 کلیجہ پکڑ کر وہیں بڑھ جاتا ہے نہ اسی نہیں تم نے شیون کسی کا

حسن آہ کے اس آہ کے اس آہ کی تاثیر کے صدق
 بچھہ درے اٹھانے ٹھہرے وہ باہر نکلتے ہیں
 کب تھے وہ میرے حال سے اس درجے خبر
 کیوں کر کہوں میں نالہ دل میں اثر نہیں

بال بکھرے ہیں کچھ پریشاں ہیں افتخار اثر آہ نارسا تو نہ ہو
 میر عثمان علی خاں نظام دکن

اثر پیدا ہو اس کی نغماں میں طلسم ہے زمین و آسمان میں
 نالہ کیا ہاں اک دھواں سا شام بھر قاتی بستر بیمار سے اٹھا کیا
 نکل ہی جائیگے نالے دہن سے غم ہو دلا زباں نہیں تو ٹھیکگی رگ زبان صیاد

اے جوشِ فراقِ جاناں میں فریاد و فغاں سے کام نہ لے
گھٹ جائیگا تیرے دل کا اثر اجزائے شمشاد تقسیم نہ کر جوش

یہ میری آہ سوزاں کا اثر ہے حقیقتاً یورپ کا نظام دو جہاں زیر و زبر ہے
اللہ اللہ کہ کس بس اک آہ کرنا رہ گیا حفظِ جلالِ حق وہ نمازیں وہ دعائیں وہ مناجاتیں گئیں
کب فغاں با اثر نہیں ہوتی مانی اور کچھ ہے اگر نہیں ہوتی
بجورم درد میں لب پر تبسم عظمیٰ یہ دیوانوں کا اندازِ فغاں ہے
یہ مانا لے اثر ضبطِ فغاں اک چیز ہے لیکن
جینگے کس طرح ہم خوگر ضبطِ فغاں ہو کر اثرِ بدایونی

یادِ یار

نیسے کز بن آں کا کل آید بابا طاہر مرا خوشتر ز بویِ سنبل آید
چو شب گیرم خیالش را در آغوش سحر از بسترم بویِ گل آید
ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم ————— الا حدیثِ دوست کہ تکراری کم
آنفت در ہا کہ یاد مانکنی ————— آنفت در یاد کردہ ایم تورا
میسکنم سخت یاد او امروز نسبتی غالباً یاد کردہ است مرا
یادم نمی کنی و زیادم نمی روی ————— عشت در از یاد فراموش کار ما
کو شبِ مہتاب و آں آویزشِ ناز و نیاز گرای ساعدش در گردنم دتم بسابق افتادہ بود
الہی کو شبِ مہتاب و ذوقِ مے پرتہا دلا بدستے دستِ نرگس بدستے ماہر دستے
یاد کرنا ہر گھڑی تجھ یار کا دلی ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا ✓

بھولے سے تو نے پیار کی اک نکی جو با حیرت سن روتا ہوں لہلہ میں اُسے یاد کر ہنوز

ہمنشیں ذکرِ یار کر کچھ آج قائم اس حکایت سے جی بہلتا ہے

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میسر باز آ تیر نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

مہ نے اُس نے شبِ یاد دلایا تھا اُسے دل پھر وہ تا صبح میرے جی سے بھلایا نہ گیا

وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں دل ہائے میں کیا کروں کمانِ طاؤں

رنج و غم ہجر کے گذر بھی گئے دل اب تو تم دھیان سے اُتر بھی گئے

بھول کر بھی ہمیں نہ یاد کیا ضیا ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

بھولتا ہی نہیں وہ دل سے اُسے رزہ علی حشر ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا

یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہوں گھبرا یا ہوا

جرات

چمپی رنگ اُس کا اور جبرین وہ گد رایا ہوا

جو گھڑی یاد میں تری کٹ جائے آٹ وہی آٹھوں پسر کی پونجی ہے

تا خوابِ مرگ ذکر تھا اُن کا زبان پر

راخ

نیند آگئی ہمیں تو اسی داستان پر

بھول جانا اُسے محال سا ہے — ہر طرح سے بھلا کے دیکھ لیا

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھرائے

جبا

بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانے کیسا یاد آیا

مآلِ سخن ذکر ہے یار کا رند کہوں سو طرح مدعا ایک ہے

کس سوچ میں ہوں نسیم بولو پڑو دیا شکرتیم آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

برق وہ بھر کر انھیں دینا میرا جامِ شراب برق اور اُن کا ناز سے کہنا نہیں اتنی نہیں

تم نے کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں تفر ہم نے تمہاری یاد میں سب کو بھلا دیا
گو میں رہا رہیں ستمائے روگیا غالب لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
یاد نے جس کی بھلا یا سب کچھ شیفۃ اُس کی یس یاد بھلاؤں کیونکر
توبہ داں جانے سے کرتے ہو نظام نظام کیا کرو گے وہ اگر یاد آیا

میرے قابو میں نہ پہروں دلِ ناشا آیا
جب مرا بھولنے والا وہ مجھے یاد آیا

کون چٹکی سی کلجے میں لئے جاتا ہے — ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے
بیخودی میں بھی نہیں بھولے اُسے بیخود دہوی واہ کیا کہنا ہماری یاد کا

جب تمہارا خیال آتا ہے اکبر آبادی ساری دنیا کو بھول جاتے ہیں
کاش اک دن وہ بھول کر آتا جھنڈ چوڑا یاد جس کی کبھی نہیں جاتی

مجھے جس دم خیالِ نرگسِ مشانہ آتا ہے جلیں بڑی مشکل سے قابو میں دلِ دیوانہ آتا ہے
وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کس کو حسن ہم اگر اُن کو بھلا دیں تو کسے یاد کریں
شام ہو یا کہ سحر یاد اُنھیں کی رکھنی حرّت دن ہو یا رات ہمیں ذکر اُنھیں کا کرنا
مدنیں ترکِ محبت کو ہوئیں پھر اے عجب دلِ یاد یار آتی ہے کیوں اختیارات کی برس

جنونِ عشق تو مدت ہوئی جاتا رہا پھر بھی

دل

زباں پر نام آتا ہے کسی کا بار بار اب تک

دل

اس تغافل پر بھی کرتے ہیں تجھی کو یاد ہم

کتنے ہیں مجبور دیکھ او بانیِ بیداد ہم

نہیں آتی تو یاد اُن مبینوں تک نہیں آتی دل مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

وہ آغازِ محبت میں کرم اُن کا جفا اُن کی
 رہیگا یاد حسرت ہم کو برسوں وہ زمانا بھی
 آہ وہ یاد کہ جس یاد کو ہو کر مجبور دلِ مایوس نے مدت سے بھلا رکھا ہے
 شبِ دہی شب ہے دن وہی دن ہے دلِ جو تری یاد میں گذر جائے
 یاد میں تیری جہاں کو بھولنا جانا ہوں میں
 بھولنے والے کبھی تجھ کو بھی یاد آتا ہوں میں
 بھولنے والے سے کوئی پوچھتا اثر کھنڈی میں تجھے دل سے بھلا دوں کس طرح
 یاد کر لے بھولنے والے مرے دلِ اب تو پچھڑے ایک مدت ہو گئی
 تیری تنویر سے آراستہ ہے مری سحر دلِ تیری خوشبو سے مہکتی ہے مری شام بھی
 یہ بھیگی رات اور یہ برسات کی ہوائیں
 جتنا بھلا رہا ہوں وہ یاد آ رہا ہے
 ترا نام تسکین دہ قلبِ مضطرب تلک چند محروم تری یاد آرامِ جانِ حسنین ہے
 یوں یاد آؤ گے ہمیں اصلاً خبر نہ تھی آزاد انصاریوں بھول جاؤ گے ہمیں دہم و گمانِ تھا
 اُس کو بھولے ہوئے تو ہو فانی فانی کیا کر دگے اگر وہ یاد آ یا
 اب لب پہ وہ ہنگامہ فریاد نہیں ہے دلِ اللہ سے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے
 گلشن بھی ہے بہار بھی ہے ابرِ تر بھی ہے — یادش بخیر یار کو لائیں کہاں سے ہم
 کچھ کھٹکتا تو ہے پہلوں میں مے رہ رہ کر جگرِ ادا اب خدا جانے تری یاد ہے یا دل میرا
 نہ عرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
 ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے، تیرے نام سے

تجھے بھول جانا تو ہے غیر ممکن دلا مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے

یوں بس طرح سے چاہیے تڑپائیے مجھے رتنا لکھنوی کچھ ایسا کہجے کہ نہ یاد آئیے مجھے

اُسی کو جس نے نہ کی بھول کر بھی بات کبھی

بنیسا یاد کئے کٹ سکی نہ رات کبھی

غرض کہ کاٹ دئے زندگی کے دن لے دوست

وہ تیری یاد میں ہو یا تجھے بھولانے میں

ملا
فراق کو کھپوری

مدتیں گزریں تری یاد بھی آئی نہ ہمیں دلا اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

پابندی زمان و مکان اٹھ گئی حقیقت حقیقت ہوا پڑا جو چھپ گئی نظر سے وہ صورت نظر میں ہے

عُسر گزری یاد کرتے آپ کو نولف آپ بھی ہم کو کبھی کرتے ہیں یاد

بانسری بج رہی تھی دور کہیں — رات کس درجہ یاد آئے تم

دلِ عنیم دوراں سے تھا یکسر اُداس نفسِ قادری اور پھر تم بھی مجھے یاد آگئے

ہاے مجھ سے وہ یار کی باتیں علی لطف کی باتیں پیار کی باتیں

تمہاری محبت تمہاری عداوت جیلِ مہدی کے یاد رکھیں کسے بھول جائیں

یوں بس زندگی ہے کسی بے وفا کی یاد

وہابی چنپوری

نیسے کوئی شراب ملا دے شراب میں

یادِ ماضی

چوہم عمرے بہ ہم عمرے ز مکتبِ شادی آید

مرابے اختیارِ ایامِ طفلی یادِ می آید

پیشِ مالے باغیاں گلہ ستر گھما بسند — صحبت یارانِ رنگیں یاد می آید مرا

چو می بینم کسے از کہ ہے تو دل شاد می آید

فریبہ کنز تو آواں خورود بودم یاد می آید

خوشا و خسرتا آن روزگارانی بخت کہ دل خوش بود از دیدار یاران

پھرتے تھے دشت و دشت دو آنے کدم گئے آواز وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

وے صورتیں الٹی کرس دیں بستیاں یہ شہر اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں میں

بہا ریں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں

مرزا بھٹہ علی حسرت

گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

صدے سودل پہ ہوئے ہم نے نہ جانا کیا تھا

منجھنی

ہائے ذوق وہ الفت کا زمانا کیا تھا

یاد آیام بے سترا ری دل دل وہ بھی یارب سبب زمانہ تھا

اے مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو دل بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

بکھو کرتے تھے مہربانی بھی میرا اثر آہ وہ بھی کوئی زمانہ تھا

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں

غالب

لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

یاد آیام کہ رہتے تھے کچھ نیچے یار سے ہم اسیر اب یہ عالم ہے کہ جھکنے لگے اغیار سے ہم

محفل طرازیں وہ کہاں اب تو کام ہے جرقہ گھر میں پڑے ہوئے درو دیوار دیکھنا

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں

شاید

کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں

اب یادِ رنگاں کی بھی ہمت نہیں رہی — یاروں نے کتنی دور سائی ہیں بستیاں

جب تک کہ چشمِ شوق میں وحدت کا نور تھا — ایر جس بام پر نگاہ پڑی کوہِ طور بھٹا

ہائے وہ دن کہ گزر جاتی تھی شبِ باتوں میں

اب باتوں میں مزہ ہے نہ ملاقاتوں میں

ہر چیز پر ہمار تھی ہر شے پر حسن تھا — دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے — ابھی کیا تھا اور کیا ہے کیا ہو گیا

اچھی صورت پہ غضب ٹوٹ کے آنا دل کا

یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانا دل کا

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا — ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا

غنچہ گل کا تبسم تھا ہر اک دم برقِ ریزہ

عندلیبوں کی زباں پر نالہ مستانہ تھا

نشہ آور تھی نگاہِ مست ساقی اس قدر

خود بخود لبریزِ ہر ساعتِ پیمانہ تھا

ابنِ وہ صحبت نہ وہ جلسے نہ وہ لطفِ سخن

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

جب اُس کو چے کی حاصل تھی گدائی آئی غلامی — حسدِ اوندِ زمین و آسماں تھے

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یارِ ہمس پر بھی اکبر الٰہی — گزر چکی ہے فیصلِ بہارِ ہمس پر بھی

ایک دن یہ ہے کہ پابندِ سلاسل پاؤں ہیں

السخ

ایک شب وہ تھی کہ تھی زلفِ مغبر ہاتھ میں

۱۔ اک خواب سا ہم نے دیکھا تھا وہ خواب تمہیں کیوں یاد آئے

باتوں کا وہ بڑھنا راتوں میں راتوں کا وہ گھٹنا باتوں میں

کتابِ عمر بے پیشِ نظرِ چشمِ تصویریں شد اٹھتے ہیں ورق بھولے سبق کو یاد کرتے ہیں
جگمگت وہ گلگونوں کے الہی کہاں گئے ریا من کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا

بہار آئی تھی گلشن میں وہ دن بھی یاد ہیں ہم کو

کسی کے ہاتھ میں ساغر تھا کوئی گل بداماں تھا

یاد آیامِ جسامِ باقی ہے دل مے کہاں مے کا وہ مُرور کہاں

وہ دن کہاں ریاض وہ رتیں کہاں یلین دل بیٹھے ہوئے کسی کی بلائیں لیا کر ہیں

بہلا رہے ہیں اپنی طبیعت خزاں نصیب دل دامن کیچ کیچ کے نقشہ بہار کا

س درد سے واقف نہ تھے غم سے شناسائی نہ تھی

میل

ہائے کیا دن تھے طبیعت جب کہیں آئی نہ تھی

ساقیا صحبتِ دیرینہ جو یاد آتی ہے دل چشمِ تر صورتِ پیمانہ چھلک جاتی ہے

نہ چھڑو تندرہ تم ہائے آیامِ محبت کا حرّت مری صبحِ محبت کا مری شامِ محبت کا

اُن کی تھی میرے حالِ دل پہ نظر دل آہ اس عہدِ التفات کی یاد

حُسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے

دل

اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے

اب کا ہے کو آئینگے وہ حرّت دل آغازِ جنوں کے پھر زمانے

چکے چکے رات دن آنسو بہا یا یاد ہے دل ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانا یاد ہے

باوجودِ ادغایِ اتقا حرّت مجھے آج تک عہدِ ہوس کا وہ زمانا یاد ہے

مژہ آنا اگر گزری ہوئی باتوں کا افسانہ وحشت کیس سے ہم بیاں کرتے کیس سے تم بیاں کرتے
جوش و خروش ساتھ جوانی کے چل دئے جو ہر فرخ آباد وہ موسم بہار وہ دیوانہ پن کساں
کبھی گذرتی تھیں راتیں پری جالوں میں خاور ترپتے کشتی ہے یارب انھیں خیالوں میں
دست گسٹاخ سے دہن وہ بچانا تیرا اثر کھنوی شوق مٹیاب کو آنکھیں وہ دکھانا تیرا
یاد ہے یاد ہے منہ پھیر کے جانا تیرا عذر خواہی کے لئے آپ سے آنا تیرا
وہ رات گئے شراب ڈھلنا ہے ہے جوش وہ پچھلے پر صبا کا چلنا ہے ہے
معتوقہ نوخیز کا وہ رہ رہ کر آنکھوں کو ہتھیلیوں سے ملنا ہے ہے

رات کے پردوں میں چھپ چھپ کر جو ہوتی تھیں کبھی ✓ آخر شیرانی
چٹکیاں لیتی ہیں دل میں اُن ملاقاتوں کی یاد
گیان پر کاش آخستہ دہلوی

وہ زمانہ بھی کیا زمانہ بھتا شاخ گل پر جب آشیانہ تھا
یہ زمانہ بھی اک زمانہ ہے وہ زمانہ بھی اک زمانہ تھا
گزاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں عندیہ دانی انھیں کی یاد میسری زندگی ہے
کہاں گئے ترے وعدوں پہ اعتبار کے دن شہر جھگامی وہ انتظار کی راتیں وہ انتظار کے دن
نہ صبر اب کے دن تھے نہ تھے قرار کے دن عجیب دن تھے محبت میں انتظار کے دن
اُن سے جب راہ درسم تھی الیاس مؤلف وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا

ابتدائے عشق کی وہ چاندنی راتیں کہاں
آہ اُن راتوں کی وہ لمبی ملاقاتیں کہاں
منظر حسین شمیم

تصوّر

سرگرمی خیال تو از نالہ باز داشت غالب دل پارہ آتشے ست کہ دودش نماندہ است
 یار کا دھیان مسم نہ چھوڑینگے میر حسن اپنی یہ آن مسم نہ چھوڑینگے
 گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے تیر اب آنکھیں رہتی ہیں دود و پیر بند
 بیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام مضمیٰ کس قدر یار کو عسم ہے مری تنہائی کا
 آنکوش تصور میں جب ہم نے اُسے مسکا نظر اکر آبادی لب لئے نزاکت سے اک شور تھا بس کا
 تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفت گو برسوں

آتش

رہی ہے ایک تصویر خیالی رو برو برسوں

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا تمہیں جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
 جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے راتن غالب بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے
 جلنے دے لے تصورِ جاناں نہ کر تلاش سالک ایسا نہ ہو کہ وہ کسی دشمن کے گھر ملے
 شبِ منتاب میں تا صبح زینت زینت خیالِ ماسر ہے اور ہم ہیں
 بہت اچھی گذرتی ہے ترے محو تصور کی تلیر کبھی منوم ہو جانا کبھی سرور ہو جانا
 تصویر میں وصالِ یار کے سامان ہوتے ہیں دل ہمیں بھی یاد ہیں حسرت کی بزمِ آریاں کیا کیا
 ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہوں ریاض ایسے میں کوئی چیم سے جو آجائے تو کیا ہو
 رات کا خاموش منظر اور تصورِ یار کا حضور ہے یہی اک وقتِ راحت عشق کے بیمار کا
 بیٹھے ہیں مسم تصور گیسوئے یار میں سلیم اس زندگی کو خوابِ پریشاں کئے ہوئے
 ہائے پوچھو نہ تصور کے مرے جلیل گود میں ان کو لئے بیٹھے ہیں

بند کیں آنکھیں تو پایا تجھ کو اے پردہ نشیں جلیں وسعتِ حُسنِ نظر سے دور لیکن دل کے پاس
 تنہائی کے سبب ہیں تنہائی کی سب باتیں جو ہر اب ہونے لگیں اُن سے خلوت کی طاقتیں
 دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں وہ اب یہی اک مشعلِ دن رات ہے
 وہ بھی ہوتا ہے ایک وقت کہ جب جگر مراد آباد کوئی تیرے سوا نہیں ہوتا
 تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں
 تم کیوں مے خیال میں آتے ہو بار بار وصلِ بگڑی میں جانے کس کو ڈھونڈ رہا ہوں خیال میں
 ہوتے جاتے ہیں بند دیدہ قیسِ سیدِ عظیم آباد ہٹتے جاتے ہیں پردے محسوس کے
 رات بھر اُن کا تصور دل کو ترپاتا رہا اختر شیرانی ایک نقشہ سانسے آتا رہا جاتا رہا
 کس سے باتیں ہو رہی ہیں جیش میں حیدری اے تصور کون ہے آغوش میں
 تصور میں نگاہوں کو نگاہوں سے ملاتا ہوں
 بہت اب بڑھ چلی ہیں آپ سے گستاخیاں میری فطرت

گونا گوں

علی الصباح چو مردم بکار و بار روند — بلا کشانِ محبت بکوائے یار روند
 ما اُنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم — الا حدیثِ دوست کہ تکرار میسکنم
 روز جا کر اُس کے کوچے سے پلٹ آتے ہیں ہم
 دیدہ حسرت سے پیروں جانبِ در دیکھ کر
 خنداں خنداں جدھر گیا تو مادی گریاں گریاں اُدھر گئے ہم
 دن میں سو سو بار اس کے سامنے جانا مجھے مجنون اس میں سودائی کے یا کوئی دیوانہ مجھے

پہلے سیتے ہیں سہم گریباں کو ستود پھر اُسے تار تار کرتے ہیں
 کبھی درد کی تمنا کبھی کوششِ مداوا جذبی کبھی بلیوں کی خواہش کبھی فکرِ آشیانہ

شیو عاشق

وفا و تسلیم و رضا

ماقصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم حافظ ازما بجز حکایت مہر و فامیرس
ایک انگریز مشرق نے ایک ہندوستانی ادیب سے کہا کہ حافظ کی تعلیم نہیں
ہوئی تھی، ہندوستانی ادیب نے کہا، کیسے، انگریز مشرق نے شعر مندرجہ بالا ثبوت
میں پڑھ دیا، اس لطیفے کے دُج کرنے کا مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ مادری زبان کے علاوہ

کسی اور زبان پر عبور آسان نہیں،

وفا کنیم و ملامت کیشم و خوشش بایم دلہ کہ در طریقہ ما کا فریست رنجیدن
منت کش تا شیر فایم کہ آحسہ غالب ایشوہ عیاں ساخت عیار دیگران را
زبان ما غریباں از نگاہست اقبال حدیث درد منداں آشک و آہست
کشادہ چشم و برستم لب خویش سخن اندر طہرین ما گناہست
زندگی نے دسانہ کی ورنہ میر حسن میں تماشا وفا کا دکھلاتا

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے

سودا

تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم بیر سوا اس عہد کو ہم وفا کر چلے

وفا میری اگر جور و جفا تجھ کو نہ سکھلاتی
تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

محمد باقر مراد

گر مانگتا ہے جی کی تئیں دستِ وفا لاؤں بے وفا کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجے
بازارِ جہاں میں کوئی خواہاں نہیں تیرا دستِ لے جائیں کہاں اب تجھے اے جنسِ فہم
اے وائے سادگی و فابعد صد فریب میر تمہوں آج اُس کے جھوٹے وعدے ہیں پھر پھیل گیا
جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی معلوم دل یاد آئیگی وفا میری تمہیں میرے بعد

جفا کرتے ہیں کب تک با وفاؤں پر وہ دیکھیں تو
ہمیں جو آزماتے ہیں اب اُن کا امتحان ہوگا

جلال

دعوے کرتے تو ہو وفا کے جلال دل دیکھو وہ شوخ بے وفا نہ سُنے
نہیں ہے تم سے گلہ کچھ یہ ہے خطا میری

فانی

سکھا رہی ہیں جفائیں تمہیں وفا میری
جفا کا اب نہیں پہلا سا بانگین باقی دل مگر وفا میں وہی آن بان باقی ہے

رازِ عاشق

دل می رود ز دستم صاحبِ دل خدا را حافظ دردا کہ رازِ نہاں خواہد شد آشکارا
 ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر دل نہاں کے ماند آں رازے کز و سازند محفلها
 ترا صبا و مرا آب دیدہ شد غماز دل و گرنہ عاشق و معشوق راز دار اند
 عرض حاجت در جرم حرمت محتاج نیست دل راز کس مخفی نہ ماند بر سرِ رخ راتے تو
 در سینہ خود راز عشق بر ہمین لے چند عیان چوں غنچہ بصد پرودہ نہفتیم و نگفتیم
 رازِ دلِ عشاق عیان است و عیان نیست صانعِ بگدای چوں بوئے کہ در غنچہ نہاں است و نہاں نیست
 روا ہے کہ تو بھلا لے سپہرِ نالِ صاف سودا رباعی زید چھپے رازِ عشق رسوا ہو
 کہاں تک رازِ دل افشا نہ کرتا معرفت مثل سچ ہے کہ مرزا کیا نہ کرتا
 کیا مرزا جب اور واقف ہو گئے بخرج لذت درد نہسانی اور ہے
 دردا کہ لب پہ رازِ دل آبانہ تھا ہنوز حال چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا
 تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط دل آفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا

سینے میں دل ہے، دل میں داغ، داغ میں سوز و سازِ عشق

پرودہ بہ پرودہ ہے نہاں پرودہ نشیں کا رازِ عشق

اس پہ رونا ہوں کہ دل میں جو نہاں تھے اسرا
 وہ بھی آنکھوں سے ٹپکنے لگے آنسو ہو کہ

جلیل

زمانے بھر میں رسوا ہوں مگر اے وائے نادانی
 سمجھتا ہوں کہ رازِ عشق میرے رازِ دامن تک ہے

اقبال

ہائے رازِ زندگی اک دم میں افشا ہو گیا
 میرا مرنا اُن کا آنا اک تماشاً ہو گیا

مثنوی

جب ترا ذکر آگیا ہم دفعتاً چپ ہو گئے فانی وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا
 میں رازِ عشق کو رسوا کروں معاذ اللہ علیٰ آخرت یہ اور بات ہے دل پر نہ اختیار ہے

جو بات دل سے تابیہ لبِ آئی نہ تھی ہنوز
 مجبور یوں سے دل کی وہ افسانہ ہو گئی

مناج

دَستَانِ عاشق

خرقہ پوشانِ ہمگی مست گزشتند و گزشت حافظ قصہ ماست کہ بر ہر سر بازار بماند
شمنہ از دستانِ عشقِ شور انگیز ماست — ایں حکایتا کہ از فر باد و شیریں کردہ اند

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ میر حسن بس آج کی شب بھی سوچکے ہم
سودا خدا کے واسطے کہ قصہ مختصر سودا اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے سے

رودادِ محبت کی مت پوچھ یقین مجھ سے یقین کچھ خوب نہیں سننا افسوں ہے یہ فسانہ
میاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے آتش یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جو اس تھا

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری
لاکھ دلچپ ہے مراقبہ امیر مگر اُس نے کبھی سنا نہ سنے ر

راز اپنا کبھی کہا نہ کہے داغ حال میرا کبھی سنا نہ سنے ر
اُسے افسانہٴ عشق ڈرتے ڈرتے در، سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

مری داستانِ فراق نے شبِ وصل طرفہ مزہ دیا
کبھی ہم نے روکے ہنسا دیا کبھی اُس نے ہنس کے رلا دیا جلال

کوئی دلسوز ہو تو کیجئے بیاں عالی سرسری دل کی واردات نہیں
نہ سُنئے تم جو دشمن کی زبانی اُسی غازی پوری بڑی دلچپ تھی میری کہانی

نگاہیں میری اُن کی ملگئی تھیں ان محفل میں اکبر الہ آبادی یہ نیل ہے بس اتنی بات پھیلی داستان ہو کر

سناؤں حال کیا اے نظم کیا صدمے گزرتے ہیں
 کبھی فرست میں سن لینا بڑی ہے داستان میری
 نہ جانے کتنی معنی خیز ہیں خاموشیاں میری
 سنی دنیا نے سو سوز رنگ سے اک داستان میری

انہیں افسانہ دل اپنا ہم نے — سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے
 کچھ قمریوں کو یاد ہے کچھ بلبلوں کو حفظ — عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستان کے ہیں
 یہ لذت اور قصوں میں کہاں ہے — ہماری داستان اک داستان ہے

ہنتے ہنتے رو دیا کرتے سب بے اختیار
 اک نئی ترکیب کا درد اپنے افسانے میں تھا
 روش بدلی زمانے کی مذاق ابل دل بدلا ہنر مرے غم کی کہانی داستان معلوم ہوتی ہے

نہ مطلب سننے والوں سے نہ پرواز نگہ محفل کی
 جہاں بیٹھے دیں ہم نے کہانی پھیڑ دی دل کی

اس شعر کے متعلق مرزا ثاقب مرحوم نے ایک اندوہناک واقعہ بیان کیا کہنے لگے "کنو
 ہیں بابہ پاگل ہو رہا تھی" اس کا جنون غالباً محبت کا نتیجہ تھا بازار میں جہاں کھڑی
 ہر جاتی دردناک اشعار پڑھتی چلے کوئی سننے والا ہو یا نہ ہو "محرم شرعی واقعہ ہوا"

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا وہ ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے
 سنتے ہیں آپ سائے زلنے کا دروڑ — کہتے تو میں بھی قصہ سوزِ جگر کوں

نقط ہے کون سی کہانی میں رسوا آپ بیٹی کوں کہ جگ بیٹی
 اڑائی طوطیوں نے قمریوں نے عنایوں نے اقبال چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری

افسانہ کہہ رہی ہیں پریشاں نگاہیاں اثر کھنڈی کیا راز ہے جو دل میں چھپائے ہوئے تو تم
یہ یکسی کا ہے عالم کہ سرگزشت اپنی در کوئی مٹنے نہ مٹے ہم سناٹے جاتے ہیں
جہاں اپنا قصہ سنانا پڑیگا اتنی الدنی وہیں مسم کو رونا رولانا پڑیگا
کہانی میری روداد جہاں معلوم ہوتی ہے سیاب جو مست ہے اُسی کی داستان معلوم ہوتی ہے
ہم عشق کے ماروں کا اتنا ہی فسانہ ہے
رونے کو نہیں کوئی ہنسنے کو زمانہ ہے جگر مراد آبادی
ست ہم ہمشیار ہم فرزانہ ہم دیوانہ ہم فیض علی نقی اک تہلے ہو کے ہیں عنوانِ صدا فسانہ ہم
آغازِ محبت کے قصے کچھ بھول گئے کچھ یاد بھی ہیں شیدا بھانی
جو بھول گئے سو بھول گئے جو یاد ہے اک افسانہ ہے
تھوڑی سی رہ گئی ہے مری داستان غم نظر مٹنے نہ پائے تیری جیس کی شکن ابھی

جذباتِ عاشق

شوق

حافظ آں فتنیکہ ایں نظم پریشان می نوشت حافظ طائرِ شوش بدمِ اشتیاق افتاده بو
 شاعرِ شوق ندانسته ام کہ تا چند است بلخیم خانہ جز ایں قدر کہ دلم سخت آرزو مند است
 نہ دست و پا نہ بال و پر نہ پرواز نسبتی چه پُرسی شوق بے سامان مارا
 ز حال او اگر چه آگم بیش از ہمہ لیکن دل زبانی شوق احوال او از این دان پرسم
 ہر چند ہم نے شوق کو پنہاں کیا ولے یسہ اک آدھ لفظ پیار کا منہ سے نکل گیا
 مار ڈالا اشتیاق یار نے مہا اس ستر بھی آرزو اچھی نہیں
 جذبہ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے غالب سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
 شوق کو آج بیکساری ہے شیفہ اور وعدہ ہے روزِ محشر کا

کس عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا
 کبھی جان صدقہ ہوتی کبھی دلِ نثار ہوتا

اللہ رکے اضطرابِ تمنائے دید یار تسلیم اک فرصتِ نگاہ میں سو بار دیکھنا
 دل چاہتا ہے بزمِ طرب میں انھیں مگر حالی وہ انجمن میں آئیں تو پھر انجمن کہاں
 اللہ رکے دیوانگیِ شوق کا عالم اصرار اک رقص میں ہر ذرہ صحرانظر آیا

لذتِ سجدہ بابتِ شوق نہ پوچھ دلت ہائے وہ اتصالِ ناز و نیاز
حالِ کھل جائیگا بیتابیِ دل کا حسرتِ حسرت بار بار آپؐ نہیں شوق سے یکمانہ کرتے ہیں
کہاں شکوے تھے جو رناروا کے دل کہاں اب شوق پس اُن کی جفا کے

ہائے وہ عالمِ پُر شوق کہ جس وقت جگر
اس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے جگر
مرثدہ اے شوقِ شہادتِ آج پر تقدیر ہے
آج دستِ ناز میں نازک سی اک شمشیر ہے دل
جب نگاہِ شوق اٹھ جاتی ہے پکیاں کی طرف
کھینچ کے آجاتا ہے پکیاں خود گر جاتاں کی طرف مانی جاتی

اُمید و یاس

بستہ ام در نسیم گیسوئے تو امید دراز مانتہ آن مباد کہ شود دستِ طلب کو تا ہم
چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے — بامیدے رسد امیدوارے

میان نور و ظلمتِ عالمے دارم نمی دانم صائب
کہ شام صبح یا صبح امیدم شام می گردد صائب
نومیدی عاشقانِ قدیم است — مخصوصِ بروزِ گارِ من نیست

من از بیم و رجا حالِ عجب اے باغبانِ دارم
نیشمن در قفس دارم قفسِ در آتشیایں دارم
یاس ہی یاس گرد ہے دل کے یر حسن اب کوئی اور آس پاس نہیں

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا میر درد بس ہجوم یاس جس گھر گیا
 سنہلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت

غالب

کہ دامن خیال یار چھوٹا جائے ہے ہم سے

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیگی دل یہ جو اک لذت ہماری سعی لاحاصل میں ہے
 منحصر مرنے پہ ہوجس کی امید دل ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے
 عالم یاس میں گھبرائے نہ انسان بہت دل دل سلامت ہے تو حسرت بہت ارمان بہت
 پھر جیتے ہیں کس امید پر ہمس تسلیم مرنے کا جو آسرا نہیں ہے
 ہے کچھ اک باقی خلش امید کی دلی یہ بھی ٹٹ جائے تو پھر کیا چاہئے
 شکل امید تو کیا ہم کو نظر آتی ہے صورت یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے
 پوشیدہ سکون یاس میں ہے خرت اک محشر اضطراب خاموش
 معاذ اللہ اتنی ناامیدی داشت کہے گی وہ نگاہ آشنا کیا
 سو سو امیدیں بندھتی ہیں اک اک نگاہ پر اقبال ہم کو نہ ایسے پیار سے دیکھا کرے کوئی
 جتنی امیدیں تھیں بالآخر غلط ثابت ہوئیں آزاد انسان ہم نے کچھ سمجھا وہ کچھ نکلے بڑا دھوکا ہوا
 دورا مصر کہیں کہیں یوں دیکھا ہے

ہم نے کیا سمجھا وہ کیا نکلے بڑا دھوکا ہوا

کچھ امیدِ کرم میں گذری عسر فانی کچھ امیدِ کرم میں گذرے گی
 ترکِ امید بس کی بات نہیں دل ورنہ امید کب برآئی ہے

امید کا یہ رنگ ہے ہجوم رنج و یاس میں

یتیم مولانی

کہ جس طرح کوئی حسین ہوا تہی لباس میں

دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے جگر مراد آبادی جب کوئی آسرا نہیں ہوتا
 پھر لے چلا ہے جذبہ اُمید اُس طرف فضا سوار نامراد پھرا ہوں جدھر سے میں
 نیزنگی اُمیدِ کرم اُن سے پوچھئے زاق کو کچھوئی جن کو جھٹے یار کا بھی آسرا نہیں
 جھلک یوں یاس میں اُمید کی معلوم ہوتی ہے
 کہ جیسے دور سے اک روشنی معلوم ہوتی ہے

نظم رد دہلوی

آرزو و تمنا

اگر دردم کیے بودے چہ بودے بابا طاہر علیٰ اگر غم اند کے بودے چہ بودے
 بہ بالینم جسیم یا طیبیم ازیں دو گر کیے بودے چہ بودے
 روزیکہ ذرہ ذرہ شود استخوان من خسرو باشد ہنوز در دلِ ریشم ہوئے تو
 کشتی شکستگانیم اے باد شہرِ خرمینیز حافظ باشد کہ باز بینم آں یار آشنا را
 کے و بد دست اس غرض یارب کہ ہدشتاں شونہ
 خاطر مجموع مازلف پریشان شمس ولا
 آنانکہ خاک را بہ نطنس کیما کنند ولا آیا بود کہ گوشہ چشمتے ہما کنند
 ہمتم بدرقہ راہ کن اے طائر قدس ولا کہ دراز است رو مقصد و من نو سفرم
 دو یار زریک و از باد و کمن دو منی ولا فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے
 عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال عرفی صد سال میتواں بہ تمنا گریستن
 جہانے مختصر خواہم کہ دروے نقیری ہمیں جائے من و جائے تو باشد
 خرم نل را ہماں شمع و فایا بد نہ برق — خاطر پروانہ از ہر آتشے خرم سنیت

سخت می ترسم کہ من بسیار می خواہم ترا نسبتی آرزو خوب است اما اینقدر باخوب نیست
جز این کہ محکم از دل آرزو ہا را قائب نماندہ است مراد دل آرزوئے دگر
تتم بسوخت دلم سوخت استخوانم سوخت دارا شکوہ تمام سوختم و ذوق سوختن باقیست
محفلے خواہم کہ آنجا وصل جانان و دیدن غلہ جانان گوشہ ابرو جواب گوشہ ابرو دہد
الہی نالہ گرے دل دیوانہ مارا بیر غلام علی از کرامت کن نہال آتشی دانیہ مارا
آرزو دارم کہ خاک آن قدم ————— تو تیاہے چشم سازم دم بدم

دل من تلے از آن طرۃ طراری خواہد سلا تیرانی ز چین غنہ سریش نافہ تا تاری خواہد
الا ای خسرو خواباں مدام بوسہ شیریں دل شوریدہ از آن لعل شکر یاری خواہد
آیا بود کہ فصل الہی بدل کند دلہ شام فراق من بصلح وصال تو
آرزوئے رے ماہے میکشم پرتان حسرت چشم سیاہے میکشم
نازینے سادہ می خواہد دلم دلہ طرف گلشن بادہ می خواہد دلم
اے دل شکنو اپنی تمنا کی خبر لو عزت توڑو ہو جوشیشہ کو تو صبا کی خبر لو
کہتے تھے کہ یوں کہتے یوں کہتے جو یار آہنا

یہ کہنے کی باتیں تھیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں دلہ تپہ قسم دل کو مار رکھتے ہیں
وصل اُس کا خدا نصیب کرے دلہ جی مرا چاہتا ہے کیا کیا کچھ
کافر ہو جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو بیان اک محقر سی جاہو اور میں ہوں اور تو ہو
دیدار کی نہ تیرے گئی آرزو ہنوز جوش ہم مر گئے پر آنکھوں میں پھرنا ہے تو نہ
خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہرباں نہ پھرے مقدر پھرے ہماں تو پھرے پر وہ جان جان پھرے

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشاں کا
 جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے سنبستان کا
 یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے دلہا ہم اور بلبل بیتاب گفتگو کرتے
 غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر سہم بھی کچھ
 آرزو ہاے دل درد آشنا کئے کو ہیں
 کسی نے اُس کو سمجھایا تو ہوتا غفر کوئی یاں تک اُسے لایا تو ہوتا
 جو کچھ ہوتا سو ہوتا تو نے تفتیر وہاں تک مجھ کو پہنچایا تو ہوتا
 مٹتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دست غائب لیکن خدا کرے وہ تری جسلوہ گاہ جو
 رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے
 آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کیوں
 قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو دلہا کاشکے تم مرے لئے ہوتے
 میری قسمت میں غم گر آتا تھا دل بھی یا رب کئی لئے ہوتے
 کھیل سمجھا ہے کیس چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
 کاشکس یوں بھی ہو کہ بن میرے بستلے بنے
 باقی ابھی ہے ترکِ تمنا کی آرزو ایسے کیوں کر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے
 اک رات دل جلوں کو بھی عیش وصال دے
 پھر چاہے آسمان جھنم میں ڈال دے
 وصل کا اُس کے دل زار تمنا تھی ہے
 نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

آتش

توس

دلہا

دلہا

جلال

حالی

وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں اتنی غازی پوریا کہاں ہے اسی بیدل ہمارا

دس بارہ سال کا ذکر ہے مرزا ثاقب مرحوم گورکھپور میں اپنے صاحبزادے کے یہاں مقیم تھے
 میں حاضر ہوا، چلتے وقت ازراہ عنایت وہ کچھ دور پہنچنے آئے، اسی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر
 چھڑ گیا، مرزا صاحب کہنے لگے ”میں نے دیوان دیکھا ہے، نشتر نہیں ملے،“ اسی رحمۃ
 اللہ علیہ صاحب دل تھے، باور نہ ہو تو ان کا دیوان دیکھئے، اور دیوان دیکھنے کی
 فرصت نہ ہو تو کم از کم ان کی

رات ہے رات تو بس مردخوش اوقات کی رات

والی غزل لکھئے، میں نے ان کا کوئی اچھا شعر مرزا صاحب کو سنا ناچا مگر حافظ نے مدد
 نہ کی، مندرجہ بالا شعر یاد آیا، میں نے اُسے سنا دیا، مرزا صاحب نے کہا کہ میرا شعر
 بھی سنو اور یہ شعر سنایا۔

کیا جاؤں وہاں میں کہ گیا بھی جو کسی دن

اتنا ہیں نہ پوچھا کہ کہاں تھے کہ بھر آئے

دوسرے شعر بھی اس کی کیفیت ہے۔

اشک خورشید جہاں تاب دیا دل ٹھسکو

دل

کوئی دُسر بھی اسی دل کے برابر دینا

حاصل تیغِ جفا کا رہ جائے دل آئے خونِ تمنا کیجئے

تمناؤں میں اُبھایا گیا ہوں شاد کھلونے کے بہلایا گیا ہوں

ہزاروں آرزوئیں تھیں مگر اب یوسفِ گجراتی دل بے مدعا ہے اور میں ہوں

تمنا تھی نگاہِ شوق اپنی دلگیر کبھی ملتی نگاہِ شرگیں سے

آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے
 بزم سے میں آرزوئے دیدِ جاناں سے پالا
 حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
 کیا کیا حسم نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا
 گراں گزریگا حرفِ آرزو اُس طبعِ نازک پر
 نگاہِ شوق اس مضمونِ رنگیں کو ادا کرے

محفل ہو شغلِ مے ہو شبِ ماہتابِ اقبال اور میں گروں تو مجھ کو سنبھالا کرے کوئی
 دل میں اس طرح سے ارمان ہیں آزادی کے
 چکیت جیسے گنگا میں جھلکتی ہے چمک تاروں کی

کچھ تمنائیں تو شکوؤں میں نمایاں ہو گئیں ————— جو نہ لب تک آسکیں وہ دردِ نہاں ہو گئیں
 گستاخ تو ضرور ہیں لیکن تمہیں تباؤ ————— کس طرح تم سے عرضِ تمنا کیے کوئی
 وہاں بستے جہاں خاکِ تر دل کی زمیں ہوتی ————— وہاں رہتے جہاں دودِ فغاں کا آسمان ہوتا
 اور عشرت کی تمنا کیا کریں اکبرِ حیدری سامنے تو ہو تجھے دیکھا کریں

زباں پہ حرفِ تمنا ابھی نہ آیا تھا اثرِ لکھنوی کہ وہ نگاہِ پھری کیوں پھری نہیں معلوم
 شوق سے دنیا میں عشرت کی تمنا کیجئے وہ پہلے اک امرِ وزبےِ فردا تو پیدا کیجئے

یہی جی چاہتا ہے اُن کو پیہم پھیرتے رہتے

جگر مراد آبادی

بہت دلکش ادا ئے حُسنِ برہم ہوتی جاتی ہے

رعنائی خیال کو رُسوا نہ کیجئے وہ ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجئے

یہ بھی ہو سکتا ہے کیوں لے چمن آرائے بہاؤ نیر میں ادھر قید سے چھوٹوں اُدھر آجلے بہاؤ

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی مجذوب اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

اس شعر کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا "خواجہ صاحب (مجذوب

صاحب) اگر میں بادشاہ ہوتا تو آپ کے اس شعر پر ایک لاکھ روپیہ دیتا"

ہائے وہ ساعت کہ وقف شوق تھا ہر نفس

مخرج

آہ یہ عالم کہ اب تیری تمنا بھی نہیں

کاش یہ کہہ کے جام دے ساقی مباد کہ آیا "میری خاطر تجھے خدا کی قسم"

حسرت

ز حسرت سو ختم وز شرم دو دے بر نیادرم

الہی آتش اندر خانہ ناموس ننگ افتد

بشکند دستے کہ خم در گردن یائے نشد زب انساہ کو رہ چشیم کہ لذت گیر دیدار سے نشد

نور بہار آخر شد و ہر گل بغیر سے جا گرفت غنچہ باغ دل مازیب دستار سے نشد

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے

منظر جان جاناں

اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغبان اپنا

کوئی کہتا نہ باز آتے وہ میرے قتل سے ہرگز

آئیر

جو دنیا ان کو سمجھاتی وہ دنیا بھر کو سمجھاتے

خارج حسرت قبر نکال میں کھٹکتا جائے گا داغ مرغ بسل کی طرح لاشہ تر پٹا جائیگا

خارج حسرت بیان سے نکلا دل کا کاٹا زبان سے نکلا

سو بکس میں نہ نکلے دل کی خلش بیان اور نکلے تو آن میں نکلے

اور کیا چاہتی ہے آرزو ہے دل اُن سے اسی غازی پوری کچھ نہیں حُسن کی سرکار میں حسرت کے سوا
قسمت میں نا اُمیدی و حسرت کیا کروں وحشت اس یوناس سے مجھ کو مجھ سے کیا کروں
شاید کہ آج حسرت جو مسرِ نکل گئی جو ہر اک نشِ تخی پڑی ہوئی گور و کفن سے دو

رَشک

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا توں جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
قیامت ہے کہ ہوئے مدعی کا ہم سفر غالب غالب وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے

دل

میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

تکیہ کلام ہی سہی رشک سے مر رہا ہوں میں

اثر لکھنوی

کیوں کہو بات بات پر دیکھو بھلا سا نام ہے

افسردہ دلی

بید لیہائے تماشا کہ نہ عبت ہے نہ ذوق

غالب

بیکسیہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

افسردہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفۃ شیفۃ طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذت گناہ میں
کچھ آج نہیں رنگ یہ افسردہ دلی کا ایتر مدت سے یہی حال ہے یار و مرے جی کا

اب افسردہ دلی کا رنگ ہے پیشِ نظر ثاقب

ثاقب لکھنوی

ان آنکھوں نے بہت سرگرمیاں دیکھی ہیں محفل کی

افردگی بھی حسن ہے تا بندگی بھی سُسن اجتنی رنوی ہم کو خزاں نے تم کو سنوارا بہار نے

بدگمانی

تم پار ساسی مگر اتنا تو سوچ لو داغ کچھ دیکھ ہی لیا ہے جو دل بگماں ہے اب
مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں مانی بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو
✓ نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا

نوب امداد امام اثر

محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

✓ جب سے تو مہرباں ہے پیائے جگر مراد آبادی اور دل بدگمان ہے پیارے

ضبط

زہیم آنکھ دوشش کم نگرود اقبال نگویم حالِ دل باراز داراں
مکڑے کب غم نے یہ جگر نہ کیا قائم نہ کیا ہم نے نالہ سر نہ کیا
ہم اے آگے ترا جب کسی نے نام لیا میسر دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

یکم لے ہم سے کوئی ضبط جنوں کے انداز

شہیدی

برسوں پابند رہے پر نہ ہلائی زنجیر

روکنا فرقت میں اشکوں کا نہیں اچھا امیر

اتیسر

چار دن کے ضبط میں دیکھو تو کیا عالم ہوا

کوئی میرے برابر کیا کرے گا ضبط الفت میں

دلا

نہیں آتا زباں تک دل سے حرف آرزو برسوں

ضبط دیکھو اوصافِ نگاہ نہ کی دل مر گئے مرتے مرتے آہ نہ کی
اک خوشی ہو گئی ہے تحمل کی در نہ حالی پہلا سا وصلہ نہیں صبر و قرار کا
تم خوب جانتے ہو مری تابِ ضبط کو — کوئی تو بات ہے کہ گلہ کر رہا ہوں میں

دیا ہو تو دیا ہو کچھ پیامِ شوق آنکھوں نے
مرے لب تک تو حرفِ مدعا تک نہیں آیا

بہت آج وہ مہرباں ہو رہا ہے حسرت مرے ضبط کا امتحان ہو رہا ہے
سرورِ بادۂ اُفت فقط ضبطِ فغاں تک ہے
جو سچ پوچھو تو جینے کا مزہ در و نہاں تک ہے

ہو گئے سلسلۂ ضبط کے ٹکڑے ٹکڑے اسی کہنی ایک جھٹکا جو دیا عشق کی رسوائی نے
آنسوؤں کی کمی نہیں لیکن جگرِ آبا کی کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی

یہ بزمِ غیسر ہے لو کا م ضبط سے ایسا
گرے جو آنکھ سے آنسو بڑی ہنسی ہوگی
نہ آیا مرتے مرتے شکوہ جو رہاں لب تک

قیامت تک کریں گے تذکرہ اہل ستم میرا
اسی طرح ہنس نہیں کے آنسو پئے جا غارِ ٹپکنے نہ پائے شہرِ اب محبت

ندامت

ایک دن ہاتھ لگایا تھا تم سے دامن کو قائم آج تک سر ہے خجالت سے گریبان کچھ
یوں گنوا تا ہے کوئی دل کو میر میر یہی آتا ہے بار بار افسوس

خدا کے سامنے ہم جائیں کیونکر اتھر تبوں پر عمر بھر شیدا ہے ہم

اضطراب

سا بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں تیر حالت اک اضطراب کی سی ہے
اثر اضطراب قیس نہ پوچھ ریاض پردہ اٹھ اٹھ گیا ہے محسن کا
اٹھنے لگیں زمانے کی نظریں مری طرف شکر لال میں نے یہ کس کا نام لیا اضطراب میں
شاید وہ یاد کرتے ہیں مجھ کو کہ اور بھی
تکلیف اضطراب کی شدت ہے آج کل حسرت

ارادہ

دست از طلب ندارم تا کار من بر آید
یا تن رسد بہ جاناں یا جاں ز تن بر آید حافظ
دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر تیر جی میں آتا ہے آج بھی ہو آؤں
ٹھانی تھی دل میں اب نہ یلنگے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم مومن
کوئی دن گر زندگانی اور ہے غالب اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
جی میں آتا ہے یہ شخص دیدہ و خوبال سے
آج اپنی آستیں کو گل بہ داماں بکھٹے اشعر

گہنا گوں

بندۂ حلقہ بگو شمع سر خدمت دارم پتاری تاربا ولسنہ من کر بانند سر و من آزاد را
 ہجر آزد مرا فسر وصالے کوں ساگر شیرازی شاد ماں خاطر خود را بجیلے کر دم
 خدا جانے کہ کیا خواہش ہے جی کو تیر نظر اپنی نہیں ہے محسوس کیوں پر
 ان و نوں کچھ عجب ہے حال مرا میر درد دیکھتا کچھ ہوں بیان میں کچھ ہے
 اگر بچھر ہمیں یاد کر نہیں سکتا یقین کبھی بُرا ہی ہمیں کہہ ترا بھلا ہوگا
 مہربانیمانے دشمن کی شکایت کیجئے قالب یا بیاں تیکھے سپاس لذت آزار دوست
 آتے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب ولا کس کے گھر جائیگا بیلاب بلا میسے بعد
 یار سے پھیر چلی جائے اسد ولا مگر نہیں وصل تو حسرت ہی سی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلتے
 بہت نکلتے مرے ارماں ولے اس پر بھی کم نکلتے ولا

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے ولا سینہ جو یاتے حسیم کاری ہے
 پھر اُسی جو فاپہ مرتے ہیں پھر وہی زندگی مہاری ہے
 اندر سے فرط شوقِ میری کہ شوق میں آؤ پروں اٹھا اٹھا کے سلاسل کو دیکھنا
 اور بگڑے ہیں مزاج آپ کے دیوانوں کے پیانے صاف آج در بند کئے جاتے ہیں زندانوں کے
 قابلِ عفو میں آلودہ عھسیاں ہوں اتیر لے اہل صبر کر اتنا کہ پشیمان ہوں

وہ خوشی بھی دید کے قابل ہے جب ہوتا ہے شا
 مضطرب کو مضطرب مضطرب کو مضطرب دیکھ کر داغ

خبر دیوں سے یاریاں نہ گئیں حسرتِ دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں
 مرے غم کی انہیں کس نے خبر کی ناطق گلاؤں کی گئی کیوں گھر کے باہر بات گھر کی
 شاید حسرتوں سے شکل عیاں ہو بہار کی چلبست کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی
 شکوہ لذت کے لئے ہے ورنہ وہ کافر ہے وہ

اثر کھنوی

دل دکھانے سے اثر جو اور پیارا ہو گیا
 اب وہ عالم ہے ترے دردِ محبت کے نشا دل التفاتِ نگہ ناز بھی منظور نہیں
 دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں جگہ مراد آبادی کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے

پتی

جو ہم روتے تو آنسو پونچھنے والے بھی مل جاتے
 شریکِ رنج و غم دامن سے پہلے آستین ہوتی
 جی کڑا کر کے حالِ دل اُن سے خوش اب تو کہتے ہیں ہرچہ بادِ اباد

نثار

گزار دوں ترے غم میں جو عمرِ خضر ملے
 ترے نثار یہ دو دن کی زندگی کیا ہے

آدابِ عشق

صلح کر دیم من و عیسو دین بود صلاح ملک قتی زانکہ جنگ من او باعث رسوائی توست
اندکے باتو بگفتم و بدل تر سیدم — کہ تو آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں ابرو اس طرح دل کا حال کہتا ہوں

قائم اور تجھ سے طلب ہو سے کی کیونکر مانوں
ہے تو نادان مگر اتنا بد آموز نہیں قائم

پاسِ ناموس مجھے عشق کا ہے اے بل سودا ورنہ یاں کو فسا اندازِ فغاں ہے کہ نہیں

دور بیٹھا غبارِ میسر اُس سے تیر عشق بن یہ ادب نہیں آتا

پاسِ ناموسِ عشق تھا ورنہ کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

جنوں میں بھی وہی پاسِ وفا ہے میر درد تجھے کیا لے دل دیوانہ کیئے

ہوں گرچہ بیگنہ پہ مجھے تیرے روبرو مصحفی سر کو جھکائے مشکل گنہگار بیٹھنا

دل جس کو چاہتا ہے اُسے بھی خبر نہ ہو نظیر اکبر آبادی اپنی تو فہم میں ہے یہی لائے سب خوب

اُس کی جینِ پاک پہ اس دم تک اے نسیم

کافر ہوں گر پڑی ہو نگہ بے وضو مری

زباں پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا

کہ میں نے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے غالب

گر یہی ہے ادبِ عرضِ تمنا تیلیم تیلیم کہ چکے یار سے تم حالِ پریشان اپنا

آیا کبھی نہ حرفِ تمنا زبان پر سنبلی یان تک تو ہم کو پاسِ ادب کا لحاظ
 اٹھ گئے اُس مقام سے اشک بھر آئے جس جگہ
 آج تک بچائے ہیں عشق کی آبرو کو حسم

شہادۂ عظیم آبادی

کہ کے یہ اور کچھ کہا نہ گیا آرزو لکھنوی کہ ہمیں آپ سے شکایت ہے
 دیکھنا بھی تو اُنھیں دور سے دیکھا کرنا حسرت شیوہ عشق نہیں سُسن کو رُسوا کرنا
 سا کٹ گئی احتیاطِ عشق میں حسر ولا ہم سے افسارِ بدعا نہ ہوا
 یہ بھی آدابِ محبت نے گوارا نہ کیا ولا اُن کی تصویر بھی آنکھوں سے سٹائی گئی
 خموشش لے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

اقبال

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قریبوں میں
 دیکھ لیں تم کو کنکھیوں سے تو مجبوری، منفرد زاپریاں نظر بھر کے جو دیکھیں تو گنگنا لگیں
 نیاز مندِ محبت گنگنا رہے اتر لکھنوی فلک کی سمت دمِ اضطراب دیکھ لیا
 پوچھنے والے تو نے پوچھا اعلیٰ کرم ادا کیا
 اب پر آئے حرفِ تمنا عشق کے یہ آوازیں

ولا

ایک سجدے سے زیادہ عشق پر کیا کیا ولا دور نہ آلودہ سینہ بندگی ہو جائیگی
 دور سے گامِ گام ایک زنگاہ ولا اس کو بھی مدتِ مدید ہوئی
 ہے ہے وہ ضبطِ شوقِ نظارہ دمِ اخیر ولا دل چاہتا کہ ہر خاکہ سر دیکھتے رہے

ترپے بھی مضطرب بھی ہوئے وقتِ قتلِ حسم
 سب کچھ سہی تمسارا تو دامن بچا لیا

آسی آدنی

دھڑکنے لگا دل نظر جھٹک گئی جگر مراد آبادی کبھی اُن سے جب سامنا ہو گیا

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جسگر
 ہر طریقہ و احسنِ آدابِ زنداں ہو گیا
 ہاں سزا دے اے خدائے عشق اے توفیقِ غم
 پھر زبان بے ادب پر ذکرِ یار آ ہی گیا

اپنی حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق تیں وہ جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے
 تمہیں ظالم کے سارا زمانہ — مگر ہم کیا کہیں اپنی زباں سے
 تم نے نگاہِ لطف سے رکھ لی ادب کی شرم
 ورنہ لبوں تک آ ہی چکا ہوتا گلہ ابھی

مذہب عاشق

کافر عشقم مسلمانی مراد بکار نیست خرو ہر رگ من تار گشتہ حاجت ز تار نیست
 خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند آئے آئے میکنم با خلق مارا کار نیست
 مسلمان کافر م کافر مسلمان جلال اسیر نہ دینم رونقے دارد نہ دنیا
 مراد نیست بہ کفر آشنا کہ چندیں بار بے چند رجائے بہ کعبہ بروم و باز شش برہمن آوردم
 دارا شکوہ کی سفارش سے شاہجہان کی بارگاہ میں رائے چند رجہان کو شرف باریابی حاصل ہوا
 کلام سنانے کی اجازت عطا ہوئی 'رائے چند رجہان نے شعر مندرجہ بالا سنایا 'شاہجہان شعر
 سن کر قدرے کھڑ ہوا کیونکہ اس میں کعبہ پر چوٹ نہ سہی اس کی زیارت کو بے اثر
 ہونا کہا گیا ہے 'نواب سعد اللہ خان نے شہنشاہ کے چہرے کا رنگ دیکھا اور صورت
 حال سمجھ گئے 'انھوں نے عرض کیا 'اگر برہمن اپنے دل کو برہمن لائے تو کیا تعجب ہے
 کسی نے یوں بھی تو کہا ہے : سہ

خبر میلے اگر بہ مکہ رود

چوں بیاید ہنوز حسر باشد

غرض کہ نواب سعد اللہ خان نے بد مزگی یوں رفع کی

بت پرست تانیم با اسلام مارا کار نیست

غیر تار ز لعل مارا رشتہ ز تار نیست

عشق عالم سوز را با کفر و ایماں کار نیست
گر دنِ من در کند سجہ و زنا نیست

ناصر علی

کائے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا غالب مومن نہ بود غالب و کافر نتواں گفت
خدا را اے بتاں گرد دلش گردیدنی دارد دلہ درینا آبرو سے دیر گر غالب مسلماں شد
خوش بود فارغ ز بند کفر و ایماں بستین دلہ حیث کافر مردن و آفر مسلماں بستین
میر کے دین و مذہب کو تم پوچھتے کیا ہواں نے تو

قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھے کب کا ترک اسلام کیا

میر

اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریقِ خلاص بیتاب کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں اسلام سے ہم
عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن مومن آخری دور میں کیا خاک مسلماں ہونگے
مذہب عشق ہے پرستشِ حسن حسرت ہم نہیں جلنتے عذاب و ثواب
ہے یہی کفر محبت کے پرستاروں میں اتر کھنوی عشق اگر حسن کی عصمت کا نگہبان نہ ہوا
کافروں میں ہے جگر تو نہ مسلمانوں میں جگر مراد آباد کوئی کافر تجھے سمجھے ہے مسلماں کوئی

مضامین جن کا تعلق مذہب سے ہے

تسبیح و زنار

اے برہمن چہ زنی طعنہ کہ در معبد مارے چند بھارتی سوجھ نیست کہ آن غیرت زنار تو نیست
مرا بہر شستہ زنار الفتِ خاص است و لا بہ یاد و کار من از برہمن ہمیں دارم
تو از دامنہ سبوح دانست محمدی سلیم کہ دہارا بد لہا ہست راست

وہی اک رسیاں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کیس تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
بتوں کی بات پر کیوں چھوڑتا ہے اب تو کہے کو
نہ ہو سودا تو کافر رشتہ زنار نازک ہے

سودا

دیکھنا قیدِ عشق میں نہ آنا آزاد آزاد دام آتے ہیں نظر سبوح و زنار مجھے

سجادہ

بکوسے فروشان شہلے بر نمی گیرند حافظ نے ہے سجادہ و تقویٰ کہ یک ساغر فی ارژد

امام

کرتا ہے امام آج بہت سوکے سجدے داغ پوشیدہ جماعت میں وہ کافر تو نہیں ہے

زاهد

گر اے زاهد دعائے خیر می گوئی مرا ایں گو
کہ ایں آوارہ کو بے بتاں آوارہ تر بادا

خسرو

زاهد ہولِ قیامت منگن دردِ دلِ ما نورِ جہاں ہولِ ہجراں گذرانِ یم قیامت معلوم
ز مکرِ سبھ شماراں حسدِ انگہ دارد صائب کہ صد سراسر است بیک حلقہٴ نکند اینجا
چو آن کافر کہ اسلام آورد از بے نوائیہا
رو دیں سیر و زاهد کہ دنیا نیست در دستش

نہیں

پوششِ چشم خود از رویِ فو ظان زاهد صانعِ بگراہی کسے کہ منکرِ مصحف بود مسلمان نیست
ز من جذر نہ کنی گر لباسِ دین دارم ————— نہفتہ کا فرم دُبت در آستین دارم
حاتم نگر کہ ز اہد پر میزند گار را حاتم دل جائے دیگر است و نظر جائے دیگر است
زاهد نہ داشت تابِ جمالِ پریِ رُخاں ققیل کچھ گرفت و یادِ خدا رہا نہ ساخت
اندر عینِ سبب و بدست است جامِ قاری غازی پور زاهد بہ دورِ توجہ خوش اوقات آمدہ

سراج الدین خاں آذرہ

میخانہ بیچ جا کر شیشے تمام توڑے زاهد نے آج اپنے دل کے پھپھو پھوٹے
دکھاؤں گا تجھے زاهد اُس آفتِ جان کو سوا خللِ دماغ میں ہے تیرے پار سائی کا
زاهد نہیں ہے اپنی تجھے پاسِ آبرو ولا رندوں سے تو کرے ہے جو وقتِ خاکِ بحث
گر ہو شراب و خلوت و محبوبِ مہر و
زاهد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

ولا

زاہد اس راہ نہ آست پس مے خوار کئی بیدار ابھی یاں چھین لئے جبہ و دستار کئی
 خلوت ہو اور شراب ہو، مشوق سامنے یقین زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
 گریار مے پلائے تو کیوں کر نہ پیجئے انشا زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں
 زاہد شراب پیئے سے کافر ہوا میں کیوں ذوق کیا ڈیڑھ چٹلو پانی میں ایمان بہ گیا
 وہ شیفہ کہ دھوم تھی حضرت کے ہڈ کی شیفہ مست پوچھئے کہ رات مجھے کس کے گھر ملے
 مسجد سے نکل کر میں رہ میکہ بھولا اسیر تفتیر نے میری مجھے رکھانہ کہیں کا
 باطن کو دیکھئے تو سراپا منیر بکر اسیر ظاہر کو دیکھئے تو وہ کچھ جانتے نہیں
 ہمیں تو حضرت زاہد کی ضد نے پلوائی داغ یہاں ارادہ شرب مدام کس کا تھا
 مے پی تو سہی تو بہ بھی ہو جایگی زاہد ولا کبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی

ر بڑی ہی دھوم سے دعوت ہو پھر تو زاہد کی
 یہ مے جو چار گھڑی کو حلال ہو جائے رسا

بیٹھتا ہے ہمیشہ رندوں میں بیخود دہلوی کہیں زاہد ولی نہ ہو جائے
 جن کے معبود حور و غملاں ہیں حالی اُن کو زاہد حسد اسے کیا مطلب
 ترک دنیا کے علائق تو کئے سب زاہد ولا گر مناسب ہو تو ترک ریا اور سہی
 پی پی کے اُس نے سجدے کئے ہیں تمام راہن ریاض اللہ نے شعل زاہد شب زندہ دار کا
 ہوئے کر رہا تھا مہسپر ولا ہم جو پہنچے تو پی گیا زاہد
 حنا لگا کے پہونچتے ہیں گلر خوں میں راہن
 کچھ اُن کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں ولا
 کس قدر بے بنا ہوا زاہد ولا جیسے اُس نے وہ چیز پی ہی نہیں

دم و عظم کیسے مزے میں ہیں زہد دل بھرے جام کوثر کے چھلکار ہے ہیں
 یہ کیا دختِ رزک رسائی ہوئی دل جواب ریش زہد حسائی ہوئی
 پتھر نظر تھی زاہد خانہ حشراب کی وسیم ٹوٹی ہے کیا تڑاق سے توں شراب کی
 عدسے میکہ مجھ سے تائیں خانہ آپہونچا سائل چھپانا جام مینا میکشود یوانہ آپہونچا
 دیکھ لے نقشہ اگر اُس عالمِ تصویر کا شفق تو تو کیا زاہد دل آئے اُس تیرے پیر کا
 قسم کھا کے کہتا ہوں تیرا آن کی دل بڑی پسینہ زاہد ہے ایمان بھی

دیکھا اُس بُت کو جو زاہد نے تو یہ حال ہوا
 پھینکا عامہ کہیں تسبیح صد دانہ کہیں

رعنائی خیال کو ٹھسرا دیا گناہ صغر زاہد بھی کس قدر ہے مذاقِ سخن سے دور
 زاہد نے آکے پہلے تو دیکھا ادھر ادھر — پھر جھجکا کے داخلِ میخانہ ہو گیا

پی بھی جا زاہد حُسد کا نام لے کر پی بھی جا
 بادۂ کوثر کی بھی اک موجِ پیمانے میں ہے

یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی دل، بخوئے کرتا ہے زاہد کیا کوئی دیوانہ ہے
 زاہد اخوتِ رقابت ہے نہ اندوہِ فراق عباس جلوہ حور لبسِ دوس خیال اچھا ہے
 نہ کھلوائیں زباں اچھا یہی ہے حضرت زاہد صیبِ احمدی کہ اس ترکِ طلب کو حسرتِ عیبان بھی کہتے ہیں
 اہلیتِ مبری زاہد کو گراں ہے ورنہ دل، آج مجھ کو ہے تو کل اُس کو روا ہو جائیگی
 نہ دوزخِ روئے کوثر کے طعنے دل، کہ زاہد بھی تو آخر آدمی ہے

محبت کو سمجھنا ہے تو زاہد خود محبت کر
 کہ ساحل سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

آج تو زاہد نے بھی نامِ حسدِ اپنی لی شراب
 میکشو مرثوہ کہ اک کامر مسلمان ہو گیا
 پی بھی لے اے پیرِ صد سالہ ذرا سی پی بھی لے
 مے نہیں زاہد جوانی میسر پہلنے میں ہے

واعظ

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مکنند خانقا چوں بخلوت می روند آں کار دیگر مکنند
 کیا کروں گا ہاتھ سے ٹوروں کے واعظ لے کے جام
 ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس محسنہ و رکا
 واعظِ ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے تیر
 آدمی خانے چلو تم کس کی باتوں پر گئے
 خیف مجھ سے اُبھ کر عبث ہوا واعظ یقین کہ میں تو مست تھا اُس کو بھی کیا شعور تھا
 واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلاسکو غالب کیا بات ہے تمہارے شرابِ طور کی
 واجد علی شاہ اختر

مجھی کو واعظا پسند نصیحت کبھی اُس کو بھی سمجھایا تو ہوتا
 کیونکر کریں مصافحہ واعظ سے بادہ کش ذکی ہاتھوں سے اپنے پھینکیں جامِ شراب کیا
 جوئے کر رہا تھا منبر پر تیر ہم جو پہونچے تو پی گیا واعظ
 واعظ اب چھپر کے رندوں کو سنا کرتے ہیں
 کچھ مزہ ملنے لگا ہے انھیں صلو اتوں میں

اور سنئے ابھی رندوں سے جنابِ واعظ داغ چل مئے آپ تو دو چار ہی صلو اتوں میں

جو پر یہ طبیعت اسے واعظ ولہ تجھ سے کہہ تو دیا نہیں آئی سر

دم بھر کو تری وعظ میں ہم بیٹھ کے واعظ جلال برسوں نہ رہے بزمِ خرابات کے قابل

قیامت سے ڈرا کہ دل دکھا میرا نہ اے واعظ

سرسا

کہ اس دل میں اُمیدِ رحمتِ غفار باقی ہے

دی ہے واعظ نے کن آدابِ تکلیف نہ پوچھ

حالی

ایسے اُلجھاؤ تری کا کل سچیاں میں نہیں

رندوں میں تو ہے لطفِ مے و ساقی و مطرب

سر اکبر الہ آبادی

واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کُچھ ہے

واعظ شراب خانے میں کھولیگا کیا زباں ریاقت ہم خوب جانتے ہیں وہ ٹڑا ہے تھاں کا

جام چھلکانے لگے بھر کرے کوثر سے آپ ولہ حضرت واعظ بہت اونچے گئے نمبر سے آپ

حضرت واعظ نے جو چاہا کہا ولہ پر نہ کچھ بولے خدا کے در سے ہم

چھپا کر بہت پی ہے مسجد میں واعظ ولہ یہ ظرفِ وضو سب کھنگالے ہوئے ہیں

اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی ولہ ہم رند سُن کے قفلِ مینا کہیں جسے

دل نہ مانا حضرت واعظ کو آتا دیکھ کر ولہ کچھ یوں ہی تھوڑی سی پی لی دگلی کی واسطے

بیٹھے ہوئے ہیں ہاتھ دھرے ہاتھ پر ریاقت ولہ واعظ کے سر پہ آج سبُو ہم اُچھال کے

وہ آ رہا ہے عصا ٹیکتا ہوا واعظ ولہ بہائے اتنی کہ ساقی کہیں نہ تھاہ ملے

اس اتفاق کو فضلِ خدا سمجھ واعظ جلیل کہ جوئے تھے لب پر تھی مجھ کو ہوش نہ تھا

ذکر مے وعظ میں جب آتا ہے ولہ جھومتا ہے سرِ سبر واعظ

مکڑے ساغر کے ہیں لختِ جگر ہیں واعظ
 کہیں پاتے ہیں تو پلکوں سے اٹھاتے ہیں
 گماں بیجا نہ تھا بوتل اڑا لینے کا واعظ پر
 تلاشی لی جو حضرت کی تو زیرِ استین بکلی
 مجھے اٹھانے کو آیا ہے واعظ نادا جگر مراد آبادی جو ہو سکے تو مرا ساغر شراب اٹھا
 اٹھا کر اپنا بستر راہ لے جنت کی اے واعظ
 ڈھلا جاتا ہے حوروں کا شباب آہستہ آہستہ اسد گورکھپوری

دستِ ساتی میں جام اے توبہ نشرِ تنگامی اور واعظ حرام ارے توبہ
 ہوش میں آکے بات کر واعظ میکشی اور حرام ارے توبہ
 بہاے فرقہ واعظ جہاں میں کچھ بھی سہی جہنم سا پورا یہاں تو درخورِ یک ساغر شراب نہیں
 لفظوں کی نمائش ہے ہر قول ترا واعظ دل بے کیف تری صہبا زنگیں ترے پیمانے
 ذاعظ عذابِ قہر جسمِ سببِ مگر خوار اک چیز اور رحمت پروردگار ہے
 کون سی جنت کا واعظ کر رہا ہے ذکر تو
 ایسی اک جنت تو ہم رندوں کے میخانے ہیں
 میکشوں کے دونخ و جنت ہیں اے واعظ ہیں
 ایک میخانے کے باہر ایک میخانے میں ہے

شیخ

نور بانی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ایک مطربہ خوشنوا تھی، اُسے محمد شاہ کے دربار

میں تقرب حاصل تھا، مولانا حالی کہتے ہیں :-

”ایک روز نوربائی نواب روشن الدولہ کے یہاں بیٹھی ہوئی تھی، ہنسی چل کی باتیں ہو رہی تھیں، اتنے میں میران سید بھیک کی سواری آپہنچی جن سے نواب صاحب کو کمال عقیدت تھی، نوربائی دوسرے کمرے میں بھیج دی گئی، میران صاحب تشریف لائے، اور اتفاق سے دیر تک بیٹھے رہے، نوربائی پہلے تو خاموش بیٹھی رہی، لیکن طبیعت میں چلبلاپن تھا اس لئے تنہائی زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی اور بے جھجک باہر آ کر میران صاحب کے حضور میں آداب بجالائی اور عرض کیا، اگر لونڈی کو حکم ہو کچھ گائے، میران صاحب عاشقِ سماع تھے، خاموش ہے، نوربائی نے خاموشی کو نیم رضا تصور کر کے خیام کی حب ذیل رباعی پڑھنے میں لگا کر شروع کیا :-

شیشے بہ زن فاحشہ گفتا مستی کز خیر گستی و ز شر پیوستی
زن گفت چنانکہ می نائم، ستم تو نیز چنانکہ می خانی هستی
میران صاحب کی جو حالت ہوئی ناقابلِ بیان ہے، نوربائی خاموش کر دی گئی مگر شیشے کی شورش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی، مرغِ بسمل کی طرح زمین پر لوٹتے تھے، دیر تک یہی عالم رہا، بڑی مشکل سے ہوش میں آئے،

ایران میں ایک شخص کے گھر سے آلاتِ شراب سازی و شراب نوشی برآمد ہوئے فاضلِ نجفی وہاں کے مجتہد و شیخ تھے، انہوں نے اُس شخص کو سزا دی، مرزا یغمانے اس پر ایک رباعی کہی، جو ذرا سخت تھی، اُس کا چرچا ہوا، شیخ

نے بھی سنا، 'یغما کو بلایا اور کہا "اہانتِ شریعت کر دی بدکردی" یغما نے کہا،
 "پیشانم براں" شیخ چپ ہو گئے، پھر اُن سے دعلے توبہ پڑھوائی اور اُن کو
 رخصت کر دیا، اُنھوں نے گھر آتے ہی ایک غزل کسی جس کی طرح تھی :- ساغر
 نمی کردم چہ می کردم، گو ہر نمی کردم چہ می کردم، اخیر میں کہا
 ز شیخ شہر جاں بردم بہتر دیرِ اسلامی مدار اگر بایں کافر نمی کردم چہ می کردم
 یہ غزل یاروں کو دے گئے اور آپ دوسرے شہر چلے گئے، اُسی دن گلی
 مگلی اور کوچہ کوچہ یہ شعر زبانوں پر تھا،

عارف از راہ یقین رفت و بمقصود رسید عبرت شیخ در مرحلہ ظن و گمانست ہنوز
 شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم قائم پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی
 شیخ جی گر آمر ہو میں بھی کروں کچھ التماس
 آپ کی خاطر میں جو آیا سو فرماتے ہے دل
 شیخ اتنا تو جتاؤ نہ تم اپنا تقولے سودا عوضِ مے ہے گر وجہ و دستار ہنوز
 کس کی ملت میں گنوں آپ کو تبلا لے شیخ
 تو کہے گبر مجھے گبر مسلمان مجھ کو دل
 ہم شیخ کی سننتے تھے مریدوں سے بڑائی
 دیکھا جو اُنھیں جا کے تو عمارہ سوا شیخ
 سرشین رہ چکا نہ ہوں میں کیا جانوں
 تری مسجد کی تیں شیخ کہ آیا نہ گیا میر

دل پُر خوں ہے یہاں تجھ کو لگاں ہے شیشہ

دل

شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

لڑتے ہیں جا کے باہر یہ شیخ اور برہنہ ناکل پیتے ہیں میکدے میں ساغر بدن ل کر
کفر بھی اک شانِ عنائی اُسی دلبر کی ہے راسخ شیخ کیوں تو برہنہ سے برسرِ پیکار تھا
شیخ اس بُت شکنی پر نہواتا منسٹر دل تو نے توڑا نہیں اپنا بُت پندار ہنوز

یاسمن (کنیز انثار اللہ خاں)

دخترِ رز سے راتِ صحبت تھی شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

منکرے تھا شیخ کل آج یہ جان ہے کہ ہے

احسان

جامِ بدست، خمِ بسر، شیشہ بر سرِ بیدوش

حاجی محمد صادق خان اختر

اور امتحانِ غیر تو یہ آپ کا عِسلام قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

پینے کیوں مٹے باقی ساتی شیخ صاحب کی نصیحت ہی سی

شیخ اللہ کے تیری عیاری دال کس تو بے پڑھ رہا ہے غار

ہم اگر کہیں کوئی بات تو کاؤ کھلائیں دل شیخ کہ دے تو وہی بات کر استِ ٹھہرے

ہم جو پپ ہوں نو سٹری کھلائیں دل شیخ پپ ہو تو عینِ دت ٹھہرے

جو ان کے سامنے دورِ شراب نہ ہوتا دل تو شیخ جی کا کلیجہ کباب ہوتا ہے

کون سا دام نہاں شیخ کے طامے میں نہیں جلال چچ ایسا بھی کوئی ہے کہ علمے میں نہیں

حضرت شیخ نہ پینا مگر آؤ تو سہی آج میکدے میں قدمِ پاک سے برکت ہوگی

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ عالی اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جانا

مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے ولا اک بزرگ دین کو جھٹلائیں کیا
 گوئے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا ولا اے شیخ بن پڑیگی نہ کچھ ہاں کہے بغیر
 دیدنی ہو گیا محبت میں حیران شیخ شب زندہ دار کا عالم
 اور ہمت بلند کر اے شیخ اسی غازی پوری طمع و خوف کی ریاضت کیا
 شیخ صاحب تم فرشتہ ہو تو ہو — آدمی ہونا بہت دشوار ہے

شیخ کو وجد میں لائی ہیں پیانوں کی گتیں
 پیچ و ستار فضیلت کے کھلے جاتے ہیں اکبر الہ آبادی
 جناب شیخ پھر آخر سیر کروں کیوں کر ولا جدھر اٹھاتا ہوں آنکھیں اُدھر معاذ اللہ
 بڑھائی شیخ نے داڑھی اگر چرسن کی سی
 مگر وہ بات کہاں مولوی بدن کی سی ولا

شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا ولا احتیاطاً کچھ منگالی جائے گی
 کیا نام لوں میں شیخ تہجد گزار کا ریاض ہے میکرے میں کام ٹپے ہو تیار کا
 خم سے نہ ہو وہ سیر میں چلوں سیر ہوں یہ طرف شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا
 جناب شیخ نے جب پی تو منہ بند کے کہا ولا مزہ بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں
 شیخ یہ کتنا گیا پیتا گیا ولا ”ہے بہت ہی بد مزہ اچھی نہیں“

شراب و ریاض میکشی سے ولا لمبی داڑھی ہے ہاتھ بھر کی
 اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی ولا گرہ میں دام نہ ہونگے اُدھار پی ہوگی

اپنے سر میرے گنہ کا بار رہنے دیجئے
 شیخ جی اچھی ہے یہ دستار رہنے دیجئے ولا

لے رہے ہیں شیخ جی انگریزیاں دلہ سا قیلا جا رہے ان کے لئے
 شیخ جی اور ملا لیجھے تھوڑا پانی حقیقت چوہڑی ہلکی ہو جائے کڑی ہے مرے پہلانے کی
 صنم کدے میں تجھبی کی تاب ہے مشکل اصغر حرم میں شیخ کو محو غار رہنے دے
 میخانے سے پلٹتے ہوئے شیخ جی لے باسٹ بیلانی پوچھا کہاں گئے تھے تو بولے کہیں نہیں
 پی کے دیکھو تو حال کھل جائے دلہ شیخ پوچھو نہ کچھ مزہ کیلہ ہے

حجابِ ناز بجا یا تس جس دن بیچ میں آیا
 اُسی دن سے لڑائی ٹھن گئی شیخ و برہن میں

یا تس

مستی بھری ہے سر میں شرابِ طہور کی بیدلِ عظیم آبادی دستارِ شیخ پنہ میسن کی شکل ہے
 شیخ جی ملا پہ لعنت بھیجے کا فر ہے وہ ملا آئیے ہم آپ کچھ اسلام کی باتیں کریں
 قائل نہیں میں حشر کا اے شیخ محترم مؤلف وہ جانتے ہیں سب تو حساب و کتاب کیا
 کبھی لے شیخ رندوں کی کرمت تو نے دیکھی ہے

اٹھے دستِ دعا اور جھوم کر ابر بہار آئے
 کرنے دو شیخ کو تعمیر خیالی جنت جیلے متقی ذوقِ عصیاں ہی سہی لذتِ عصیاں سہی

پارسا و اللہ والے

با خرابات نشیناں زِ کراماتِ طواف عافہ ہر سخن جلے و ہر نکتہ مکانے دارد
 مشکے دارم زرد انشمنہ مجلس باز پرس دلہ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

نمازِ پارسا بے مطلبے نیت

معنی

سلام او سلامِ روستائی ست

خوش نظیری نکتہ آوردی گرامی شد ز کار
پارسا آدابِ مے خوردن نمی داند کہ چیست

کرائی

آپ کو دیکھتا ہوں اے مائل مائل اور امامت کو دیکھتا ہوں میں
دل میں آشفۃ ہے بتوں کا خیال آشفۃ لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی
اجی شیخ جی زر سے ہے یکیشی رشید جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا
بتوں کی بُرائی رشید اس مست دل بڑے آپ اللہ والے ہوئے
طالب جام ساقیا ہیں مسم ازل پھر چپا کر کہ پارسا ہیں مسم
میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام ابرار آبادی اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں
اچھوتے جام ہیں منت کے کچھ لگ لگھے ریاض کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا
بنائی کیا بُری گت میکدے میں بادہ نوشوں نے
ریاض آئے تھے کل جامہ پہن کر پارسائی کا

دل

ستے چھوٹے جو سر راو عمامہ اُترا دل سر سے اُن بادہ فروشوں کا تفتِ اُترا
پارسا بن کے ریاض آئے ہیں میخانے میں دل آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دہن کیا
بڑے صاف طینت بڑے صاف باطن دل ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں
پارسائی کا یقین غیر کو دلواتے ہیں دل کہیں بھولے سے نہ آجائے تبسم مجھ کو
یہ سن کے نصف شب کو در میکدہ کھلا دل مانگی ہے اک بزرگ تجھ کو گزارنے
اٹھو او میز سے مے وساغر ریاض جلد دل آتے ہیں اک بزرگ پُرانے خیال کے

پارسا وضع پارسا صورت

ترجم

کوئی برہم سے بدگماں کیوں ہو

کہ کیا ہیں گن جلیں کے دل میں بہہ ہوئے
صورت جو دیکھتے تو بڑے پارسا کی ہے
شب بھر رہے شریک جو دورِ شراب میں جاس وہ سب صفتِ نماز میں وقتِ سحر ملے

صوفی

بروں نئی رود از خانقہ کی ہشمار سدی کہ پیشِ شمعِ بگوید کہ صوفیاں ستند
فصلِ بہار آئی پو صوفیو شراب ~~آئی~~ بس ہو چکی نماز محلے اٹھائے
گماں کس پر کریں صوفی را دھر ہے اس طرفِ غلط
خدا رکھے محلے میں بھی اللہ والے ہیں

دیرو حرم

آنکہ می کرد مرا منع پرستیدن بُت — در حرم رفت و طوافی در دیوار چہ کرد
در دیرو حرم بہرِ مناجات نہ قسم — جُز کوئے قوئے قبلۂ حاجات نہ قسم
اگر نہ ز لگہ یارے نباشد داعی بہ دیرو کعبہ ام کارے نباشد
ساکنِ کعبہ کجا دولت دیدار کجا عرقی ایں قدر ہست کہ در سایہ دیوارے ہست
روایت ہے کہ کہیں ایک مندر مسمار کیا گیا اور اس کی جگہ پر مسجد تعمیر ہوئی، اس پر کسی
زاہد نے فخر کیا، رائے چند بھان برہمن نے جواب میں یہ شعر کہا : ۵

ہیں کرامتِ بتخانہ مرا اے شیخ کہ چوں خراب شود خانہِ حُسد اگر دد
لا جواب شعر ہے، شاید سہیل صاحب جیسے شاعر اس کا جواب لکھ سکیں مگر پورا یقین نہیں

کہ بر شیخ و برہمن دارد احسانے کہ من دارم
چراغ کعبہ و دیر است ایمانے کہ من دارم

ناصر علی

منور است ازاں نور چشم دیر و حرم افصح کہ این چراغ میان دو محفل افتاد است
چشم وحدت بکشا سجد و میخانہ یکیت حینی کفر و اسلام یکے کعبہ و تبحانہ یکیت
کعبہ را ویراں کن اے عشق کا بنجایک نفس
گہ گہے پسماندگان عشق منزل محی کنند

بے گناہم پسیر دیر از من مرغ غالب من بہستی بستم احرام را
مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیت دل ہر جا کنیم سجدہ ہاں استاں رسد
آید ز آئین حرم یا دیر رسم دیگرے سبطین عرضے نیازے بر تے رقصے برے کافرے
سجد شیناں رخصتے خواہد بہ دیرم لعتے در دست زنگیں شیشہ و در شیشہ بوجے کوثرے

بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قسائم
مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے قائم

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جابے غم ہے شیخ
کچھ قصیر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا سودا

عرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب دل تماشا ئے دیر و حرم دیکھتے ہیں

برہمن بُت کے صدقے شیخ بیت اللہ کے صدقے
کر آؤ جا کے سودا کو دل آگاہ کے صدقے دل

شریف مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ تیر یہ تیرا اب جو گدا ہے شراب خانے کا
اب تو جاتے ہیں بتکدے سے تیر دل پھر ملیں گے اگر خدا لایا

تو رُخت زائد نے کیوں مسجد یہ بتخانہ کیا — تب نواک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا

نظر میں جب ہود لکشن فروزہ میر درد کے کعبہ کے بتخانہ کہئے

کبھے میں مسم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق

یقین

اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دو نہیں

شیخ کچھ فرق ہے تیرے ہی نظر آنے میں

ورنہ ہے ایک وہی کعبہ و بتخانے میں

لاذول رائے فنا

و اعظ کبھی میخانے میں ہو گانہ گذر کیا میر اثر جو چلے سو کہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں ہوں مومن ملے مومن کیا کروں بتخانے کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

دیکھو تو گر ہی بُت و بتخانہ چھوڑ کر ولا مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

خدا کے واسطے زائد اٹھا پردہ نہ کبھے کا

ظفر

کیس ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلتے

جو کعبہ کا مالک وہی دیر کا — نہ یہ غیر کا گھر نہ وہ غیر کا

دیر کی تھکتے کرتی نہ اسے شیخ حرم

ایمر

آج کعبہ بن گیا کل تک وہی بتخانہ تھا

یہ نہیں معلوم وہ کعبہ تھا یا بتخانہ تھا

حسرت سدا بادی

دور سے دیکھا تو اس میں جلوہ جانا تھا

صنم خانے کی انگی صحبتیں مجھ کو جو یاد آئیں

بہت رویا میں رات آوازِ ناقوس برہمن پر

مستی میں چھوڑ دیر کو کعبہ چلاتھا میں — لغزش بڑی ہوئی تھی لیکن سنبھل گیا

ترکِ الفت پہ بتوں کی مجھے مفقود تھیں تخلص شد آباؤِ دور نہ کعبہ مرے بتخانے سے کچھ دور نہ تھا
مل گیا راہ میں مسیحا نہ بھلے کو زہد بیتا بامِ پیر کعبہ کو جا ہی چکے تھے ترے بھکانے سے
میر محبوب علی خاں آصف نظامِ کن

کریں بستکہ سے عبتِ قصہ کعبہ یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے
کعبہ سنتے ہیں کہ ہے گھر بڑے دانا کا ریا میں
زندگی ہے توفقیروں کا بھی پھیرا ہو گا
ریاضِ اک عمر گزری دیر میں لائے گربت تک
حرم میں گونجی پھرتی ہے راتوں کو اذانِ میری

یہ تعظیم اللہ اللہ اسس صنم کی بلیں بھکی پرتی ہیں خرابی سرم کی
کبے میں مسلمان کو کہہ دیتے ہیں کافر تہنؤنکی بتخانے میں کافر کو بھی کافر نہیں کہتے
عمر کالی میسکہ سے میں بیٹھ کر احقر اٹھ کے ابیری میں کعبہ جائیں کیا
دیرو حرم بھی منزلِ جان میں آئے تھے امن پر شک ہے کہ نہ کئے دامن چلے کعبہ
سلیم نوح کو خانہ کعبہ کی مسنلت ولا سب کچھ سہی گر وہ ترا استلا میں
جلوؤِ ذوقِ برستش گم نہی فسن نیسا
دور نہ کچھ کہتے میں رکھا ہے نہ بتخانے میں

بتوں اور باؤں سونے کعبہ پیغمبرِ شاہِ ارضی خدا میرے تمہارے درمیان ہے
کبھی کعبہ کو گیا اور کبھی بتخانے کو حرتِ پاکیزہ جس تو تھی تری کیا کیا ترے دیوانے کو
کوئی حرم سے دیر سے منسوب ہے کوئی
اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں جسے

کشت و کعبہ دونوں ایک ہی منزل کے بستے ہیں
کوئی آیا کہیں جو کر کوئی آیا کہیں ہو کر

جگر گو رکھپوری

سجدہ دیر و حرم سے ہم کو آخر کیا ملا محرم
جو اہل حرم درپے دشمنی ہیں آزاد نصرت تو پروا نہیں آستان اور بھی ہیں

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر حرم کی گلیاں

فانی

کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا

حرم کو چھوڑ کر مدت ہوئی میں دیر میں آیا

حقیقت جالندھری

کسی کافر کی نظروں میں گراں تک مسلمان ہوں

زمانے میں چرچے ہیں دیر و حرم کے ولہ بڑی رونقوں پر ہیں دونوں دکائیں

نشر ہنگامی

دھونڈتی ہے جس کو دنیا کعبہ و بتخانہ میں

وہ نہ کعبے میں ہے نشر اور نہ بتخانے میں ہے

جعفر سارنپوری

رسم ظاہر رہ گئی ہے حرمت دیر و حرم

آبروئے سجدہ و زنا رکھ یوں ہی سے ہے

بتخانے میں بھری ہوئی خلقت خدا کی ہے

ولہ

بت بھی خدائی کرتے ہیں قدرت خدا کی ہے

کفر و ایمان

عارف ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر

عرفی

پروانہ چسراغ حرم و دیر تدا اند

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دین چسپاست — از یک چسپان کعبہ بتخانہ روشن است
در میان کافراں ہم بودہ ام نظری یک کر شائستہ ز تار نیت
کفر و دین متحد بود وحدت اوست بر خوش سخن ہر سرد و لب یکے باشد

دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیالست سالک را
نخل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوئے ایماں ہم
بتوں کی بات پر کیوں چھوڑنا ہے اب تو کعبہ کو
نہ ہو سودا تو کافر رشتہ ز تار نازک ہے

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا سوز آہ یارب رازِ دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا

قابلیت ہی نہ تھی کفر کے رشتے کی ہیں
سعی کی ایک نہ شائستہ ز تار ہوئے
اتنے بتخانوں میں سجدے ایک کعبے کے عین

کفر تو اسلام سے بڑھ کر ترا اگر ویدہ ہے
وہی اک رشتہ ہے ز تار اور تسبیح میں مضطر

یہ کیا مہمل سے جھگڑے پڑ گئے ہیں کفر و ایماں ہیں
ہو رہا ہوں ہدفِ ناوکِ ظلمِ اصنام اتنی الدنی صرف اتنی سی خطا پر کہ مسلمان ہوں میں

کافروں میں نہ جگر تو ہے مسلمانوں میں
کوئی کافر مجھے کہتا ہے مسلمان کوئی

میرے ایمان کفر آمیز کی تفتیل لازم ہے
مجھے نا تو کس میں بانگِ اذان معلوم ہوتی ہے

جگر مراد آبادی
جعفر سہارنپوری

وحدت و کثرت

غریقِ بحرِ وحدت جلوہ کثرت نمی داند شوکتِ بخاری بر آبی نتوان دید موجِ رفتی دریا را
 گہ سرو و گہ سنبُل و گہ یاسمنی سرہ گہ کوہ و بیابانِ گلے چنے
 گہ نورِ چراغ و گہ بولے گلے گہ در چنے و گاہ در انجمنے
 حُسنِ اورادِ لباسِ زشتِ زیبا بنگرم حسنی یک حقیقت در میانِ عسل و خارا بنگرم
 کثرتِ مہوہم کے باشد حجابِ وحدتم من کہ در ہر ذرہ آن خورشیدِ سیما بنگرم

کریں ہم کس کا پو جا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم
 ضم ہم 'دیر ہم' بتخانہ ہم 'بت ہم' برہمن ہم

فیض

گونا گوں

قاضی شمس عاشقان باید سدی کہ بیک شاہد اختصار کند
 دوش از مسجد سوئے میخانہ آید پیر ما حافظ چیست یارانِ طریقت بعد ازین تدبیر ما
 کالے عجب افتاد بدین شیفتہ مارا غالب مومن نبود غالب کا فر نتوان گفت

جذبِ ذوقش ہیں کہ در ہنگامِ گشتن ز دیر

ولہ

در قنائے خویشن بُت را برنتار آورد

مئے کہنہ ملے گی مسجدوں میں جوہر یہ نمحسانے ہیں تیر سو برس کے

نظر کرتا ہوں جب عقبی کے حیراں کن فسانوں پر

احسانِ دانش

شبِستی میں اک خواب پریشان دیکھ لیتا ہوں

ناصر

ہر کسے ناصر برائے دیگر اس مولانا تو ناصر خود ہنستم کم در جہاں
برہن نہ ناصر آمد ز پئے نصیحت من یقی ہروی کہ بایں بہانہ او ہم سر راہ یار گیرد
ناصر بے ہودہ می گوئی کہ دل بزرار از — من بفرمانِ دلم یاد بفرمانِ من است
نمی دانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصر را

دل از من دیدہ از من آستین از من کنار از من
گوئے پسند گو مارا ملامت نسبتی ملامت کن دل نادان مارا
مقصود ما شنیدن نام تو بودہ است — گاہے ز ناصر ار سخنے گوش کردہ ام
عشق او نگذاشت اے ناصر بمن ہیج اختیار
اختیارم گریہ بے اختیار اے ماندہ است

ناصر کہ چاک دامن من خمیہ می زند تو من یارب نہ بیند آں صنم جامہ زیب را
سودا تیرا جو حال ہے اتنا تو نہیں سودا کیا جانئے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا
رہتا ہے ان دنوں من یار کا خیال ولا بھاتا ہے ناصر سخن مختصر مجھے
منع گریہ نہ کر تو اے ناصر تیر اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی

سوا یوں کی اپنے مجھے کچھ ہو سکتی نہیں
ناصر میں کیا کروں کہ مراد دل پہ نہیں

گر بیاں چاک کرنے سے کسی کے تجھ کو کیا ناصح
یقین

نواب آصف اللہ
آصف

ہمارا ہاتھ جلنے اور ہمارا پیسہ ہن جانے
ناصر ترے کے سے نہ اس سے ملا کروں
لیکن جو دل ستائے تو پھر اس کو کیا کروں
جان کیوں کھاتے ہو گھر بھی جاؤ گے وہ ناصح کب تک مجھے سمجھاؤ گے
ناصر آپ میں حسرت نہ رہا جرات اب سمجھ کر اُسے سمجھا بیگنا

ناصر ہے اور ہم ہیں یہ ہیں طرفہ صحبتیں
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے
دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مر جانے کو
وہی غمخوار جو یاں آئے تھے سمجھانے کو
نصیحت رات دن ناصر کیا کرتے ہو تم ناصر
اُسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا
دل

کہنا ترا ہمارے سر آنکھوں پہ ناصر وہ پر کیا کریں جو دل ہی نہ ہو اختیار میں
یا تنگ نہ کر ناصر ناداں مجھے اتنا تاب یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کر اسی
کچھ تو سمجھ لیا ہے جو اُس کو دیا ہے دل معروف کیوں ناصر باعث ہیں سمجھائے جائے ہے
نہ مانو لگا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا

موس

کہ ہر ہر بات پر ناصر تمہارا نام لیتا تھا
ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہوئے سمجھ تو سمجھ بات
یہ تو سمجھئے حضرت ناصر آپ کے سمجھاتے ہیں
دل

ناصرِ دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم

۱۰ لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوئے

✓ چھٹ کر کہاں اسیرِ محبت کی زندگی ولا ناصر یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے

ناصرِ دل کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے — میں اُسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے

اُڑ گئے ہوشِ مرے ناصر کے ظفر سامنے جب وہ پریزا د آیا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں مستِ صبح

غالب کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی ننگسار ہوتا

حضرت ناصر گر آئیں دید و دلِ مندرش راہ

ولا کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا

کبھی چشمِ خمار آلودہ کی مستی نہیں بکھی مجروح بجا ہے حضرت ناصر کو دعوے ہوشیاری کا

منع کرتا ہے مجھے یار کے گھر جانے کو ناظر ناصر آگ لگے اس سے سمجھانے کو

خواہشِ وصل تو کیوں کر کہوں لیکن ناصر امیر دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارماں ہوگا

دیکھ پایا ہے اُنھیں حضرت ناصر نے کیس ولا اب میں سمجھا جو غرض ہے میرے سمجھانے

پوچھے تو کوئی حضرت ناصر سے اتنی بات داغ ایسے ہی تھے جناب بھی عہدِ شباب میں

لے تو حشر میں لے لوں زبانِ ناصر کی ولا عجیب چیز ہے یہ عرضِ مدعا کے لئے

مصلحت ترکِ عشق ہے ناصر بیان لیک ہم سے یہ ہو نہیں سکتا

حضرت ناصر کی باتیں میں سمجھتا ہی نہیں رسا ناصر میں دلی سمجھے ہیں سمجھانا مرا

وہ آ رہا ہے عصا ٹیکتا ادھر ناصر ریاض بہادری اتنی کہ ساتی کہیں نہ تھاہ لے

ہے سرِ ناقہم سادہ لوحی کا نقشہ عزیز غنیمت زمانے میں ناصر کا دم ہے

زاہد سے گفتگو ہو کہ ناصح سے بحث ہو رُسوا بنتی نہیں ہے ذکر کسی کا کئے بغیر

یہ نصیحت اور یہ عہدِ شبابِ اِحقَر تو بھی اے ناصح بڑا نادان ہے

وہاں جانے کو منع کرتے ہیں سب بے نظیر شاہ مگر ساتھ چلنے کو راضی بھی ہیں

ناصحا یہ بات کبھی میں نہ تجھانے میں ہے جگر گور کھپوری

حال میخانے کا وہ جانے جو میخانے میں ہے

نصیحت کو آتے ہیں غمخوار آتی آتی الدنی گریباں کو پھر آج سینا پڑیگا

کوئی ناصح ہے کوئی دوست ہے کوئی غمخوار

دل

سب نے مل کر ہمیں دیوانہ بنا رکھا ہے

جو نہ سمجھے ناصحو پھر اُس کو سمجھاتے ہو کیوں

جگر مراد آبادی

ساتھ دیوانے کے دیوانے بنے جاتے ہو کیوں

ترکِ اُلفت بہت بجا ناصح دل لیکن اُس تک اگر یہ بات گئی

یہ سب سوچ کر دل لگا یا ہے ناصح مجذوب نئی بات کیا آپ فسر مار رہے ہیں

میں مجذوب ہوں کچھ سمجھے تو ناصح بھلا آپ کس کو یہ سمجھا رہے ہیں

کتاب ہے کچھ کرتا ہے کچھ فَنسلی اچھا ہے سمجھانے والا

باز آتے کہیں ناصح مجھے سمجھانے سے سیدنا احمدؑ اور ہونگے جو بہک جاتے ہیں بھکانے سے

محنت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر خوار کناہے سے کبھی اندازِ طوفان نہیں ہوتا

عشق آفت سی مگر ناصح دل کم نہیں کچھ تری نصیحت بھی

رقیب

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغنت
سردوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی
عراقی

خواجہ ہمام تبریزی اپنے زمانہ کے قابل بزرگوں میں تھے، شیخ سعدی اُن کے زمانہ میں تبریز پہنچے، دونوں بزرگوں سے ایک حمام میں ملاقات ہوئی، تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت لڑکا خواجہ صاحب کو پنکھا جھلنے لگا، شیخ اور لڑکے کے درمیان خواجہ صاحب حائل تھے، خواجہ صاحب نے شیخ سے دریافت کیا کہ کیا شیراز میں ہمام کا کلام بھی پڑھا جاتا ہے، شیخ نے کہا کیوں نہیں، وہاں تو اُس کی بڑی شہرت ہے، خواجہ صاحب پوچھا کوئی شعر یاد ہے شیخ نے جواب دیا ہاں اور یہ شعر پڑھ دیا:۔

در میان من و معشوق حجاب است ہمام
وقت آنست کہ این پردہ بہ یکسو فگنیم
خواجہ صاحب نے کہا، قسم کھاؤ کہ تم سعدی نہیں ہو، شیخ نے جواب دیا بیشک میں سعدی ہوں، خواجہ صاحب نے اُٹھ کر تعظیم کی اور معافی مانگی،

چو با جیب نشینی و بادہ پیمائی حافظ بیاد آر حریفان بادہ پیمارا
 من ارچہ در نطنسریار خاکسار شدم دل رقیب نیز چنین محترم نخواہد ماند
 حریفان بادہا خوردند و رفتند — تنی سخنانہا کردند و رفتند

بار قیام ہمدم و ہمراز ہمیم یار را مرزا کاملان یارب آساں کن بمن این مشکل دشوار را
 ہر چند غیر لاف محبت زند ولے — مارا اُمید با بدل بد گمان تست
 ہمرا غیر است و با من صد عنایت میکند — یارب این لطف است یارب غیبت میکند
 تو نظر بازئی ورنہ تعافل نگہ است وحشی تو زبان فہم نئی ورنہ خموشی سخن است

میروی باغیرو می گوئی بیا عر فی تو ہسم
 لطف فرمودی برو این پائے را رفائیت عر فی

آنانکہ دل بہ غیبت ماشاد می کنند حاجی طرانی بائے بدان خوشم کہ مرایا می کنند
 غم نیست گر خجسہ کیں می کشد مرا شرف تو ہی بہر رقیب می کشد این می کشد مرا
 از رقیب آزار اے دل گر رسد ہرگز منال
 از براے گل جفائے خار می باید کشید غور کشید

صد جو میکنی و نمی رنجسم اے رقیب — چون آگم کہ این ہمہ سہمودہ میکنی
 بعد سہ گر نگاہے جانب مای کند — صد نگہ بہر سستی سوئے دشمن می کند

ندانم باکہ در حرفی کہ در حسرت سر اے دل

بگو شمع گفتگوے مردم بیگانہ می آید

در حضور غیر با من این ہمہ دشنام حسیت

اے شوم قربان تو این لطف بے ہنگام حسیت

دستے بدوش غیر نہادہ از سرِ کرم قسّیل مارا چو دید لغزشِ پارا بہانہ ساخت
اس قدر کیا ہے حمایتِ غیر کی یکرنگ ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں غیر تیرے پاس

سودا

پر جو خدا دکھائے سونا چار دیکھنا

سیجئے ہمد بھلا کیوں کر نہ شکوہ یار کا

شاہ عالم آفتاب

ہم تو بندے اُس کے ہوں وہ یار ہوا غیا کا

ہم خاک میں ملے تری خاطر ولے میاں

لالہ گورو بخش رائے
ادیب

ملنا ترانہ غیر سے زہن سار کم ہوا

اے ستم ایجا د کب تک یہ ستم دیکھا کریں

جرات

تو کرے غیروں سے باتیں اور ستم دیکھا کریں

کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف

افسوس

مدت میں تم ملے بھی تو غیسروں کے گھر ملے

مرگ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال

موسن

دشمنی کا لطف شکوؤں کا مزہ جاتا رہا

کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں دلہ دھرا کیا ہے اشارتِ نہان میں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے چہر سہم بھی کچھ

دلہ

آرزو ہائے دل درد آشنا کہنے کو ہیں

ہے نگاہِ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے

دلہ

یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

خدا جانے عدو پر کیا بنے گی تسکین پڑا ہے کام اُس سے بدگمان سے
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو غالب اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

ولا

آپ آتے تھے مگر کوئی عمنان گیر بھی تھا

ولا

رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے

ولا

آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کیوں

ولا

تم جانو تم کو غیروں سے گر رسم و راہ ہو

ولا

مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

ولا

غیر کی مرگ کا عنم کس لئے اے غیرت ماہ

ولا

ہیں ہو سس پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی

رتزادلی عہد بہادر شاہ ظفر

تم رہو اور مجمع اغیار میرا کیا ہے ہوا ہوا نہ ہوا

شیفتہ

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں

تجھ سے وفا کروں کہ حد سے وفا کروں

غیر سے مشورہ ظلم و ستم کرتے ہیں ساک دیکھئے آج وہ کیا ہم پہ کرم کرتے ہیں

کہتا نہیں کہ پان رقیبوں کو تو نہ دے آیر اتنا ہے لحاظ مرے رو برو نہ دے

غیروں سے التفات پہ ٹوکا تو یوں کہا داغ دنیا میں بات بھی نہ کریں کیا کسی سے ہم

دوست پر کس دوست نے کی ہوگی ناوک فگنی

اسی غازی پوری

ہو نہ ہو اے فتنہ گر دشمن تری چتون میں ہے

ہچکیاں آئے مرنے جاے عدو — یاد کیوں بار بار کرتے ہو
 جلے ہیں غیر کیا کیا جب مری خلوت سے وہ نکلے عدا سے طبا طبا
 پریشاں باندھ کر جوڑا دوپٹہ اور کھڑک اٹا
 جمع کر لیجئے غیروں کو مگر غبنی بزمِ شبلی بس وہیں تک ہے کہ بازار نہ ہونے پائے
 غلط ہے آپ نہ تھے ہم کلام خلوت میں ریاضِ عدو سے آپ کی تصویر بولتی ہوگی
 تمہیں کون ہیں اور بہکانے والے اشک بھی آنے والے یہی جلنے والے
 اشک کا یہ مطلع اُن کے استاد مرزا داغ کو بہت پسند تھا، وہ کبھی کبھی

اس کو پڑھا کرتے اور اس کی تعریف کیا کرتے
 تم آپ سے نہیں جلتے یہاں گئے اگر رُخِ یس کے جذبہٴ دل کا اثر ہے کیا کہئے
 روبرو غیروں کے شکوہ آپ کا ہم کیا کریں
 ہو رہینگے پھر کبھی باتیں ہماری آپ کی
 رخِ مری جانب نگاہِ کُطفِ دشمن کی طرف فانی یوں ادھر دیکھا کئے گویا ادھر دیکھا کئے
 مری نگاہ میں ہے اے عدوئے دوست نما
 وہ تیر بھی جو ابھی تک تری کماں میں نہیں
 جیغِ جنوری
 جعفر سہارنپوری

زندان

درواکہ ز قیدِ ستم آزاد نہ گشتم زیبا نسا یک لفظ ز غمہائے جہاں شاو گشتم

زنداں میں جو زندہ بھیبتا ہو پتہ نہ پتا شکرتیم اپنے دلِ تنگ میں جگہ دو

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے


ذوق

مڑوہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

پائے کو باں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں

ظفر

ایسی آوازِ سلاسل کبھی آتی تو نہ تھی

دیکھ کر ہر در و دیوار کو حیراں ہونا  وہ مرا پہلے پہل داخل زنداں ہونا

وہاں اب سانس لینے کی صدا آتی ہے شکل سے

بیخود موبائی

جو زنداں کو بخت رہتا تھا آوازِ سلاسل سے

نکالی جا رہی ہیں ہڈیاں کچھ قید خانے سے

ہوتی ہے خستہ میعاد آج پابندِ سلاسل کی

مناسبتِ رت

نسیم و صبا

از کجا آمدی اے باد کہ دیوانہ شدم خسرو بوی گل نیست کہ می آیدم این بوی گسست
نسیم صبح کہ مستانہ واری گزری — ندانمت ز کد ایں دیار می گزری

سراسر جانی اے بادِ صبا در قالبِ شوقم
سرت گردم مگر در کوے او بسیار می گردی

تجھ پر قربان جاؤں
نہ چھیر کا اے تجھت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سو جھی ہیں ہنس بیزاری بیٹھے ہیں

کس بلا کی ہو ایں سستی ہے ریاض کیں برسی ہے آسماں سے آج
کچھ بھی آیا نہ تجھے خاک اڑانے کے سوا

منہ نہ کھلوا مرا اے بادِ صبا بے ہنرے

کھلا جاتا ہے کیوں یہ غنچہ دل حکیم اجل خان نسیم صبح آتی ہے کہاں سے

چمن میں چھڑتی ہے کس مرنے سے غنچہ گل کو

مگر موجِ صبا کی پاکد امانی نہیں جساتی

چھڑنا حق نہ اے نسیم بہارِ حرّت سیرِ گل کا یہاں کسے ہے مرغ

نسیم کوئے جاناں ہے کہ حسرتِ دلؔ ہوا آتی ہے فردوسِ بریں سے

چمن

وفائے گل میں نے چشمِ مروت باغباں میں ہے
نکل بلبُل کہ ہے اس باغ سے کینچِ قفسِ بہتر

سودا

کس کی ہیں یہ چمن میں صبا بذرِ لربایاں دلؔ ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں
اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھیں دلؔ اے اُلفتِ چمن ترا خانہ حشراب ہو
اُگتے تھے دستِ بیلِ دامنِ گلِ بھسم میر صحنِ چمن نمونہٗ یومِ احساب تھا

کیا ہی دکھلاتی ہیں گلشن میں چمن کی ڈالیاں
گہری گہری سبزیاں اور جھجھکتی لالیاں

ہدایت

گلستاں میں آج بہرِ سیرِ یار آنے کو ہے
مرثدہ بادِ اے بلبُلِ فصلِ بہار آنے کو ہے

منی بائی حجاب

موسمِ گل میں حسینوں کا مقع ہے چمن جیلؔ جو کلی کھلتی ہے تصویرِ نظر آتی ہے
چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شاید فانی کچھ اب کی بوئے کفنِ اُن بہار میں ہے
شبِ نیمِ ناتواں سہی لیکن سہیلؔ اس گلستاں میں ہے نموجھ سے

غنچہ

دلِ زِ پاکی دامنِ غنچہ می لرزد صائبؔ کہ بلبلاں ہمہ مست اند و باغباں تنہا
پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے ذوقؔ حسرتِ اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مڑھلا گئے

کہیں کہیں پہلا مصرعوں دیکھا ہے :-

گُلُ بھلا کچھ تو بہا رہیں اسے صبا دکھلا گئے
 کلیاں یہ سُرخ سُرخ نہیں لالہ زار ہیں
 امیر مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہا رہیں
 نہ رہنے پائے ٹیل جی کی جی ہیں ریاتق کہ اب رس آچلا ہے ہر گلی میں
 گر ہیں ہیں رنگ و بو کی یہ کلیاں گلاب کی
 مے کی گلابیاں ہیں یہ کلیاں گلاب کی

گُلُ

گُلُ میدرد قبا بہ چمن داد خواہ کیست فغانی گلشنِ بخون پیدہ شہیدِ نگاہ کیست
 بوے یارِ من از یسوست و نامی آید نظیری گلم از دست بگیرد کہ از کار شدم
 یوں بارِ گُل سے اب کی جھکے ہیں نہ سالِ باغ
 تیر جھک جھک کے جیسے کرتے ہیں دو چار یار بات

پھلا ہزار جاے گر بیان صبرِ تیر وہ کیا کہ گئی نسیمِ حسرتِ گُل کے کان میں

اگر یہ جانتے چُن چُن کے مہم کو توڑینگے
 تو گُل کبھی نہ تمٹائے رنگ و بو کرتے

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
 اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

یہ گُل میرے دہن پہ ہنستے ہیں کیا شفق ذرا دیکھیں اپنا گریبان بھی

میں نے آنکھوں میں لے لیا اُس کو خلیق پھول جو دستِ باغباں سے گرا

بلبل

من آن مَرعَم کہ باشد آشیانم سایہ برگ
نظام شیرازی
تواند جنبشِ بائے مرا بے خانماں کردن
از فریبِ باغباں غافل مشوئے عندلیب قائم
پیش ازین من مدام درین باغ آشیانے دایم
آن بلبلیم کہ در چمنستان شاخا غالب بود آشیان من شکنِ طرہ بہا

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
مظہر جانِ جاں
اگر ہوتا گل اپنا غنچہ اپنا باغباں اپنا
چمن میں کیوں نہ باندھے عندلیب اب آشیاں اپنا
قائم
کہ جانے ہے گل اپنا باغ اپنا باغباں اپنا
کیس بھی میرا ٹھکانا نہیں رہا میں دل نہ آشیانے کے باہر نہ آشیانے میں
فریبِ باغباں پر ہو کے غافل قائم نہ اے بلبل اکٹھے خار و خس کہ
پاسِ ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل
سودا
ورنہ یاں کون سا اندازِ فغاں ہے کہ نہیں

سیرِ کُندلیب کا احوال میرے ہیں پریشاں چمن میں کچھ پڑبال
اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں دل اطرافِ باغ ہوں گے پڑے مشت پر کہیں
پھر وہی گنجِ قفس پھر وہی صیاد کا گھر دند چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل
غم صیاد و شکرِ باغباں ہے — دو عملی میں ہمارا آشیاں ہے

بال و پر ٹوٹے ہوئے پرواز کی طاقت نہیں
 تاک میں صیاد اور گلشن کی دیواریں بلند
 زور ہی کیا تھا جھائے باغبان دیکھا کئے — آشیاں اُجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے
 پھر وہی ہونگے قفس میں ترے نالے بلبل اسیر چھاؤنی چار دن اس باغ میں پھلے بلبل
 جب سے بلبل تو نے دوتنکے لئے اسیر لوٹتی ہیں جھلیاں ان کے لئے
 فصل خزاں کہیں ہے صیاد گھات میں حالی مرغ چمن کو فرست سیر چمن کہاں
 اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
 اکبر الہ آبادی طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

کوئی دیکھے مرا شوق اسیری شفق نگاہ باغبان میں آشیاں ہے
 موسم گل ہو گیا آمادہ جانے کے لئے دل اور جگہ ڈھونڈھا کئے ہم آشیانے کے لئے
 گوشے سے نشیمن کے آہوں کا اثر دیکھا ریاض صیاد کا گھر جلتے بے برق و شر دیکھا
 دل شکستہ ہو کے جا بیٹھے قریب آشیاں عزیز جب صدائے دور باش آئی حیریم ناز سے

اب چمن میں رہ کے بھی لطف چمن حاصل نہیں
 ہاں مگر حجب تک قفس میں تھے قفس بد نام ہوتا
 نشیمن پھونکنے والے اب اپنی زندگی یہ ہے
 کبھی روئے کبھی سجدے کئے خاکِ شمیم پر
 رداں بیخود موالی

گرے اس پہیلی تو احسان مانوں نہیں قفس ہے مرا آشیانہ نہیں ہے
 صیاد اقبس سے ڈراتا ہے کیا مجھے ولا تیرے کرم سے شکل وہی آشیاں کی ہے
 خبر نہیں مرا تنکوں کا ایک جا کر نا بیتل ہے جھلیوں کے لئے یا کہ آشیاں کے لئے

اب اُس چمن میں بنائینگے اشیاں اپنا شفیق جو پوری کہ آسمان جہاں کجیاں گرا نہ سکے

جو ہم اے ہم صغیر و معجز عیش گلستاں ہونگے

دلہ

یہ تنکے آشیانے کے قفس کی تیلیاں ہونگے

اجنبی سا ہوں شمیم میں چمن کا ذکر کیا جعفر سہارنپوری اب تو دل میں اُلفت گلزار کچھ یوں ہی سی ہے

صرف تعمیرِ شمیم جو دل و جاں کر دے صغیر سہارنپوری برق کے خوف سے کیا ترکِ گلستاں کر دے

حاصلِ کوششِ مرغانِ گلستاں معنی مُشتِ حسِ موج ہو جس کو پریشاں کر دے

کچھ ہو کے رہیگا اب کی برسِ تم موسمِ گل تو آنے دو

نہاں

یا ہم ہی رہیں اس گلشن میں یا گلشن کے صبا رہیں

گل و بلبل

بگوشِ گل چہ بیاں کر دہ کہ خنداںست مولانا دم بہ عندلیب چہ مندر مودہ کہ گریباںست

اے بلبل اگر نالی من باتو ہم آواز م سعدی تو عشقِ گلے داری من عشقِ گل ادا مے

بنالِ بلبل اگر باہمتِ سرِ یارِ سیت حافظ کہ ماد و عاشق زاریم و کارِ یارِ سیت

سحرِ بلبل حکایت با صبا کرد دلہ کہ عشقِ گل بما دیدی چہا کرد

نقصِ عشق است کہ از خارِ بنالِ بلبل صیدی نسبتے ہر کہ بہ گلزارِ رسد گل باشد

بلبل برداشتِ آشیاں را غنی گلِ گفت کہ خس کو جہاں پاک

ہر رگِ گل رشتہ باشد پائے عندلیب دلہ دامِ دیگر نیست حاجت از برائے عندلیب

ہست ہر شاخِ گلے عشرتِ سرِ عندلیب بر زمیں کے می رسد در باغِ پائے عندلیب

باشد بہ چمن ہر رگِ گل دامِ ہوسا حزین رشک است بہ آزادیِ مرغانِ قفسا

خوشابہ عشرت مرنے کے آشتیاں دار رہا ہے بگلشنے کہ نہ گلچیں نہ باغیاں دارد

دفاے گل اگر معلوم می شد میر نہی بستم دریں باغ آشتیاں را

کیا سمجھ باندھا ہے بلبل نے چمن میں آشتیاں

منہج

ایک تو گل بے وفا ہے تپہ جو رہا بغیاں

مراد دل جلتا ہے اس بلبل بیکس کی غربت پر

منظر جان جانا

کہ جتنے اس کے پر گل کے چھوڑا آشتیاں اپنا

پریشاں کر گئی منہ یاد بلبل تیر کسو سے داہمہ را بھی لگا تھا

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے ولا جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سدا جانے

نہیں مطلب بچھے کچھ باغیاں اور — دو انا ہوں میں گل کے رنگت بوکا

سُن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آتیاں ہیں

تباہ

کیا بلبلوں نے دیکھو دستوں میں مچائیاں ہیں

کے کیا درد دل بلبل گلوں سے بند رہاں اتم اڑا دیتے ہیں اس کی بات نہس کر

ترپتی کیوں ہے اے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر

میر تنویر

کہ تیرا شک جس جاگر پڑے گلزار ہو پیدا

بلبل ہزار حیف نہ ہو ہمکنار گل فقیر اور مفت میں نسیم تو لوٹے بہار گل

باغیاں بلبل کشتہ کو کفن کیا دیتا صبا پیرہن گل کا نہ اُترا کبھی میلا ہو کر

آغزیب مل کے کریں آہ وزاریاں رند تو ہائے گل پکاریں چلاؤں ہائے دل

اے عنلیب عقل و ادب سے بھی کام لے

ذوق

گل کو بہت نہ پھیڑ کہ نازک ہے خوشے گل

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ فائے گلِ غالب بلب کے کاروبار یہ ہیں خندہائے گل

گلوں کے کال چومے اس قدر فرطِ محبت
کہ سُرخ آگئی ہلکی سی منقارِ عنادل پر

عیش

عصمت کا لاف مار نہ گل میرے یار سے

انور

بدنام تو بھی ہیگا چمن میں ہزار سے

جو چمن سے گزرے تو اے صبا ہی کیوں بلبِ ناز سے

ظفر

کہ خسراں کے دن بھی قریب ہیں نہ لگانا دل کو بہار سے

اللہ رے عندلیب کی آواز دلخراش امیر جی ہی نکل گیا جو کہا اُس نے اے گل

کہاں صیاد کیسا باغبان کس پر گری بھلی دلف چمن میں آتشِ گل نے ہمارا آشیان بھونکا

بلبل کی بہار میں نہ پوچھو — منہ چومتی ہے کلی کلی کا

عنادل اور صبا میں چل گئی تھی ریاض اُڑادی بات پھولوں نے ہنسی میں

آگاہ ہے دمِ سنریاد کیلجہ منہ کو ولا پنکھڑی پھول کی منقارِ عنادل میں نہیں

اس باغ میں ہم کیوں آئے تھے کیا کہئے حکایتِ بلب و گل

شاد

منقار کو رکھ کر کلیوں پر کچھ اپنی زباں میں کہہ جانا

نہ قُربِ گل کی تاب تھی نہ ہجرِ گل میں چن تھا

پیام شاہ وارث

چمن چمن پھر ہم اپنا آشیان لئے ہوئے

باغبان

کچھ اُن بن ہو چلی ہے باغبانِ تجرّج مجھے نکلا ہی سمجھو گلستاں سے

سیر کی پھول چنے خوب پھرے شاد رہا۔۔۔۔۔ باغباں جاتے ہیں گلشنِ نرا آباد رہے
 باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے ثاقب لکھنوی جن پتہ کیا تھا وہی پتے ہو ادینے لگے
 نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی یہ ہے بیخود موبانی کبھی روئے کبھی بھڑکے خاکِ نشیمن پر
 کہیں کہیں پہلے مصرعہ میں بجائے "ہماری زندگی یہ ہے" کے "اب اپنی زندگی
 یہ ہے" دیکھا ہے

ترے چمن کی روش باغباں نہیں معلوم۔۔۔۔۔ اسیر تازہ ہوں طرزِ فغاں نہیں معلوم
 اور ہی نظروں میں ہو جاتی ہے قدِ آشتیاں
 اک ذرا ٹیرھی نگاہ باغباں ہونے کے بعد
 نشتر ہتھامی

صیاد

اتنی فرصت دے کہ ہو لیں رخصت اے صیاد
 مدقوں اس باغ کے سارے میں تھے آزاد ہم
 صیاد دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ
 تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دکھینا
 صیاد تجھ کو کس نے کہا تھا کہ فصلِ گلِ معنوی مجھ کو قفس میں کر کے گرفتار مار ڈال
 کہیں یہ رازِ یارب کھل نہ جائے تنبیہ کرتا ہوں اسیرِ الفتِ صیاد ہوں میں
 جہاں گیا میں گیا لے کے دامِ صیاد رند پھر تلاش میں میری کہاں کہاں صیاد
 کھلی ہے کُنجِ قفس میں مری زباں صیاد میں ماجر لے چمن کیا کروں بیاں صیاد
 قفس کو شام سے لٹکے کے فرشِ آگے کہیں
 سنا کیا میری تاجِ صبحِ دستاں صیاد

دکھایا گنجِ قفسِ ہم کو آبِ ودا نے نے
اُجاڑا موسمِ گل ہی میں آشیاں میرا
وگر نہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد
الہی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد
قفس کو لے کے تیس اُڑ جاؤنگا کہاں صیاد
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
ہوئے شوقِ گلستان میں میں میں سرگرداں لاکش نہ بتا پھر لگا ساتھ مرے تو کہاں کہاں صیاد

نواب مرزا داغ ایک روز کمرے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے، کمرے کے باہر بھی کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، باہر ایک کسں لڑکا بھی تھا، اُس نے ایک چڑیا پکڑ رکھی تھی اور اُس کے پانوں رسی سے باندھ رکھے تھے رسی ڈھیلی کر دینے پر چڑیا اڑنا چاہتی تھی مگر کوشش بے سود تھی، جو حضرات باہر بیٹھے ہوئے تھے اُن میں سے ایک صاحب نے ایک مصرعہ موزون کیا یا اُن سے ایک مصرعہ موزون ہو گیا، مصرعہ تھا:۔

پر کے بدلے پانوں باندھا بلبلِ ناشاد کا

دوسرا مصرعہ موزون کرنا چاہتے تھے مگر نہ ہو سکا، اتنے میں نواب مرزا داغ کسی ضرورت سے باہر نکلے، انھیں مصرعہ سنایا گیا اور اُن سے دوسرے مصرعے کی فرمائش کی گئی، بلا تکلف انھوں نے مصرعہ ثانی موزون کر دیا، مصرعہ تھا:۔

کھیل کے دن ہیں لڑکپن ہے ابھی صیاد کا

کیا خوب مصرعہ ہے، اس لطیفہ کے راوی طالب جے پوری ہیں

اسیر کر کے ہمیں کیوں رہا کیا صیاد جلال وہ غصہ فیر بھی چھوٹے وہ باغ بھی نہ ملا
ہو اثر اتنا تو یا رب نالہ و سہریاد کا — ہم تماشا دیکھ لیں گھر بھونک کر صیاد کا
جو فوج کرتا ہے پر کھول دے مرے صیاد اکبر آبادی کہ رہ نہ جائے ترپنے کی آرزو باقی

صیاد نے کب ناوک بیدار لگایا ریاض جب اڑنے کو ہم شاخ پر پر تول ہے تھے
 یہ ستم گنجِ قفس میں صیاد تاجور کس نے پوچھا تھا بہار آئی ہے
 اڑ گئی پر سے طاقت پروازِ حرّت کہیں صیاد اب رہا نہ کرے
 یوں تو اے صیاد آزادی میں ہیں لاکھوں
 دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشا اور ہے اقبال
 اس قدر احتیاط اے صیاد جوہر کہ قفس میں بھی پر کرتا ہے
 یہ اے صیاد رہ رہ کر چپکتی ہے کہاں بجلی
 جہاں میرا نشیمن تھا وہیں معلوم ہوتی ہے

نہ آقرب کہ پروردہ فنا ہوں میں فانی بنا ہے برق کے تنکوں سے اشیاں صیاد
 ہم نشین کو بھی روئیں تو خطا ہوتی ہے سہیل پھونک ڈالیں وہ چمن بھی تو کرم کہتے ہیں
 صیاد اب قفس سے ڈراتا ہے کیا مجھے دُر تیرے کرم سے شکل وہی اشیاں کی ہے

مرغ اسیر

خبر من برسانید بہ عُمرِ خانِ چمن سدی کہ ہم آوازِ شادِ رقصے افتاد است
 از گلستانِ گل بہ بازارِ آمدہ نظیری عیدِ مرغانِ گرفتار آمدہ
 صیادِ ما بنائے ستم تازہ کردہ است میدی مرغِ کہ پر شکستہ شد آزاد می کند
 مے در پیالہ خونِ جگر در کنار بود نسبتی فصلے کہ من ایر شد م نو بہار بود
 تو اے کبوترِ بامِ حرمِ چہ میدانی تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ پر پار
 اگر نسیمِ محرّک گاہ ہر باں بودے صائب ز بوے گلِ قفسِ رشکِ گلستانِ بوے

اے دلبر اسیر کز یاد رفتہ باشد حیریں در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

اسیری ز پرواز گلزار بہتر ————— بہ کج قفسن بال و پر می فروشم

درفض از من کہ آب و دانہ آزادیم ما

بہر کج قفسن

گوشہ گیریم از دُعا گویاں صیادیم ما

درفض بسیار دل شادیم ما لایچنانہ از دعا گویاں صیادیم ما

حال لای افسردہ مرغان گرفتار عبرت آن مرغ چہ داند کہ اسیرے قفسیت

شاد از فغان من دل صیاد من بدیں عارفانہ دل خوش کہ یک دلے بھمان شاد می کنم

دستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے فغان گویا مرا چمن میں کبھی اشیاب نہ تھا

نے ہمیں گل سے غرض ہے نہ نمنائے چمن دل کیا اسیران قفس کی تیں پروائے چمن

میری طرف سے خاطر صیاد بیع ہے دل کیا اڑ سکیگا طائر بہ بال پر کہیں

ہم گرفتاروں کو اب کیا کام گلشن سے ہے لیک

مظہر جان

جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آئی ہے ہسا

نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں میر حسن لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا

اب جو چھوٹے بھی تم قفس سے تو کیا دل ہو چکی واں ہسا رہی احسرت

ذرا قفس قفس کو ملا کے رکھ صیاد مہذرت کہ تا اسیر کریں مل کے ایک جا فریاد

حسرت اے صبح چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے

دل

مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبوں کے سوچے

قائم

بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ

زباں ہے شکر سے قاصر شکستہ بالی کے سودا کر جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا
 رخصت ہے باغیاں کہ ذرا دیکھ لیں چمن دلہ جاتے ہیں وہاں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا
 بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز دلہ تب کے ہم گنجِ قفس میں ہیں گرفتار ہنوز
 کیا گلہ صیاد سے ہمکو یوں ہی گزری ہے عمر

دلہ

اب اسیرِ دام ہیں تب تھے گرفتارِ چمن

بال و پر توڑ کے سوچے ہے قفس کو صیاد دلہ تجھ سے رخصت ہے مری اے ہوئی آزادی

کیسو صبا سلام ہمارا ہمارے دلہ ہم تو چمن کو پھوڑ سوائے قفس چلے

رہا کرنا مجھے صیاد اب پامال کرنا ہے دلہ پھر کتنا بھی جسے بھولا ہو وہ پرواز کیا جانے

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرنا ہے دلہ دکھاتا ہے اُسے مجھ کو جسے آزاد کرتا ہے

کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے میر چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دکھینا

مکن ہے دوسرا مصرعہ یوں رہا ہو :- چاکِ قفس سے جانبِ گلزار دکھینا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئے نسیم دلہ عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی کیا

کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت سے دلہ آشتیاں تھا مرا بھی یاں پر سال

چھاتی قفس میں داغ سے ہو کیوں نہ ٹرکِ باغ

دلہ

جوشِ بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو

چمن کا نام سُنا تھا ولے نہ دیکھا ہاتے دلہ جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

کیا جانیں وہ مُرغانِ گرفتارِ قفس کو دلہ جن تک کہ بصدنا ز نسیمِ سحر آئے

صیاد اب رہائی سے کیا اس اسیر کو

میر درد

ہے کس کو زندگی کی توقع بہار تک

قفص کے در کو باز اے بلبل اب صیاد کرتا ہے
خدا جانے کریگا ذبح یا آزاد کرتا ہے

تزلزلش غل

نے سائبہ چمن ہے نہ صیاد کے حضور — یارب مری طرح نہ گرفتار ہو کوئی
یہ کہہ کر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ قسمت یزتر حرم لکھایوں تھا کہ فصل گل میں چھوٹے آشیاں اپنا
اسیروں کی قسم ہے اے صبا سچ کہہ کہ گلشن میں
کوئی اُن ہم نواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے

دلہ

اب یہی احسان ہے تیرا جو نہ ہوں آزاد ہم — پھر چمن میں جائیں کیا منہ لے کے اے صیاد ہم
اے صیاد ہم کو چھوڑ دے تو تباہ قفس میں جی نہیں لگتا ہمارا
کچھ پرو بال میں طاقت نہ رہی تب چھوٹے یقین ہم ہوئے ایسے بُرے وقت میں آزاد کہ بس
اسیران قفس کی ناامیدی پر نطسہ کیجو دلہ ہمار آئے تو اے صیاد مت ہم کو خبر کیجو
اے بادِ سحر محفلِ احباب میں کہنا انشا دیکھا ہے جو کچھ حال تیرا دام ہمارا
پھر گئی سوئے اسیران قفس بادِ صبا مصطفیٰ خبر آئیام ہماراں لے کر
ہے غریبیں جس بسکس کو وطنِ الوں کی دلہ کیا گرفتار سے پوچھو ہو چمنِ الوں کی
کنج قفس میں ہم تو ہے مصطفیٰ اسیر دلہ فصل ہمار باغ میں دھو میں مچا گئی
کس نے رکھے تھے قفس ان پر گرفتاروں کے دلہ کانٹے کیوں سُرخ ہیں سب باغ کی دیواروں کے
اول تو قفس کا مرے در باز کہاں ہے دلہ اور ہو بھی تو یاں طاقت پر واز کہاں ہے
کیا بتائیں کہ اس چمن کے بیچ میراث کہی اپنا بھی آشیانہ تھا
کچھ قفس میں ان نوں لگتا ہے جی موتن آشیاں اپنا ہوا برباد کیا
پرکتر کر مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل صبا ایسی بے پرو کی اُڑاتا نہ تھا صیاد کہی

لطفِ گلگشتِ چمنِ کنجِ قفس میں بھولے رند اب تو نقشہ بھی گلستاں کا مجھے یاد نہیں
 ہم اپنے کنجِ غم میں نالہ و فریاد کرتے ہیں ظفر ہمیں کیا گر چمن میں چھپا ہے غنڈلیوں کا
 قفس میں مجھ سے دودا و چمن کہتے نہ ڈرہدم غالب گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیوں ہو
 پہناں تھادامِ سختِ قریبِ آشیانے کے دلہ اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہو سے
 صیاد اور بندِ قفس سے کرے لہا سا لک جھوٹی خبر کسی کی اڑائی ہوئی سی ہے
 عمر بھر تیرے گھر رہے صیتا اسیر اب کہاں جائیں ہم رہا ہو کہ
 اب ہم ہیں اور کنجِ قفس کی صوتیں مخرج وہ نغمہ سنجیاں وہ نشاطِ چمن کہاں
 نہ ترپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے شاد پیر تیر گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مے صیاد کی ہے
 نہ بھول تھے نہ چمن تھا نہ آشیان تھا مرزا دیر تجھے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
 آنکھیں بھی ہیں جال کی رستے میں ڈرتک منیر آمد قفس کی سمت کیسے سُشت پر کی ہے
 قفس میں بھی ہے اسیر و تمہیں وہی سودا عشق لگائے فصل بہاری کی آس بیٹھے ہو
 دم توڑے گر نہ کنجِ قفس میں ترپ ترپ میرا نس صیاد کہہ تو مرغ گرفتار کیا کرے
 ترپ کے رہ گئی بیل قفس میں اے صیاد بیتاب یہ کیا کہا کہ ابھی تک بہار باقی ہے
 کبھی گلشن میں رہتے تھے قفس میں اب گذرتی ہے — خطا صیاد کی کیا ہے ہمارا آج دانہ تھا
 بڑھائے شوق سے صیاد تو طولِ اسیری کو — مرے ہم نے بھی لوٹے ہیں بہت اگلی ہاروں میں
 آشیان بھولے سے بھی آتا نہیں ہے یادیں — پرورش پائی ہے ہم نے خانہ صیاد میں
 صیاد کو جو یارب مجھ پر ترس نہ آئے — باغوں میں موسمِ گل لاکھوں برس آئے
 بہارِ لالہ و گل پھر کبھی کاہے کو دیکھیں گے — چلے ہیں اس چمن سے ہم نگاہ واپس ہو کر
 پھنسی جو دام میں بیل تو کن نگاہوں سے اتیر کبھی چمن کو کبھی سوئے آشیان کبھی

مرغانِ باغِ تُم کو مبارک ہو سیرِ گل دلہ کانشا تھا ایک میں سوچمن سے نکل گیا
 کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ دلہ لے اسیرِ قفس میں نو گز قماروں میں میں
 ہو گئی کچھ اور آکر خانہ حبس میں دلہ یہ مرزہ آگے نہ تھا بلبل تری فریاد میں
 اسیرِ قفس اب تو میں بمصفیہ جلال کبھی لوگ کہتے تھے مرغِ چمن بھی
 گل و گلچن کا گلہ بلبلِ خوش لہجہ نہ کر حالی تو گز قمار ہوئی اپنی صدا کے باعث
 قفس میں جی نہیں لگتا ہمارا دلہ لگا دو آگ کوئی اشیاء میں
 خوش ہوا تھا توڑ کر اپنے قفس کی تیلیاں گستاخ ہائے کہہ کر رہ گیا ٹوٹے ہوئے پر دیکھ کر
 کچھ نہ پوچھ اے ہمیش میرا نشیمن تھا کہاں اکبر الہ آبادی اب یہ کننا بھی شکل ہے وہ گلشن تھا کہاں
 کج قفس میں تھی یہ تمنا قید سے ہوں آزاد کیس شاد و عظیم آبادی
 خوف ہے اب بے بال و پری کا چھوڑنے دے دیتا کیس
 ہم پر یہ چمن میں ہے اثر قیدِ قفس کا ریاض بیٹھے ہیں الگ سب سے بیٹھے ہوئے پر کو
 صیاد تیرا گھر مجھے جنت سہی مگر دلہ جنت سے بھی سوا مجھے رحمت چمن میں تھی
 چمن کی سرگزشت اتنی ہے صیاد دلہ قفس میں تھے جو نکلے اشیاء سے
 صیاد نے کبنا وکب بیدار لگایا دلہ جب اُڑنے کو ہم شاخ پہ پر تول ہے تھے
 وہ تسلی ہی سہی اے صیاد عزیز کچھ معین مری میعاد تو کر
 ایک جگہ پہلا مصرعہ یوں دیکھا ہے: میں نہ چھوڑوں کبھی لیکن صیاد
 کہنے کو مُشت پر کی اسیری تو تھی مگر ثاقب لکھنوی خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا
 گلشن سے اُٹھ کے برابر مکان دل میں آ گیا اک داغ بن گیا ہے نشیمن جلا ہوا
 مری قید کا دلکشن جبرِ اٹھا دلہ ہمارا آئی تھی اشیاء بن چکا تھا

ہے روشنی قفس میں مگر سوچتا نہیں دلا ابر بہار جانب گلزار دیکھ کر
 تڑپا دیا ہے دل کو شاہنشاہ صفیرو دلا یوں ہی پھر اک صدا دو ٹوٹا قفس چلا میں
 قیدِ غم بھی ملگی ہے ہنسنے والوں کے لئے دلا عذیب اک قفس میں اک تماشا ہو گئی
 ایک روز مرزا ثاقب مرحوم سے میں نے اس شعر کی تعریف کی، انہوں نے فرمایا "میں بچہ تھا
 محلے میں ایک مہنت رہا کرتے تھے، ایک روز ایک شخص ایک مرغ (بلبل) ایک
 پنجرے میں ان کے یہاں لایا، کچھ لوگ جمع ہو گئے، اور اُسے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے
 مگر بلبل پریشان تھی، میں تماشا یوں اور ہنسنے والوں میں تھا، یہ شعر اسی منظر کی تصویر ہے
 اور اس وجہ سے با اثر ہے"

ٹپک پڑتے ہیں آنسو باغ میں شیمِ عنادل سے
 اسیرانِ قفس جب رات کو سنسریا د کرتے ہیں

میں اڑ نہ جاؤنگا لے کر تر قفسِ صیا صفا جو پھر پھراؤں ذرا بھی تو پر کتر لینا
 سختیاں قید کی سب سہ گئی بلبل لیکن عیل اڑ گئی روح یہ کہ کر کہ چمن یاد آیا
 لطف سے گزری ہماری خانہ صیا دیں دلا ہم قفس تھے اور بھی کچھ قید تنہائی نہ تھی
 لیتے رہے قفس میں مرنے آشیاں کے ہم دلا دامن کو اشکِ خوں سے گلستاں کئے ہوئے
 نہ پہنچ گئی کبھی کیا گوشِ گل تک حرث قفس سے اڑ کے سنسریا د عنادل
 صیا داب قفس کی مصیبت گراں نہیں ناطقِ محلوٹھی میں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ آشیاں نہیں
 مانعِ سنسریا د ہے کچھ طبع کی افسردگی وحشت کچھ سکوت آموز ہے پاسِ ادب صیا د کا
 گو بُوئے گل نہیں سہی یادِ گل تو ہے جوہر صیا د لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دلا
 جیسے گل اپنے تھے اپنا باغباں اپنی بہار اثرِ کفنوی آہ وہ پہلے پہل کی پر نشانی کے ہرے

یہ کس کی خاک ہے جو حسرتِ ششمن میں ولہ صبا کے دوش پہ صحنِ چمن میں آئی ہے
 قفس میں آئے لگا دل نہ آشیانے میں باسطِ بسوانی کشش بلا کی تھی صیادِ آب و دانے میں
 یہ میرا حال رہا قید کے زمانے میں کہ قفس میں رہا روحِ آشیانے میں
 اس طرح سے جاتا ہوں سوئے خانہِ صیاد آتھی کھنوی ہر پھول چمن کا نگہ بازِ پس ہے
 قفس کی تیلیوں میں جلنے کیا ترکیب کھی ہے سیاب کہ ہر بجلی قریبِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

فرستِ رنجِ اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے طے
 اب چھری صیاد نے لی اب قفس کا در کھٹلا فانی

چمن میں دل ہے تو میری نگاہ میں ہے چمن ولہ
 چمن سے کھینچ کے لے جائیگا کہاں صیاد
 نکل ہی جائیں گے نالے دہن سے نوں ہو کر
 زباں نہیں تو کھلے گی رگِ زباں صیاد

یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں یاس یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں
 گرفتارِ قفس ہوں کیا کر سگی بجلیاں میرا سہیل نہ شاخِ آشیاں میری نہ صحنِ بوستاں میرا
 اب قفس میں رہ گئی ہے کیا ہماری یاد گا ولہ چند تنکے اور کچھ ٹوٹے ہوئے پر پھوڑ کر
 دو تیلیاں قفس کی ہیں ان کی بلا کیا ولہ مرغِ اسیر ہمتِ مردانہ چاہئے
 کیا تم کو طائرِ انِ فلک آشنا خبرِ بیدلِ عظیم آباد اُس لطف کی جو کو تہی بالِ پریں ہے
 بھری بہار کے دن تھے خیال آہی گیا رضا کھنوی اُجڑ نہ جانا تو پھولوں میں آشیاں ہوتا

جفا صیاد کی اہلِ وفانے را نگاں کس دی
 قفس کی زندگی وقفِ خیالِ آشیانہ کر دی مولا

پھولوں کی جو قدر نہ جائے پھول ہوں اُس کے اُن میں
نگہم گل میں جان ہو جس کی جانے نہ پائے نگہشن میں

عزیز شادانی

تھی ہم کو کبھی باغ و نشیمن سے محنت جعفر سہا پوری اب اُلفتِ صیاد ہے معلوم نہیں کیوں
موت سے گرفتارِ نفس ہوں مگر اب تک بے مہرئی گل یاد ہے معلوم نہیں کیوں
دیکھ کر آزادگانِ باغ کی پاسبانیاں دل میں سمجھتا ہوں کہ در میرے نفس کا باز ہے
گلوں کی نگہم بھی ہے میسر سکونِ رحمت بھی ہے تیر
یہ سب اے ہمسفر پھر بھی نفسِ نفس ہے چمن چمن ہے

دل

نفسِ اشیاں

نہ پوچھو مجھ سے گلشن کی حقیقت قائم برسِ گذرے کیں ہوں اور نفس ہے
دوسرا مصرعہ یوں بھی ہو سکتا ہے : ہوئی نہ ت کہ میں ہوں اور نفس ہے
کیا جانوں میں چمن کو و لیکن نفس پہ میسر تیر آنا ہے بگِ گل کبھو کوئی ہوا کے ساتھ
نفس میں ہم مسفر و کچھ تو مجھ سے بات کر جاؤ
کبھی میں بھی تو رہنے والا تھا صحنِ گلستان کا
جب نفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہم کو حسن
اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ نفس آتی ہے

جرات

میر غلام حسن

صیادِ نالہ سُن کے جو رویا تو لطف کیا آتش گنجِ نفس میں باغ سے اڑ اڑ کے آئے گل
کھلی ہے خانہٴ صیاد میں ہساری آنکھ دلِ نفس کو جانتے ہیں اشیاں نہیں معلوم
نہ تنگ کیوں ہیں صیادیوں نفس میں کرے ظفر خدا کبھی نہ کسی کو کسی کے بس میں کرے

گیا کون سا صید نکلن ادھر سے مفتی عبدالرحمن خان
 کج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا غالب آرزوہ
 نے تیر کاں میں ہے نہ صیاد کیس میں ولا
 لئے ناب برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی شیفہ
 مری ضد میں چن کو بجلیوں نے خاک کے ڈالا مجنوں
 ہم چھوٹ کر قفس سے چن کو چلے تو ہیں نہ رت
 مرے آشیانے کے تھے چار تنکے داغ
 کچھ ایسا ربط ہے صیاد کے ساتھ ریاض
 کوئی سو بار اٹھے سو بار بیٹھے قفس سے یوں سم آئے آشیان تک
 کھلے گر بال و پر اب کی تو صیاد ولا
 کھٹکتے ہیں نگاہ باغباں میں ولا
 نشیمن میں گزرتے کئی موسم گل ولا
 چمن میں جو ہم آئے چھٹ کر قفس سے
 گچھیں بُرا کیا جو یہ تنکے جلا دئے تھا آشیان مگر ترے پھولوں سے دوڑ تھا
 قفس کی تیلیاں اچھی ہیں تنکوں سے نشیمن کے ولا
 قفس اور آشیان کا حال اے صیاد من مجھے یہ تیری دستکاری ہے اُسے ہم نے بنایا
 یہ سرمایہ بلبلس خستہ جاں ہے احسن بڑھری کہ دو چار تنکوں کا اک آشیان ہے
 بلبلوں کا آشیان ہے قفس مفضل شاہی چار تنکوں کا مگر دستور ہے
 اسی چمن میں کہ وسعت ہے جس کی نامحدود آرزو لکھنے نہیں پناہ کی جا ایک آشیان کے لئے

آشیاں برباد گلشنِ نفس کو دیکھ کر حُصرتِ اس طرح پہنچے کہ مُنہ دیکھا کیا صیّت ادھی
سوار جلاہے تو یہ سوار بنا ہے اصغر ہم سوختہ جانوں کا نشیمن بھی بلا ہے
رہ رہ کے برق گرتی ہے ان پر ہی بار بار تاجور گلشن میں چار تنکے مرے آشیاں کے ہیں

یہ کیسا خواب دیکھا ہے نفس میں دلہ الہی خیر میرے آشیاں کی
کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے — — بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

مدت ہوئی جلا تھا نشیمن مرا مگر — — اب تک نظر میں برق کی وہ آبِ تاب ہے
روشِ پرِ باغ کے تنکے کہاں سے اس قدر عروج اے یہ تو ہمارا آشیاں معلوم ہوتا ہے

اب چمن میں بھی کسی صورت نہیں لگتا ہے جی — — باں مگر جب تک نفس میں تھے نفسِ بدنام تھا
لُطفِ گلِ گشتِ چمن کُجِ نفس میں بھولے — — اب تو نقشہ بھی گُلستاں کا ہمیں یاد نہیں

مجھ سا فسر وہ دل بھی نہ ہو گا زمانے میں — — بجلی بھی آکے سرد ہوئی آشیاں نے میں
صحنِ چمن سے دُور نہیں باغبانِ پھینک چکست تنکے جو یادگار مرے آشیاں کے ہیں

آج کچھ مہربان ہے صیّت اد اثر کھنکھایا کیا نشیمن بھی ہو گیا برباد

ہو ایں کچھ دھواں سا اٹھ کے فوراً پھیل جاتا ہے

نفس میں یاد جب آتا ہے میرا آشیاں مجھ کو دلہ

اُس سال فصلِ گل میں اُجڑا تھلنتے بنتے آئی الدن رہتا تو آشیاں کو اب ایک سال ہوتا
خارِ خس جمع کرے نامِ نشیمن رکھ دے دلہ جس کو منظور ہو گلشن کو بیاباں کرنا

بچینگے تو پھر ایک کوشش کریں گے دلہ جلا دیں نشیمن جلا دینے والے
سکونِ خاطرِ بلبل ہے اضطرابِ بہار فانی نہ موجِ بوسے گل اٹھتی نہ آشیاں ہوتا

نفس کی یادیں جی چاہتا ہے اب تو جگر جگرِ آباؤ لگا کے آگ نکل جاؤں آشیاں کو

کچھ ایسے جوش پراہکی جیٹیم اشکبار آئی وہ قفس میں ٹوٹ کر سارے گلستاں کی بہا آئی
 شعاع برق امین ہے یہاں ہر شمشین کا سہیل جلائے جس کو بجلی وہ ہمارا آشتیاں کیوں
 چمن کے پھولوں میں بھی اب نہیں رنگینی شفیق جو پڑی تھے آشتیاں کے تنکے بھی لالہ نام کبھی
 قفس ہے مفت میں بدنام اس کو کیا کیجے جعفر سار پور ہے مرنے کو نسی بندش جو آشتیاں میں نہیں
 وہ شاخ جو ہے عہد نشین کی یاد گا وہ اُجڑے ہوئے قفس میں مری غمگاہ ہے
 کس نے میرے آشتیاں کے چار تنکوں کیلئے خورشید برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا
 اب کہاں لے جائے قسمت یہ قناعت دیکھ کر رزم دیکھے کیا ہوس کے آشتیاں ہونے کے بعد
 ننگ چمن تھا میرا شمشین سوٹ گیا خار اب واقعی ہمارا مکمل ہمارا ہے

خطابِ گل بہ گلچیں

مجھے کیوں توڑ کر لائے چمن سے باسط سوا چھڑایا کس لئے مجھ کو وطن سے
 کلیجہ شق کیا رنج و محن سے نکالا بزمِ نسرین و سمن سے
 ستم ڈھایا شفیقوں سے چھڑایا چمن کے سب رفیقوں سے چھڑایا

مجھے وہ یاد ہے سارا زمانہ نسیم صبح کا وہ گدگدانا
 وہ اپنا مسکرا کر انا کھلکھلانا وہ پھر بیتاب ہو کر لوٹ جانا

اپنی پوری داستان سنانے کے بعد گل کا التماس آخر
 نکل جائے مری جب رُوح تن سے ملا دینا مجھے خاکِ چمن سے

آمد بہار

باغ را مژدہ بہار آمد وصالی نغمتِ نافہِ نتِ آرا آمد
 دل می کشد بصرِ ہنگامِ کار آمد نیر شورسیت در سر من شاید بہار آمد
 اب خدا حافظ ہے سودا کا مجھے آتا ہے رحم
 سودا ایک تو تھا ہی دوانہ تپہ آتی ہے بہار
 اک موج ہو اچھاں اے میر نظر آئی تیر شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی
 بہار آئی دوانہ کی خبر لو محترم حشمت اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو
 فصلِ گلِ خوشی سے گلشن میں آئیاں ہیں کتاباں کیا بلبلوں نے دیکھو دھوپیں مچائیاں ہیں
 بہار آتے ہی ظاہر کی کرامت دستِ وحشت نے
 تبرک کی طرح گھر گھر گیا حکمرانِ گریباں کا اثر
 ہم نشینِ قصائے عالم میں پھرتی ہے بہار — — — میں تو کیا ان کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار
 پھر بہار آئی وہی دشتِ نوردی ہوگی مومن پھر وہی پائوں وہی خارِ مغیلاں ہونگے
 آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نعمہ سنج غالب ارٹتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
 پھر اس انداز سے بہار آئی دل کہ ہوئے مضمونہ تماشاں
 اے عنذلیب یک کھٹ خس بہر آشیاں دل طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے
 آمد آمد میں اس قدر سورش شیفہ دیکھئے کیا کریں بہار میں ہم
 ہوا چاروں طرف قصائے عالم بیکار آئی احمد علی شوق بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی
 بہار آئی ہے بھرے بادۂ گلگوں سے پیما — — — ہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد مینا

چمن میں موسم گل آ رہا ہے — قفس میں جی مرا گھبرا رہا ہے
 پھر ہو رہی ہیں حشتِ دل میں ترقیاں فیروز راہ پوری پھر آ رہا ہے باغ میں موسم بہار کا
 منتظر موسم گل کے ہیں تمے دیوانے جلیس ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھے ہیں گریبانوں پر
 بہار آتے ہی وہ یکبارگی میرا تڑپ جانا اصرار وہ جا پڑتا قفس کا آپ کے آپ اڑ کے گلشن میں
 گلشن میں آمد آمد فصل بہار ہے ظفرِ طعناں ہر طیر نغمہ سنج سر شاخا رہے
 پھر بہار آئی ہو اُسے شکبار آنے لگی جوش پھر پیسے کی صدا دیوانہ وار آنے لگی
 عجیب جوش جنوں آمدِ بہار میں ہے رضا کہ انتظار گریباں کے تار تار میں ہے
 آئی ہے کس ساز و سامان سے بہار اب کی برس
 جوش پر ہے رحمت پروردگار اب کی برس

مؤلف

بہار

ہست صحرا چوں کف دست بُرواز لالہ جامِ خرو خوش کفِ دستے کہ چندیں جامِ صہبار گرفت
 علامہ شبلی کہتے ہیں کہ اس مضمون کو دانشِ مشہدی نے عجیب لطیف پیرایہ میں بدل
 دیا ہے اس کا شعر ہے

دیدہ ام شاخِ گلے بر خویش می چیم کہ کاش می توانستم بیک کف اتقد ساغر گرفت
 ہنگامِ گلِ است بادہ باید خرو ساقی و حریفِ سادہ باید
 آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش دل دقتے ست خوش بہار کہ دقت بہار خوش
 مایم و مطربے و شہرے و محرمے جامے بزریر سایہ شاخ چنار خوش
 نو بہار آمد و چون عہدِ تباں تو شکست میر محمد حسین شہید فصلِ گل دامن ساقی نتوان ادز دست

ٹمک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زازنک سودا کیا جانیں پھر جسے نہ جسے ہم بہار تک
 لڑکھرائی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں سیم ولدہ پانوں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل
 موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے برسے تیر پوئے چمن میں پھولوں سے دیکھے بھلے بھلے
 بہار آئی ہے غنچے گل کے نکلے گلگلابی سے ولدہ نہال سبز جھومے ہیں گلستاں میں شرابی سے
 بہار میں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں مرزا جعفر علی خاں گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا
 لالہ وگل کا جوش ہے بلبلوں کا خروش ہے ناتج فصلِ دُعا ہوش ہے موسمِ نئے و نوش ہے
 پھر بہار آئی کف ہر شاخ پر پیمانہ ہے ولدہ ہر روش میں جلوہ بادِ صبا مستانہ ہے
 آیا گلشن میں کھلے بندوں جو وہ جان بہا تسکین ہو گئی برباد ساری شوکت و شان بہا
 گل چاک پیروں میں کلی دلفگار ہے ولدہ شاید اسی کا نام چمن میں بہار ہے
 کہیں کہیں پہلا مسرعوں بھی دیکھا ہے : ۷۰ گل سبز چاک اور کلی دلفگار ہے
 ہے ہوا میں شراب کی مستی غالب بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی
 ایک محفل میں مغرب پرست اردو شاعری کی بے ناگی پر تبرہ کہہ رہے تھے، ریاضِ حوچہ
 تھے، اُن سے نہ رہا گیا اور منظر نگاری کے سلسلے میں اپنے استاد امیر کا یہ مطلع
 سنا کہ محفل کو خاموش کر دیا : ۷۱

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
 بہار بھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

بہار آئی ترقی ہے جنوں فتنہ سماں کی ————— الہی خیر کجواب مرے جیب گریباں کی
 جگمگا ہے لب جو باغ میں مے خواروں کا کیفیت آج فردوس میں میلا ہے گنہگاروں کا
 ناصح خطا معاف نہیں کیا بہا میں تسیم ہم اختیار میں ہیں دل اختیار میں

غنچہ چٹکا اور آپہونچی خزاں حالی فصلِ گل کی تھی فقط اتنی بسا
 بدست پڑا ہے محتسب بھی آہی غریب لے موسمِ گل ترا بھلا
 بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوتان ہو کر اکبر آبادی عنادل نے مجائی دھومِ سرگرمِ فغاں ہو کر
 کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صبحِ گلستاں میں صدائے نغمہٴ بلبل اٹھی بانگِ ازاں ہو کر
 ہوا شوقِ شاخیں جھکیں خالق کے سجے کو ہوئی تسبیح میں مصروف ہر تپتی زباں ہو کر
 بہار آتے ہی پھولوں نے چھاؤنی چھائی ریاض کہ ڈھونڈتا ہوں مگر آشتیاں نہیں ملتا
 اس لطف سے بہار ہے آئی کچھاب کی با دل پانی میں بھی مزہ ہے مے خوشگوار کا
 ہائے زنجیر شکن وہ کششِ فصلِ بہا دل اور زنداں سے نکلنے کے دیوانے کا
 بہارِ گل ہے کتنی فرحت انگیز دل جھکی پڑتی ہیں شاخیں آشتیاں
 موسمِ گل میں حسینوں کا موقع ہے چمن جلیں جو کلی کھلتی ہے تصویرِ نظر آتی ہے
 بجلی کی چھانٹوں سی ادھر آئی ادھر گئی آرزو کھنوی بھسکی پلک کہ ختم تھا موسمِ بہار کا
 جو شبنمِ شباب نشہِ صبا ہجومِ شوقِ صفر تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو
 پھر وحشیوں کو شوق ہوا کوہِ سار کا افر شاید اسی کو کہتے ہیں موسمِ بہار کا
 اللہ رے بہار کی رنگ آفرینیاں حرّت صحنِ چمن کو تختہٴ جنت بنا دیا
 ہے عجب ہنگامہٴ فصلِ بہار اب کی برس دل پہ کا ہے کو رہیگا اختیار اب کی برس
 ہے جنونِ شوق ابھی سے بقیہٴ راب کی برس کیا غضبِ ڈھائیگا طوفانِ بہار اب کی برس
 رقصاں ہے نسیمِ برگِ گل پر آثر کھنوی شبنم میں ہے گھنگھروں کی چھن چھن

بسطِ سوانی

تقاضا فصلِ گل میں ہے جنونِ فتنہٴ سماں کا
 وہی دامن کی صورت ہو جو نقشہٴ ہے گریباں کا

خوشا بہار خوش فصل دلکش ہے بہار تنو کہ چند محروم خوشا مناظر جان بخش جانفرائے بہار
ہر ایک گل شرِ بطور ہے بہ جلودگری کہاں ہے آہ مجھے تاب جلوہ ہائے بہا
تنکوں سے کھیلنے ہی ہے آشیاں میں ہم قانی آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا
اللہ رے جوشِ باد بہاری ترا اثر دلہ پیمانہ لڑکھڑاکے صراحی سے لڑ گیا
گل و بنفشہ و نسربین نستر کیا خوبہ جگر بہار و سایہ ابر بہار کیا کہنا
بہار آئی ہوئی آراستہ پھر بزمِ امکا فی سہیل ہوا گلزارِ عالم پھر جوابِ باغِ رضوانی
کیس دوشِ صبا پر قص کرنا نگشت گل کا کیس شاخِ نشیمن پر عناد کی حدیٰ خنی
ادھر غنچوں کے لب و دیا قیاح جاری ہے اُدھر محوِ قاف میں قطارِ سروِ بستانِ
ادھر سبزے کا جاگ اٹھنا خمارِ خوابِ شمس کے اُدھر بادِ سج سے زلفِ سنبل کی پریشانی
صبا کے گدگدانے سے اُدھر کلیوں کا ہنس دینا اُدھر شبنم سے کلیوں کی عرق آلودہ پشانی
ادھر شبنم کی ہستی کا فنا فی النور ہو جانا اُدھر گل کا صبا سے ادعائے پاکدہانی
چمن میں جہ طرفِ دیکھو نظر بازوں کا جھگھٹالہی کو چہ متائل ہے یا صحنِ گلستانی
جبین صبح پر نقشہ ہے یا خطِ شاعری ہیں ایامِ لالہ میں شبنم ہے یا صہائے رحمانی
صحنِ گلشن ہو رہا ہے صحنِ فردوس بریں مولف جوش پر ہے رحمت پروردگار اب کی برس
غنجہ و گل پہ پھٹ پڑا ہے شباب کے اوجِ شمع جوش پر ہے بہار کیا کہئے
دوسرا مصرعوں میں بھی ہو سکتا ہے ۱۵ جوشِ فصل بہار کیا کہئے

خزاں

خزاں رسید وز بوسے بہار رفتہ ہمنوز ——— ذخیر ہائے جنوں در داغ و دل دارم

کسے کہ محرم بادِ صباست می داند — کہ باوجود خزان بومے یا سمن باقیست
 خوش نشینانِ چمن بارِ سفر می بندند اندرِ نامِ مخلص عندِ لبِ باں ہمہ یکجا شدہ فریادِ گُشتند
 کیا روزِ بدیں ساتھ ہے کوئی ہمیش ناسخ پتے بھی بھاگتے ہیں خزاں میں شجر سے دو
 شاخوں سے برگ گل نہیں چھڑتے میں باغ میں امیر زبورِ اتر رہا ہے عروسِ بہار کا
 پڑ گئی کیا لوٹ یا رب گشتنِ حبیب ادیں دل دستِ گلچیں میں ہے گلِ بلبل کفِ صیادیں
 خیرامِ جلّوہ کے نقشِ قدم تھے لالہ و گل اتسی کچھ اور اس کے سوا موسمِ بہار نہ تھا
 آئی خزاں گئی بہار اب وہ جنوں میں نہیں نوحِ ناریا ہاتھ ہے آستیں میں ہاتھ میں آستیں نہیں
 گل میں وہ اب نہیں ہے جو عالم تھا خار کا فانی اللہ کیا ہوا وہ زمانہ بہار کا

برشکال

اے ابرِ تر تو اور کسی سمت کو برس میر اس ملک میں ہماری ہی چشمِ تر ہے
 شیشے میں شراب کے آٹھوں پر کھلے آتش ایسا گھر ہے کہ پھر نہ کبھی ابرِ تر کھلے
 میکشوں سے ترکِ ممکن نہیں رہتیں رند پانی بھر آتا ہے منہ میں ابرِ بارانِ دیکھ کر
 چلنا دہ بادلوں کا زیں چوم چوم کر آزاد اور اٹھنا آسمان کی طرف جھوم جھوم کر
 بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی سبزہ کو ٹھندی ٹھندی صبار و ندنی ہوئی
 شیرہ انگور کو کرتی ہے آبِ آتش امیر آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی
 گھنگور گھٹائیں چھا رہی ہیں حالی جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں
 ناویں ہیں کہ ڈنگا رہی ہیں موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں
 گلے پسٹے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے ریاضی الہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

وہ مزے صل کے وہ مینہ کا برسنا جھم جھم اُن سے برساتی تے سے برساتی رات
 مزہ دیتا ہے بادل جب سے میخانہ آتا ہے جیلں صراحی جھومتی ہے وجد میں پیمانہ آتا ہے
 پھر سبز چرخ دھواں ڈھار گھٹائیں آئیں دلہ پھر ہوا کھانے جیس گیسوؤں والے نکلے
 گھٹائیں جھومتی ہیں میکدے پر دلہ کہ پریاں اڑ رہی ہیں بال کھولے
 فتویٰ دیا ہے مفتی ابر بہار نے دلہ توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے
 بادل گرے جسلی چمکی ————— مینہ کے ڈر سے بھاگی توبہ
 اٹھا وہ جھوم کے ساتی چمن میں ابر بہار چٹک رہے ہیں تنگوں سے پرس رہی ہے پھول
 اللہ یہ ساون کی گھٹائیں یہ ہوائیں جگمگا رہی کیا آج بھی شغل سے مینا رہی
 کوئی دیکھے سبزہ زاروں میں گھٹاؤں کی بہا شمس عظیم آبادی
 شاہدِ فطرت نے زلفوں کو پریشان کر دیا

آبشار

اے آبشارِ نوحہ گراز بہرِ کیستی زیبِ انار چیں بر جیس گلندہ زاندہ کیستی
 آیا چہ درد بود کہ چوں ماتمام شب سر را بسنگ می زوی و می گریستی

جو

بوے جوے مولیاں آید ہی یاد یارِ دستان آید ہی
 نصر سامی نے ایک دفعہ ہرات کا سفر کیا 'اُس جگہ اور اُس کے اطراف کوہیں
 قدر دکنش پایا کہ چار سال رہیں رہ گیا 'اُمرا اور فوج سے لوگ تنگ آ گئے'

تاہم بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، آخر رودکی کے یاس گئے اور ۵۰۰۰ اشرفیاں اس شرط پر دینی منظور کی کہ بادشاہ بخارا واپس جائے، اگلے دن رودکی دربار میں گیا اور ساز کے ساتھ کچھ اشعار گلے جن میں شعر تذکرہ بالا پہلا شعر تھا، بادشاہ کا یہ حال ہوا کہ پانٹوں میں جوتے تک نہ پہنے اور اسی وقت سوار ہو کر بگ ٹٹ ایک منزل پر جا کر دم لیا، اسی رودکی کے متعلق عنقریب کہتا ہے :-

غزل رودکی وار نیسکو بود _____ غزلہاے من رودکی وار نیست
ہر اک سمت گلشن میں نہروں کی سیر آبرو وہ نہروں میں پانی کی لہروں کی سیر
لب جو کون سیر کو آیا بیمار موج منہ چومتی ہے ساحل کا
فروغ عشق و نواے سرود و طرف چمن
شراب ناب و لب جو تبار کیا کہنا جگر مراد آبادی

میر نو

اے شاہد از کجاست کہ این چرخ شوخ چشمِ خیر فاریابی از گوش او بروں کند این نفس ز گوش او
گردوں ز جامہ کہ بریدہ است این طراز گیتی ز ساعد کہ ربودہ است این سوار
جب ناز سے قندیل میر نو کی ہو روشن جوش جیسے کسی معشوق کا ٹوٹا ہوا سنگن
ایک شعر ہندی کا بھی سن لیجئے :-

آج چند رہاں دوج ہیں جگ چتوت جہی اور
ہم سے اور وار متر کے نین بھٹے اک ٹھو

آفت

صبح آیا جانبِ مشرق نظر غالب اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا
طلوع آفتاب اک منظر پر کیفیتِ وحشت و حشت فلک کے ہاتھ میں اک پر تکلف جام ہوتا ہے

مناظر مختلف

ہوا بر سبز باگوں گرسستہ زمرہ را بہ مہ و اریدہ بستہ

ناصر بخاری حج کے لئے مکہ معظمہ جا رہے تھے، خواجہ سلمان کی شہرت سن چکے تھے

بغداد پہنچے تو اُن کے پاس گئے، خواجہ صاحب قلعہ بغداد پر بیٹھے ہوئے دہلی کی

طغیانی کا تماشا دیکھ رہے تھے ناصر بخاری نے خواجہ صاحب کو سلام کیا، خواجہ

صاحب نے پوچھا تم کون ہو، ناصر بخاری نے جواب دیا، ایک پرانی مسافر

خواجہ صاحب نے امتحان کی غرض سے فرمایا مصرعہ کیا، ع

وجہ را امسال ز قلعے عجب مستبانه است

ناصر بخاری نے بلا توقف دوسرا مصرعہ موزون کیا، ع

پاسے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است

خواجہ صاحب دنگ رہ گئے، اور ناصر بخاری کو شرفِ مصاحبت بخشا،

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت

حافظ

کنار آبِ مکرنا باد و گلگستِ مصلی را

شبم گم کو کہ بر ورقِ گلِ قتادہ است اکبر انظم کان قطر باز دیدہ بلبس قتادہ است

نہیں تائے بھرے ہیں شک کے کھنڈ
کس قدر نسخہ خلک ہے غلط

اُگتے تھے دستِ بیل و دامنِ گلِ ہبسم تیر
صحنِ چمنِ نمونہ یوم الحساب تھا

جنوں پسند مجھے چھانوں ہے بولونکی ناسخ
عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولونکی

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا انیس
تھا موتیوں سے دامنِ محسرا بھرا ہوا

وہ دشت وہ نسیم وہ جھونکے وہ سبزہ زار و
پھولوں پہ جا بجا وہ گہرے آبِ دار

چٹکی کلی تو رہ گئے پر تو لتے ہوئے وحید
پتی ہلی تو رمل کے اُڑے بولتے ہوئے

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلزارِ آج اتیر
پھرتی ہے باغِ باغِ نسیم بہارِ آج

صبا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی گلشن میں افشرہ و
خدا جانے چمن میں نرگس بیجا کیسی ہر

ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوشِ فوس کے اندر ہے

اکبر الہ آبادی

اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے قیاس ہی برباد ہی

آہستہ نسیم کا وہ چلنا شوقِ قدوائی سورج کا وہ آرٹ سے نکلنا

خاکِ چمنِ سپنم و گل کا عجب ہے رنگ جلیل
ساغر کسی سے چھوٹ پڑا ہے شراب کا

پھول ہیں صحرائیں یا پریاں قطار اندر قضا اقبال
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرن

حسنِ بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہر سے بن پایے تو شہر اچھے کن

پھر ابر میں وحشت کی تصویرِ نظر آئی فانی
لہرائی ہوئی بجلی نہ بجیر فطرتِ آئی

لالے پہ جھک پڑی ہے گلِ یاسمن کی شاخ و
یادستِ ناز میں ہے ساغرِ شراب کا

کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو سبزہ زار کا

پالا ہوا ہے وہ بھی نسیم بہار کا

خسریا

میخانہ

اب تو جاتے ہیں میکدے سے تیر بیر پھر ملیں گے اگر حسد الایا
 ابر اٹھا تھا کعبے سے اور جھوم پڑا میخانے پر دلا جھڑٹ ہیگا میخاروں کا شیشے پر پانی پر
 کیس کیس دوسرا مصرعیوں بھی دیکھا گیا ہے عبادہ کشوں کا جھڑٹ ہیگا شیشے اور پانی پر
 جب میکدہ چھٹا تو رہی کیا جگہ کی قید غالب مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو
 جمع تھے پاک اک زمانے کے داغ ہائے جلے شراب خانے کے
 غم غلط دونوں جہاں کا ایک پانی میں ہے — زندگی کا گر مزہ پوچھو تو میخانے میں ہے
 یہ بزم تھے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے مجرور شاد جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ سے بیٹا اسی کا،
 شریطوری ہر موج ہے پیمیں ریاض بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں
 انہیں میخانوں میں ہیں پیر مغاں ایک ایک دلا قلم دیں ہے کوئی کعبہ ایماں کوئی
 یہ میکدے کی بھیر یہ اللہ رے ہجوم دلا ہم تو نکل کے کھوئے گئے خانقاہ سے
 روح کو میرے تعلق ہے یہ میخانے سے دلا میرے حصے کی چھلک جاتی ہے پیلے سے
 شراب خانے میں ہے میکشوں کا رنگ وہی دلا نہ خانقاہ نہ وہ اہل خانقاہ ہے
 خانقاہوں سے ہے پوشیدہ شعلہ جن کا راستے ایسے گئے ہیں کئی میخانے کو
 وہ ہائے مجمع زندان میکدے کی بسا — وہ مے چھلکتی ہوئی خوشنماپالوں میں

عام ہے بیعتِ ساقی درِ حیانہ ہے با — آج ہونا ہے جسے آکے مسلمان ہو جائے
 جھومتی آئی تھی قبلے سے ستم ڈھلنے کو — لو گھٹا جھک کے اٹھلے گئی میخانے کو
 یاد دے میں دل ہے شیشہ چشم تر پیمانہ ہے قمر — ہم جہاں دل کھول کر رو لیں ہی میخانہ ہے
 میکدے پر آ کے پہروں جھومنا اخترینائی — یہ گھٹا ہے یا کوئی مے خوار ہے
 کوئی ایسی بھی ہے صورت تیرے صدقے سا عیسیٰ — رکھ لوں میں دل میں اٹھا کر تیرے میخانے کو
 پینے والے ایک ہی دوہوں تو ہوں جگر ادا با — مفت سارا میسکدہ بدنام ہے
 پہونچی یہاں بھی شیخ و برہمن کی گفتگو سہیل — اب میکدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا
 کچھ متیار شیخ و برہمن نہیں یہاں دلہ — جی کیوں نہ خوش ہو خانہ خستہ کیونکہ

جام

اے کہ می گوئی چرا جامے بہ جانے می خری — فغانی — این سخن از ساقی ما گو کہ ارزاں کردہ است
 سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف میر درد — جس کے ہاتھ آئے جام وہ حسم ہے
 مدتیں گزری ہیں شعل میکشی چھوٹے ہوئے — وہ پڑے ہیں طاق پر جام و بو ٹوٹے ہوئے
 کرن سوج کی نکلی جام مے سے ریاض — یہ کیسی دھوپ نکلی چاندنی میں
 جام مے تو بہ شکن تو بہ مری جام شکن دلہ — سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے
 ہر صبح کی وہ شان ہے جام شراب میں اصغر — برقِ فضا نے وادی سینا کہیں جسے

پیمانہ

مگر اس کو فریبِ نگرستانہ آتا ہے آتش اُلٹی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

بند تو بکے بھی پھینکا نہیں جاتا تھو سے ریاض ہم۔ کسے بیٹھے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کو
سرافیا عکس پڑا ہے جو تری آنکھوں کا باسط بولن اور دو جام نظر آتے ہیں پچا۔ نہیں

ساحر

خالی سہی بلا کے تھی تو دل کو ہے تسیم رہنے دو ماسے میرے ساحر شراب کا
فروغ ہے بیت یا عرش بریں سے تو آیا
کہ ساحر طاق سے بن کر پیرایع خور کیا
تسیم سینا کی اپنی تصنیف "سینا ریاض" میں رقمطراز ہیں :-

ایک دن شام کو کسی قریب میں
نواب شاد ریاضک مرزا کے یہاں رات تھی فانی صاحب سیرت متاثر ہو کر
کھانے میں بیٹھ گئے اور اداہلی باتیں ہو رہی تھیں کرسی فانی کے پاس پریشان
فانی نے کہا 'تسیم صاحب کوئی اچھا شعر کسی کا اس زمانے میں نذر سے گذرا ہو تو سننا
ہو میں نے دھیمی آواز سے یہ شعر پڑھا :-

ساحر سالہ دور چرخ تھا ساحر کا ایک دو
کے سیکھتے جو بیکدے سے تو دنیا بدل گئی

فانی و ماہر دونوں نے بیک زبان بے ساختہ کہا 'اے سبحان اللہ! کس کا شعر ہے
بھئی! میں نے کہا ریاض کا' ابھی اُن کا دیوان ریاض رضوان چھپ کر آیا ہے اس
میں یہ نظر سے گذرا 'فانی کے دوسری طرف ماہر تھے اس کے بعد دوسرے لوگ
فانی نے ذرا جھک کر اُن میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا 'نواب صاحب ریاض کا دیوان'

’ریاضِ رضوان‘ بھی دیکھا ہے آپ نے! نہیں بھائی خمریات سے مجھ کو دلچسپی نہیں
وہ یہ کہہ کر دوسری طرف مخاطب ہو گئے، ’اور فانی کو اور مجھ کو سنا آگیا‘ فانی کچھ دیر
چپ رہے، پھر ایک لمبی ٹھنڈی سانس بھر کے مجھ سے چپکے سے کہا، ’کل کو میرے
ذکر پر بھی لوگ یہ کہہ کر ٹال دینگے کہ ہم کو ’یاسیات‘ پسند نہیں، بلئے سے ہندوستان کا شاعر“
ہر اک ذرہ سرا پا طور ہو کر جلوہ آرا، تا تب لکھنؤ معاذ اللہ یہ کیفِ آفرینی ایک ساغر کی
موج مے اٹھتی ہے ساقی جو ترے ساغر میں جلیں نغمہ مست کی تصویر نظر آتی ہے
ہاتھ سے کس نے ساغر ٹپکا موسم کی بے کیفی پر
اتنا برس سا ٹوٹ کے بادل ڈوب گیا میخانہ بھی
آرزو لکھنؤ
وہ بُت بھی سامنے ہے ساغرِ شراب بھی اسفر اس آفتاب کے پہلو میں ماہتاب بھی ہے
اندازِ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ جگر مراد آبادی ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خطِ پیمانہ
بینابِ زہد میں نہ جسمِ اتقا میں تھا جعفر سا نرِ بوجھ تھا ایک ساغر صہبائے ہوئے

مے

مے نعل در ساعن ز زنگا سدی بود روح پرور چو لعل نگا
مے میانِ شیشہ ساقی نگر خرو آتشے گویا آب آلودہ اند
از صراحی دوبار قفلِ مے جاتی پیش جامی بہ از چہار قفل است
شیدا کے ایک مطلع پر جو آپ کو ابھی ملیگا، شاہجہان خفا ہوا تو متذکرہ بلا شاعر

شیدائے استہزاء میں پیش کر کے خفگی رفع کی،

چسیت دانی بادۂ گلگون مصفا جوہرے شیدا حُسنِ را پروردگارے عشقِ را پیغمبرے

باتیں معشوقوں کی کانوں میں نظر میں سکیں ولہ نشہِ بادۂ گلزارِ تیرا کیا کہن
 جو حرام سمجھو حرام ہے جو حلال سمجھو حلال ہے ولہ مے انگبیں تو بذاتہ نہ حرام ہے نہ حلال ہے
 جس دن سے حرام ہو گئی ہے ولہ مے خلدِ مستام ہو گئی ہے
 پتہ چلتا نہیں اب آتشِ دادیِ امین کا اصغر مگر مینائے مے کی نور افشانی نہیں جاتی
 صبا تے سند و تیز کو ساقی سنبھالنا ولہ اُچھلے کبیر شیشہ ساغر لئے ہوئے
 نگہتِ ساغر گل بن کے اڑا جاتا ہوں آغا حشر لئے جاتا ہے کہاں بادۂ سرخوش بھے
 دور میں رند چپک اٹھتے ہیں بلبل کی طرح باسطِ بوانی مے کلرنگ ہے یا پھول ہے پیمانے میں
 بادۂ مست میں گر جوش ہی ہے ساقی خود ہی شیشے سے چھلک آئیگی چائے میں
 زاہدوں میں بھی اس کا ہے مذکو مسعود ہر جگہ ہیں شراب کی باتیں

مُطرب

مُطرب نے وقتِ نغمہ زنی تار ساز کو جعفر سہاڑ پڑ چھیرا کچھ اس طرح کہ رگ جاں بنا دیا

ساقی

ساقی قدحے کہ از مے عشق عراقی چوں چشمِ خوش تو نیم مستم
 جاں ز نظرِ خرابِ نازِ اوز اندازِ بیش خرد من ہوئے مست و ساقی پُر دہدِ پیارا
 بہ دُرد و صاف ترا کامِ نصبت دمِ کوش — کہ ہر چہ ساقی مارِ نیتِ عینِ الطافِ ست
 اَلایا ایتھا الساقی ادر کا ساؤ ناؤ لسا حافظ کہ عشق آساں نمودِ اول ولے افتادِ مُشکلا
 ساقیا بر خیز و درودِہ جسام را ولہ خاک بر سر کن غنیمِ ایام را

ساقی بنورِ بادہ برائے سر و زجامِ ولا مُطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما
 مگر ساقی مکر در خدمتِ میخانہ می بندد ملاضون کہ چون زر گن بہر انگشت خود پیمانہ می بندد
 سخن دروغ نگویم نمی توانم دید — کہ مے خورد حریفان من نظارہ کنم
 ساقی بصبوحی قدر سے پیشتر از صبح تقدی بر نیز کہ تا صبح شدن تاب ندارم
 ترخوش لکھتے ہیں "قدسی نے غزل کہی اور ایک مکتب کے ملا کو سنانے لگے 'جب اس شر کو
 پڑھا ایک لڑکا بول اٹھا بجائے 'قدرے' کے 'نفسے' 'ہو تو صبح کی رعایت سے زیادہ
 مناسب ہوگا' قدسی لڑکے کی ذہانت سے سچیر ہوئے اور کہا : ہ

گاہ باشد کہ کوہ کے ناداں بخلط بر حصد زند تیرے
 مے باقی و ماہستاب باقیست نسبتی مارا بہ تو صد حساب باقیست
 گوشہ چٹھے اگر ساقی بمن در بجاست فخران حسن عمر با در گوشہ میخانہ خدمت کردہ ایم
 شرابِ لطف پُر در جام می ریزی می نرم — کہ زود آخِر شود ایں بادہ من در خاتم
 مے کو ز دست ساقی مشکیں کلا نیست در صد سبکدوش کیفیت یکتہ نیست
 مست گشتم از دو چشم ساقی پیمانہ نوش — الفراق اے ننگِ ناموس الوداع غافل ہو
 لے ساقی خوش ادا نگا ہے قاری غازیو از گوشہ چشم گاہ گاہ ہے

بیا ساقی نگارم را بیک جام صہبا ساک کہ مخموری خوش آموز داد اے لغزشے پا
 کہاں ہے آج یارب جلوہ ستانہ ساقی دلی کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاو
 دُور سے آئے تھے ساقی من کے میخانے کو ہم انجام پر ترستے ہی چلے ہیں ایک پیمانے کو ہم
 ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہو سس سودا تو منتوں سے جام مے اوریں کہوں کہیں
 کبھو جی بھی کیا ہے خوش کسی زندِ شرابی کا میر درد بھرا مے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

ساقیاں لگ رہا ہے چل چلاؤ ولہ جب تک بس چل سکے ساغر چلے
 گرچہ مے پینے کی تو ہے میں ساقی انتشار بھول جاتا ہوں ولے تیری مدارائے وقت
 شیشہ مے کی طرح لے ساقی مٹھی چھیر طمعت ہم کو بھرے بیٹھے ہیں

لے جام لبالب بھر دینا پھر ساقی کو کچھ حیا نہیں
 یہ ساغر پیچھے دوست تک یا ہاتھ لپک لے دشمن کا

نظیر اکبر آبادی

ساقی نے سب کو جام دے بھر کے بزم میں ولہ ساغر جو ہم نے مارا تو شیشہ ہلا دیا
 اے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
 دل میں آتا ہے لگا دیں آگ مینا نے کوہِ مسم

ساقی نے پلائے ہمیں یوں جام پیائے ولہ ہم نشہ میں یہ کہہ اٹھے اک بار کہ بس جی
 پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے ولہ اتنے میں ساقی نے دی اُس سے کڑی اور بھی
 مینہ برسے ہے کس لطف سے اور جام تنہا ہے شاہ نصیر ساقی تری سرکار میں انصاف یہی ہے
 اے میکشوز اکت ساقی کو دیکھنا ناسخ لاتا ہے رکھ کے مثل سب کو جام و دوشن
 کیا سیاہی اور سرخی لالہ اور آنکھوں میں ہے ولہ جسم بد دور آج لے ساقی ہمارا آنکھوں میں ہے
 کسی کے آتے ہی ساقی کے ایسے ہونٹوں کے وزیر شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں
 ساقیا عید ہے لا ساغر مینا بھر کے ذوق بادہ آشام پیاسے ہیں مینا بھر کے
 ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے جی ولہ بارہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں
 کھلے میں ڈال کر باہر قسم دینی تھی اے ساقی نیم دہوی جو کی تھی پیش اہد کو تو کرنی تھی سلیقہ سے
 میں کب پوچھ رہا ہوں شراب ہے کہ نہیں وحید مرے سوال کا ساقی جواب ہے کہ نہیں
 ترا میکہ سلامت تھے خم کی خیر ساقی اتیر مرانشہ کیوں اُترتا مجھے کیوں خمار ہوتا

میں کس شے کی پیشی پہ اتنی جوش ہے — یہ تو ساقی جانتا ہے کس کو کتنا ہوش ہے
 غیر در کو تو پلائی ہے ہم پر بھی بے پیکر کج جاتی ساقی کچھ کچھ جو سب میں شراب ہے
 یہ تیجٹ اور ہم قدر ست جہاں کی تقسیم دے اور ساقی مسلسل مجھ کر
 کیوں شام سے ہے فکرِ عبوتی میرے ساقی افلاں تھوڑی سی ملاوے مجھے تھوڑی سی بچائے
 ساقی ادھر تو دیکھ کہ ہم دیر مست ہیں مٹاؤ یہ سب کچھ مستی نگہ بھی ملاوے شراب میں
 لڑکھڑا کر جو گراپاؤں پر ساقی کے گرا کر اپنی مستی کے تصدیق کہ مجھے ہوش رہا
 توبہ سے ڈرایا مجھے ساقی نے یہ کہہ کر ریاض توبہ شکنی کے لئے اسرار نہ ہوگا
 برساتے نور تو مری ریشیں سفید پر دل مند دیکھتا ہے کیا مرے ساقی پلا مجھے
 میں نے چکی بھی تھی کہ ساقی نے کہا جو رکے تپاں — آپ اللہ چلے جائیے میخانے سے

طالب جام ساقیا ہیں ہم جیتے جو پوچھ پچھا کر کہ پار سا ہیں ہم
 پی لے دو گھونٹ کہ ساقی کی ہے باتِ فیض ولا سات انکار سے خار شکنی ہوتی ہے
 ساقیا پیش نظر ہے جو مے روز حساب افضل سوانا اس لئے ناپکے پتیا ہوں میں پیانے سے
 ہم سمجھتے ہیں تری عشوہ گری کو ساقی جلیں کام کرتی ہے نظر نام ہے پیانے کا
 مستی کا اب مدار ہے ساقی کی آنکھ پر دل اس جام نے شراب کی مٹی خراب کی
 مے کی میخانے کی ختم کی جام کی مینا کی خیر

مست آنکھوں کا تصدیق ایک پیانہ ہمیں

پیہم دیا پیالہ مے بر ملا دیا حررت ساقی نے التفات کا دیا بہا دیا
 بہار آئی ہے ساقی بادۂ گنگلوں پلانا بھی دل کہاں کی پار ساقی کیسی توبہ جام لانا بھی
 یہ حالت ہر گئی ہے ایک ساقی کے نہ ہوتے تھوڑے کہ تم کے ختم بھی ہے سے سے اور نہ خانہ خالی

اہتمام اچھا یہ ساقی تیرے میخانے میں ہے جگر گو رکھ پوری جس کا جتنا ظرف ہے اتنی ہی چلانی میں ہے
 بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی لیکن جگر مراد آباد اور ہی کچھ تیرے ہاتھوں سے مزہ دیتا ہے
 یوں تو ساقی ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے وہ بھی تھوڑی سی جوان آنکھوں کے چلانی میں ہے
 کچھ نہ کچھ تو کم غم ایام ہونا چاہیے راز چاند پور میرے ساقی اب تو دور جام ہونا چاہیے
 ذرا آہستہ لے پل کاروان ہوش موتی کو جوش کہ سطحِ زمین انسان سخت ناہموار ہے ساقی
 نظر ملا کے کہا مجھ سے میرے ساقی نے صغیر حرام کہتے ہیں جس کو یہ وہ شراب نہیں
 کر رہی ہے حقیقت کا ساقی کی نظر باہر قادری میکدے میں گردشِ ساغر برائے نام ہے
 بصدائے دلبری ہے التجاے میکشی جیب احمد منقش یہ ہوش اب کسے کہ مے حرام یا سلال ہے
 راج کمار ی سوچ کلا سہلے سرور

نظر ملا کے نظر سے جو مے دیا ساقی اس ایک جام پہ قربان لاکھ میخانے

پیرِ میخان

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ میخان گوید حافظ کہ سالک کے خبر نبو زراہ و رسم منزلہا
 دوش از مسجد سوعے میخانہ آمد پیر ما دل چیت یاران طریقت بعد ازین ندیر ما
 بندہ پیر خراباتم کہ لطفش اتم است دل ورنہ لطفِ شیخ وزاہد گاہ بہت گاہ نیست
 امام اپنی جماعت کا ہوا جب پیرِ میخانہ عشرت کھنڈی صدائے قفلِ مینا ہوئی تبکیہ میخانہ

خُم مے لے کے نہ اڑ جائیگا اے پیرِ میخان

ریاض ر

ابرِ رحمت جو جھکا ہے تو جھکا رہنے سے

رند

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید راز ماقظ ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست
غالب اگر نہ خرقة و مصحف بہم فروخت غالب پیرسد چرا کہ نرخ منے لالہ فام حصیت
پیانہ بر آں رند حرام است کہ غائب ولد در بخودی اندازہ گفتار نداند
دیدم سحر صہبائی آشفتنہ در میخانہ صہبائی جامے بکفت ہوعے بلب اور اراق دیوان در بغل

خوشا رندے کہ می دارد بہ بزم بادہ پیمایاں
بدستے ساغر صہب و بر دوش سبوتے گرای

خدا کے واسطے اس سے نہ بولو شاہ عالم نشہ کی لہریں کچھ بک رہا ہے
ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب کلیم ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم
مائل ہمیں تو رات کہیں رہ کے کاٹنی مائل مسجد میں جا پڑینگے جو میخانہ بند ہے
رکھتے ہیں کہیں پاؤں تو پڑتے ہیں کہیں اور انشا ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا

نصو عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر

ولد

غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

راسخ کی فاقہ مستی سے اللہ کی پناہ راسخ کھانا ہے سوکھے ٹکڑے بھگو کر شراب میں
ہر شب شبِ برات ہے ہر روز روزِ عید آتش سوتا ہوں ہاتھ گردن مینا میں ڈال کے
روزِ محشر بھی ہوش اگر آیا موتن جائینگے ہم شراب خانے کو

مسجد میں پی شراب پڑھی دیر میں نماز بیمار بیمار کو شعور کسی بات کا نہیں
قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں غالب رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم دل دھوے دھبے جامہ احرام کے
تھے جو ساتی کے ناز تو بہ شکن اشکی رات اشکی کو بھی پتے ہی بنی
ہوش میں آؤ سمجھ والے ہو محسن تم تو بے مے پتے متوالے ہو
نکل جاتی ہے جس کے مُنہ سے سچی بات ستی ہیں

فقیرِ مصلحت ہیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

امیر اہل مسجد سے اظہارِ تقویٰ امیر ابھی آئے ہو میکہ کے سنے کل کر
مسجد میں بلاتا ہے ہمیں زاہدِ مجسم دل ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے
کی ترک مے تو مائل پسندار ہو گیا داغ میں تو بہ کر کے اور گنہگار ہو گیا
میکشہ مردہ کہ گھنگھوڑ گھٹائیں آئیں دل تم پہ رحمت ہوئی تو بہ پہ بلائیں آئیں
روح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے دل مے اڑی جاتی ہے ساتی تیرے چانے سے
ہے گدائے میکہ بھی کیا حسرتیں دل بھرنے جھولی میں ٹکڑے جام کے
سامنے خم ہے سمجھ بوجھ کے پنیائے مست شاہِ عظیم آبادی کوئی گرتے ہوئے پکڑیگا نہ باز تو سیرا
وہ جانا مرا روٹھ کر میکہ کے سے ریاض صراحی کا مجھ کو وہ آواز دینا
یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے نشو دل ہم سن کے پی گئے یہ مزہ مفلسی کا تھا
تو بہ کر کے آج پھر پی لی ریاض دل کیا کیا کجخت تو نے کیا کیا
بعد اک عمر کے میخانے میں آئے ہیں ریاض دل آپ بیٹھے بن چائے ہوئے دامن کیسا
ہجو مے کہ رہا تھا منسبر پر دل ہم جو ہو پونچے تو پی گیا دغظ
لبی داڑھی نے آبرو رکھ لی دل قرض پی آئے اک موکان سے ہم
ہم جانتے ہیں لطفِ تقاضائے مے فرشتہ دل وہ نقد میں کہاں جو مزہ ہے دھاریں

دہائی ہے دور ساغریں مگر کیا کہنے تھی آنکھوں سے بہہ ساقیوں کیسے لڑتیں

جینوہ تھے شراب پیکنے والے تھے تھیں اسٹوڈنٹس دینے والے

۲۲۰ ✓ ۹۵۵ مہربان نہی ہو آنکھوں کی دہائی کی دہائیوں میں لڑتیں لڑتیں

۲۲۱ ✓ کوئی ساغر کہتے ہیں کوئی مگر شہم ساقی ہمارے ہاتھوں کیسے کہیں ساجیڈا تاج

مے توڑ دھڑکیں تھیں مے ساقی والا کچھ بہہ رہا تھا کاشکیا شہد باب نہیں

باقی ہے کس نے ساغر ٹپکا تھم کی بنہ کی بنی

۲۲۲ ✓ ۹۵۵ آرزو دکھائی

اتنا برساتوٹ کے بادل ڈوب پلا میخانہ بھی

پانوں میں لغزش بہ لڑک شور و شادابی والا جتنی پیدائیں اب باقی ہے اتنا ہوش ہے

۲۲۳ ✓ لطف ساقی تھا ہے درخنگر مسرت نہج بلا تو شش کا بھلا ہوا

۲۲۴ ✓ مے و مینا سے یاریاں نہ گئیں ولا میری پرہیزگاریاں نہ گئیں

مے کے قطرے کیا تھے جب تک خم میں تھے ساغریں تھے

۲۲۵ ✓ پیر سے ہونٹوں تک پہنچنا تھا کہ طوفاں ہو گئے چکیت

۲۲۶ ✓ بے کیفیوں کے کھٹ گھرا کے پی گیا جگر ادا ہا تو بہ کے ہر خیال کو ٹھکرا کے پی گیا

۲۲۷ ✓ آذر دگی خاطر سساقی کو دیکھ کر مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرم کے پی گیا

۲۲۸ ✓ وہ مرا ساغر کہتے ہوں اپنی جانی کے بعد ولا ابر رحمت کا وہ اٹھنا جھوم کر میرے لئے

۲۲۹ ✓ سو سحر سے ایک لغزش مستانہ واریں نہیں اللہ کیا ادا ہے ترے بادہ خوار میں

۲۳۰ ✓ یہ سن کر میں نے اپنا نام میخانہ میں لکھوایا جو میکش لڑکھڑاتا ہے وہ بازو تھام لیتے ہیں

۲۳۱ ✓ اتنا ہوش باقی ہیں کچھ بادہ خوار میں

۲۳۲ ✓ تمام کو کچھ دی

مجدوں پہ مجھ سے لغزش مستانہ واریں

مختب

مختب در قلعے زندان است سدی غافل از صوفیان شاہد باز
 اے مختب از جواں چہ نپرسی حافظ من توبہ نمی کنم کہ پیسم
 مختب داند کہ حافظ مے خورد ولا آصف ملک سلیمان نیست ہم
 اے مختب ز گریہ پیر مغاں بترس ملا علی احمد یک شمشکستن تو بصدخوں برابر است
 تمنیت گوئید مستان را کہ سنگ مختب — بر سر ما آمد و این آفت از مینا گزشت
 بادہ چون جان تن شیشہ بروں ریختہ است روشن مختب را نگذازد کہ خون ریختہ است
 بہ بزم مے پرستان مختب بخش عزتے دار غنی کہ چو آید بہ مجلس شیشہ خالی می کند چارہ
 مرده اے بادہ پرستان کہ دین فصل بہا نامر علی مختب نیز بدستے عیسے افتاد است
 از حد امروز پندت منع ما از بادہ کر پندت ورنہ کے آن نامسلمان را نمرہ دہا
 من اول شستہ ام اے مختب از آبرو دستے گرامی ز دم انگاہ میاگانہ بر جام و بہو دستے
 توجہ کتا ہے بغل بیچ نہاں ہے شیشہ حاتم مختب یہ تو مراد دل ہے کہاں ہے شیشہ
 کہ حذر میرا نہیں ہے شیشہ خالی مختب ستوا تیغ ہے اس میں شراب پزنگالی مختب
 مختب سنگ جفا سے ترے میخانے میں پردرد کون سادل تھا کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا
 مختب آج تو میخانے میں تیرے ہاتھوں دل نہ تھا کوئی کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا
 میکہنے تک مختب کو میکشوانے تو دو نایع دیکھ کر پیمانے کو پیاں شکن ہو جائیگا
 وہاں مختب سر ٹپکتا رہا اتفاق یہاں خوب زندوں میں ڈھلتی رہی
 سنا ہے مختب بھی ٹاک میں ہے دختر رز کی محسن الہی رکھ لے تو حرمت شراب ارغوانی کی

بدست پڑا ہے محتب بھی اسی غازی پڑے موسم گل ترا بھلا ہو
 محتب آیا تو خمِ فنج پر گرا — مے گری سینا گرا ساغر گرا
 محتب سے میکشی کا ڈھنگ یکھا چائے جلیں مست ہے لیکن ذرا اُس پر گماں تو نہیں
 محتب کی خیر اونچا ہے اُسی کے فیض سے رند کا ساقی کائے کا خم کچا چائے کا نام
 کی محتب نے خانہ تلاشی تو کیا ہوا جوہر نکلا سیوئے کمنہ میں سر کا بھرا ہوا
 اے محتب پھینک مے محتب پھینک جگر مراد آبادی ظالم شراب ہے اے ظالم شراب کے
 تیری ضد پر محتب الیاس تو بہ کہ تو لے مولف تو بہ کا بھی تو نہیں ہے اعتبار اب کی برس
 یوں نہ مستوں سے الجھ اے محتب از مہبائی پار سائی کا بھرم کھل جائیگا

تو اے رند

نیک بخت آں کے کہ داد و بخورد رودی	شور بخت آں کہ او نخورد و نداد
باد و ابرست این جہاں افسوس	بادہ پیش آر ہر چہ بادا باد
قدرِ گل و مل بادہ پرستان اند	نہ تنگدان تنگ دستاں اند
از بے خبری بے خبری معذوری	ذوقیت دیں بادہ کہ مستاں اند
گویند بہ حشر گفتگو خواہد بود	و آں یارِ عزیز تند خو خواہد بود
از خیر محض حسرت نکوئی ناید	خوش باشش کہ عاقبت نکو خواہد بود
گر بادہ خوری تو با خرد منداں خور	یا با صنم لالہ رخ و خنداں خور
بسیار مخور فاش کن ورد مساز	کم کم خور و گہ گاہ خور و نہاں خور

سوال

از من پر مصطفیٰ رسانید سلام و انگاہ بگوئید با عسکر از تمام
کے سید ہاشمی چرا و فرغ بخشش در شرع طلال است و منے نا حرام

جواب

از من پر خیام رسانید سلام و انگاہ بگوئید کہ است غلام چہا
من کے شفق کہ منے حرام است بر شیعہ طلال است و بر تمام حرام
ابر حق منے مرا شکستی رقی و بر من در عیش را بد است و حق را
بر خاک نکلندی منے گلگون مرا خاکم بدن مگر تو مستی ربی
خوشا رندی کہ پامال کنہ صد پار ساقی اختر خان بنی نے منے تقویٰ کہ من با جب و دستار می
یک ساغر در آں میخسانہ مارا چنین سرست و بے آر ام کر و
ہیج کس بے دامن تر نیست اما دیگران با زنی پوشد و من و آفتاب انگہ شد
دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است صراحی بے ناب سفید عسکر از است
منم کہ گوشہ میخانہ خانقاہ من است و عاے پیر مغان و در و جنگاہ و من است
مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد از ورنہ و مجلس زندان خبرے نیست کہ نیست
با خرابات نشینان ز کرامات ملاف ہر سخن جاسے و ہر نکتہ سکائے دارد
بشارت بر بکوے میفر و شان کہ حافظ توبہ از زہد و ریا کر
تازہ خانہ و منے نام و نشان خوابد و سر ما خاک رہ پیر معنسان خوابد
دے با غم بسر برون جہاں یکسر نمی اورد بے بغروش و حق ما کریں بہتر نمی اورد
یک دو جام دی سحر کہ اتفاق افتادہ و در لب ساقی شرابم در مذاق افتادہ و

سبوح بادہ سلامت کہ زینتِ دوش است ولا سے کہ مایہ درد است گو بدوش میاش
 نکات بت پرستیہ از آذرِ پیرس لے ناداں ----- خلیل بت شکن آدابِ تنجانیہ چہ می داند
 دردِ سرِ کیفیتِ پیانہ فرزانگی ست ----- نشہ آسودگی از بادہ دیوانگی ست
 قرب یک ماہ بیخا نہ اقامت کردم ----- اتفاقاً رمضان دنی دانستم
 چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ ا ----- سماع و عظم کجاست نغمہ رباب کجا
 زندانِ نظر بہ جلوسہ دنیا نمی کنند ----- نہانی جز آرزوئے ساغر صہبائی کنند
 دلبخواہم یکے درمے پستی طالبائی یکے در عذر خواہی مایہ ستی
 ز بہرِ ستیم کے کار با جامِ شراب افتد ----- غرغراں حسن مرا از گفتگوئے بادہ سرخوش مینوان کن
 رطل گراں بقیمت جان میتوان خرید ----- ادبی ایں است گو ہرے کہ گراں میتوان خرید
 افتادون و بر خاستن بادہ پرتاں ----- غنی در مذہب زندانِ خرابات نماز است
 توبہ از مے نہ کنم در پیری ولا مے کشی در شبِ مہتاب خوش است
 سجہ در مسجد و در میکہ پیانہ خوش است ولا گریہ در خانقہ و خندہ بیخا نہ خوش است
 بہر یک جرعہ مے منت ساقی مکشیم ----- زیب النساء اشکِ مابادہ مایدہ ماشیشہ ما
 در ہوائے بادہ گل رنگ بیتابیم ----- ملاحظہ شوئی سالہا شد کنہ ہوا داران ایں آبیم ما
 فغاں کہ دانہ انگور آب می سازند ولا ستارہ می شکنند آفتاب می سازند
 از خوشتر انگور عیاں شد کہ دریں باغ ----- سرخوش شیرازہ جمعیت دہار گیتاک است
 گرفتہ بود دل من بر نگِ غنچہ گل ----- شگفتہ روی صہبا شگفتہ کرد مرا
 نیست غیر از ایں شکستِ شیشہ دلِ اعلاج ----- خادم در بغل از دست تو گیریم صہبائیے دگر
 گرفتہم از تکایہ مے گناہ است ----- اندر اہم بھار از جانب ما عذر خواہ است

نو بہار آمد مرا تجریر گلشن کنید ^{منظر جاننا} دوستان سال تدبیرم بطورین کنید
 من چه دامن راہ و رسم خانقاہ ^{میر} عمر من در خدمت میخانہ رفت
 آخر آخر بر دکان مے فروش ^{ماہ نقا} آبرویم بھر یک پیمانہ رفت
 بروز حشر الہی چون نامہ مسلم ^{غالب} گنبد باز کہ آن روز باز خواہ من است
 بجنعت ابلہ آن را برنوشت ازل ^{غالب} کمی و بیشی اگر باشد آن گناہ من است
 نہ مہاں سر آن نہ میخانہ ^{غالب} نہ دوستان سر آن نہ جانانہ
 نہ رقص پری پیکر ان بر سباط ^{غالب} نہ غوغائے رامشگر ان بر سباط
 افتخار پُر از ابر بہمن مہی ^{غالب} سفالینہ جام من از مے مہی
 آن سیم باید کہ چون ریزم بجا ^{غالب} زور مے در گردش آرد جام
 باید ز مے ہر آئینہ ہمیز گفتہ اند ^{غالب} آئینہ دروغ مصلحت آئینہ گفتہ اند
 در حسرت با تم ندیدستی خراب ^{غالب} بادہ پسنداری کہ تنہا می خورم
 خجلت نکرد کہ در حسرت نیافتند ^{غالب} جز روزہ در دست ز صہبا کشودہ
 از خانہ ماراہ بیخانہ دراز است ^{عبرت} اے کاش کہ این خانہ بیخانہ درے داشت
 منبر و محراب دریں عشق را سافتنیت ^{شبلی} شرح اسرار نہاں بر دارمی بایست کرد
 الہی کو شب بہتاب و ذوق مے پرتیہا ^{گرامی} بہ دستہ دستہ ز گس بہ دستہ ماہر و دستہ
 از بزم جہاں خوشتر از حور و جہاں خوشتر ^{اقبال} یک ہمدم فرزاند ز بادہ دو پیمانہ
 مقام شیخ در محراب و مارا پیش ^{غالب} مقیم گوشہ میخانہ نہ کرد
 ز دم بر سنگ مستی شیشہ تنگ ^{کیفی} میان کوچہ و بازار مستم
 آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سوں ^{منظر جاننا} مینا لگا ہے جبتی اس مینو اے ہاتھ

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم قائم یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں
 نہ دیکھا جو کچھ جام میں جسم نے اپنے سودا سودا قطروں میں جسم دیکھتے ہیں
 فغاں مجھ مست بن پھر خندہ قفل نہ ہوگا یہ مئے گلگوں کا شیشہ پھکیا لے کے روٹکا
 جاے ہے جی نجات کے نعم میں دل ایسی جنت گئی جھنم میں
 صبح تو جام سے گذرتی ہے شاہ عالم آفتاب شب دل آرام سے گذرتی ہے
 عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گذرتی ہے
 یہ اشعار شاہ عالم کی جوانی کے وقت کے ہیں بڑھاپے میں انھیں بہت بُرے دن دیکھنے
 پڑے یہاں تک کہ بصارت سے بھی محروم کئے گئے دنیا جائے عبرت ہے !

تردمانی پہ شیخ ہماری نہ جائیو برورد دامن پھوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
 سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف دل جس کے ہاتھ آئے جام سوچم ہے
 کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند برسوز جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج
 لگا کے برف میں ساقی صراحی مے لا انشا جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
 تب عالم مستی کا مزہ ہے کہ پڑی ہو دل گرہن پہ مری اس بُت مخمور کی گردن
 گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ بیجئے دل زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں
 کچھ بھی کیفیت گراں میں ہو تو یہ خفیہ پوش راسخ سحر و سجادہ رہن ساغر و صہب اکریں
 اک ہاتھ میں گردن ہو صراحی کی مزا ہے سمجھی اور دوسرے میں ساقی مخمور کی گردن
 گلابی رو برو ہے اور جسم میں موتی طواف بس اب جام سبو ہے اور ہم ہیں
 یہ کیا جی میں لہرائی کہ موتی کنار آب سبو ہے اور جسم میں
 تمیز چاہئے عادت کے شرط اس کے لئے — انارٹیوں سے نہ جنت میں مے کشی ہوگی

لالہ وگل کا جوش ہے بلبلوں کا خودش ہے
 فصل و دایع ہوش ہے موسمِ نائے خودش ہے
 اے فلک کچھ تو اثرِ حسنِ عسل میں ہوتا آتش شیشہ اک رات کو قاضی کی بغل میں ہوتا
 کام ہے شیشے سے ہم کو اور ساغر سے غرض
 مست بہتے ہیں شرابِ لوح پر ور سے غرض
 شیشے رہیں شراب کے آٹھوں ہر کھلے دلہ ایسا گھرے کہ پھر نہ کبھی اُتر کھلے
 بہار آئے الہی چمن پری ہو جائے زند یہ زرد زرد ہر اک شے ہری ہری جائے
 پیتا نہیں شراب کبھی بے وضو کئے اگر آں قالب میں میسے روح کسی پار سا کی ہے
 اندے گمراہی بت و تجا نہ چھوڑ کر موتن موتن چلا ہے کتبے کو اک پار سا کے سا
 ہم کو طوفِ حرم میں یاد آیا تسکین لڑ کھڑا نا شراب خانے کا
 محفل میں شورِ قلقلِ مینا بے مل ہوا ذوق لاساقیا شراب کہ توبہ کا قتل ہوا
 زاہد شراب پینے سے کافر ہو ایں کیوں دلہ کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا
 ابرو ہوا سے آئی ابھر پیشتر کی چوٹ بیمار لاساقیا شراب کہ سینکیں جگر کی چوٹ
 یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب غائب تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادِ خوار ہوتا
 کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں دلہ یہ سوئے ظن ہے ساقی کو تر کے باب میں
 غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی دلہ پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں
 کر رہا ہوں میں اُسے نامیہ اعمال میں نقل دلہ کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی
 پلائے اوک سے ساقی جو مجھ سے نفرت ہے دلہ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
 پھر دیکھئے اندازِ گل افشانی گفتار دلہ رکھ دے کوئی پیانہ و صبا مے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے ولا رہنے دو ابھی ساغر و مینا کے آگے
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن ولا دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے
وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشتِ عزیز ولا سوائے باوہِ گلہام و شکبو کیا ہے
مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو ولا اک گونہ بیخودی بٹھے دن رات چاہیئے
باغ ہو آب رواں ہو اور شبِ مہتاب ہو زبرہ ساقی ہوش ہونے ہو جلسہِ احباب ہو
نواب یوسف علی خاں ناظم (والہی رام پور)

واعظ و شیخ بھی خوب ہیں کیا بتلاؤں میں نے میخانے سے کس کس کو نکلتے دیکھا
موسم گل ہے اور بادِ بہار جھوق ساقی مایا و بادہ بیار
رہ کے مسجد میں کیا ہی گھبرایا ولا رات کاٹی خدا خدا کر کے
بچکیاں لے گلابیساں میں امانی دہوی بزم سے جب یہ میگسار اٹھا
منصوب کیوں نہ ہمکے ذرا غور کیجئے مصلحتیں تو ٹھٹھے کے پینے والے کو دیدی کڑی نرا
سب سے منہ لگائینگے اب اتنا صبر ہے کس کو اور پٹ پٹ جا کہ بھرنے خم سے مے شیشے میں اور شیشے سے غریب
ساغر ہمارے ہاتھ لبِ آب جو پیو ایر تہا جو مے پیو تو ہمارا لہو پیو
کچھ زہر نہ تھی شراب انگور ایر کیا چیز حرام ہو گئی ہے
یہ بجا کہ منع ہوگا رمضان میں آب و دانہ داغ یہ غضب کہ تین دن تک شیشے شراب ہرگز
لطفِ مے تجھ سے کیا کموں زاہد ولا ہائے بخت تو نے پی ہی نہیں
کوئی بزمِ وعظ سے کمتا گیا ولا ایسے جلسے بے شراب اچھے نہیں
پیوں گا آج ساقی سیر ہو کر ولا میسر پھر شراب آئے نہ آئے
ہم اگر مانگیں تو لے زاہد یہ بیشک ہے گناہ ولا بے طلب بھر کے کوئی رکھ دے جو ساغر مانے

پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزہ ہے یہ ^{بے پرواہی} شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے
 میکے میں روح زاہد کی کہیں آئی نہ ہو، چودہ دہوی کل نواک ساغر تھا غائب آج اک بول گئی
 فصل بہار، صحن چمن، یار سے بکھنٹا، اوسد کیوں زاہد و حرام ہے مینا شراب کا
 ہلکے روز ازل پیر خرابا کے ہاتھ اتنی غازی پوٹا، ہم ہوئے تم ہوئے یا اسی میخوار ہوا
 تندئی بادہ جلوہ میں ہے روزِ محشر، دلہ، ہم گدا یانِ درِ حیرتِ ابات کی رات
 نہ کبھی کے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ کیفِ شراب کا

دلہ

لب یار چوے تھے خواب میں وہی جوشِ مستی خواب کا

مستی میں کوئی راز جو اسی سے فاش ہو، دلہ، معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے
 روز پتیا نہیں پی لیتا ہوں گلے ہے — وہ بھی تھوڑی سی مزہ منہ کا بدلنے کیلئے
 لطف جب ہے کہ برسنے لگے میخانے پر — جھومتی قبلہ سے گھنگھور گھٹا آتی ہے
 کیا عجب ہے کہ صراحی بھی کرے سجدہ شکر — جھومتی قبلہ سے گھنگھور گھٹا آتی ہے
 میکشوں سے لے رہی ہے آج قدر انتقام — زاہدوں کے ہاتھ میں ہے میکے کا انتظام

مولانا عبدالرزاق خاں، طالب

ہاتھ میں جام لے لئے میکش منتظر ہیں خدا کی رحمت کے

میخانے میں کیوں یادِ خدا ہوتی ہے اکثر ریاضِ مسجد میں تو ذکرِ مے و مینا نہیں ہوتا
 اب تو ریاضِ پھول اُڑا ئینگے راتِ دن، دلہ، جو بن یہ لوٹتے ہیں عروسِ ہزار کا
 اتری ہے آسمان سے جو کل اُٹھا تو لا، دلہ، طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا
 بادل اُٹھے ہوئے تھے راتِ میخانے پر، دلہ، مہر خُم ٹوٹتے ہی ٹوٹ کے برسے کیا کیا
 میکے میں عید کے دن کوئی ایسا ہے نہیں، دلہ، ایک چلو دے کے لے لے تیس روزوں کا ثواب

تا صبح میکدے سے رہی بوتلوں کی بلنگ دل
 کیسی مے مول نو نگاج کا ثواب دل
 حشر تک یارب طفیلِ خدا مان مے فروش دل
 اٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانے سے ہو آئے دل
 سن کا یہ اقتضائے سہی دن تو ہیں ریاض دل
 محبت اور ان کا فربتوں سے دل
 جنابِ شیخ اُن بھکتے ہیں کس تعلق سے دل
 سنا ہے ریاض اپنی داڑھی بڑھا کر دل
 گلا بیٹھا ہوا خدمتِ ازاں کی وہ بھی کیسے دل
 ہم میکدے کو چھوڑ کے کعبے کے ہوڑے دل
 اچھی پی لی خراب پی لی دل
 عادت سی ہے نشہ ہے نہ اکبیت دل
 بیکیسی اس چھبسم کیا خوب دل
 نسخہ بیاض ساقی کوثر سے مل گیا دل
 یہ چھلکتا ہوا کیا جام شراب آتا ہے دل
 نشہ مے سے ذرا لطفِ شباب آتا ہے دل
 اپنی جو ٹھی جو کبھی مجھ کو پلا دیتا ہے دل
 بنائے کعبہ پڑتی ہے جہاں ہم خشتِ خم رکھ دے دل
 اک ہمیں ہیں جو بہک جاتے ہیں توبہ کی طرَن دل
 برسیں کہاں یہ کالی گھٹائیں تمام رات
 ہے کہاں حاجیِ ثواب فروش
 اک در توبہ کھلا رکھ اک دکان مے فروش
 پی آئے تو پھر بیٹھ ہے یا وحشِ دایں
 تم صبح و شام بھول اڑاؤ بہاریں
 ریاض اس عمر میں اس مفلسی میں
 یہ دختِ رز کے کوئی رشتہ دار بھی نہیں
 بہت آپ اللہ والے ہوئے ہیں
 بھلے سے ہم دبالائے تھے ناقوسِ برہن کو
 کعبے میں اس طرح کی مدارات بھی تو ہو
 جیسی پانی شراب پی لی
 پانی نہ پیا شراب پی لی
 کسی ظالم کی ظرافت ہوگی
 گھر بیٹھے اب توبہ کوثر بنائینگے
 اے میں قربان مرا عہد شباب آتا ہے
 یاد ہم کو کوئی بھولا ہوا خواب آتا ہے
 لب سا غریب ساقی کا مرزہ دیتا ہے
 جہاں ساغرِ شیکہیں حشمہ زمزم نکلتا ہے
 ورنہ زندوں میں بُرا چال چلن کس کا ہے

اے ساقی ذرا میری شراب تلخ تولانا ولہ
مے کو تر تو بالکل انگیس معلوم ہوتی ہے
میں رکھ لوں ریزہ مینا کوئل میں ولہ
اے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے
اتنی پی ہے کہ بعد تو بہ بھی ولہ
بے پئے بخودی سی ہتی ہے

بہ پاس خاطر زندان بادہ خوار برس عزیز
برس برس کے فن لے ابرو بہار برس
دعائیں مانگی ہیں ساقی نے کھوکھریں بسان
دست کرم ابرو جہلہ بار برس

بیتاب پی خدانے تجھے بھی دئے ہیں ہاتھ بیتاب رہو یہ ختم ہے یہ سب ہے یہ شیشہ یہ جام ہے
قطرہ قطرہ کا کیا جائیگا محشر میں حساب ثاقب باری ساقیا دیکھ چھلک جائے نہ پیمانے سے
کوئی اسی بھی ہے صورت تے صدقے ساقی جلیں
رکھ لوں میں دل میں اٹھا کرتے میخانے کو

سرستوں میں شیشہ مے لے کے ہاتھ میں اصغر
اتنا اچھا دیں کہ شرابیا کہیں جسے
اٹھا فے قید سب و شراب و ساغر کی بلند
اور ذرا کر مذاق زندان

اگر حد سے گزریں تو بے شک حیرام آزاد انصاری جو تھوڑی سی پی پی لی تو کیا ہو گیا
نہ آزاد میکیش نہ شاہد پرست ولہ
وہ کبخت بد نام ہے اور بس

رند ہوں اور رند پاک نہاد ولہ
مفتی پارسا نہیں نہ سی
وہ ارشاد واعظ کہ مے ترک کر ولہ
وہ میری گزارش کہ برسات ہے

قاضی ہو، شیخ وقت ہو، زاہد ہو، رند ہو
ہم دیکھتے ہیں مفت کی سب کو حلال ہے

کسی کو حشم سے غرض ہے کسی کو جام سے کام
قسم مغاں کی ہے ساقی کے مجھ کو نام سے کام

اٹھا لوں میں اگر ظرف و ضو پیمانہ ہو جائے شورش عظیم آبادی
نشر جانندہ اگر مسجد پہ ڈالوں اک نظر میخانہ ہو جائے

میں اور وہ نشہ میں بہم دست و پا ہیں صدم مخمور کی گردن پہ ہے مخمور کی گردن
کیا لطف ہو زانو پہ میرے سر جو نہم کا دلہ اور ہاتھ میں ہوشیشہ بلور کی گردن
میخانے میں جنت کا مزہ آج ہے حال دلہ شانے پہ میرے ہے بت مخمور کی گردن

میر تقی قاضی عبدالعزیز صاحب صادم نے شاعری کے متعلق ایک کتاب موسومہ
"اردو کا سب سے بڑا شاعر اور محسن" تصنیف کی ہے، اسی کتاب میں انہوں
نے اپنی غزل متعنی اور انشاء کی زمین میں بعض نئیافت، طبع ناظرین و ج
کی ہے یہ تین شعرا اسی غزل کے ہیں اور خوب ہیں :-

توبہ

بوقت گل خُدا را توبہ بشکن حافظہ کہ عہدِ گل ندارد استواری

سجود رکعت توبہ برب دل پُراز شوق گناہ

معصیت را خندہ می آید بر استغفارِ ما

من اگر توبہ ز مے کردہ ام اے ستر سہی بیگی تو خود ایں توبہ نہ کردی کہ مرا مے نہ دی

توبہ کر دم ز مے پرستی لیک جگر مراد آبادی ابرو باد و ہزار را چہ کنم

ہم نے کی ہے توبہ اور دھوئیں بھاتی ہے بہا مظرِ بانجنا ہائے کچھ چلتا نہیں بس مفت جاتی ہے بہا

مے سے توبہ کو تو مدت ہوئی لیکن قائم قائم بے طلب اب بھی حوصلے تو انکار نہیں

نہیں معلوم اب کی سال میخانے پہ کیا گزری یقیں ہمارے توبہ کرنے سیتی پیانے پہ کیا گزری

مری طاعت سے توبہ معصیت بھی کر کرتی ہے ذوق مری توبہ پہ توبہ توبہ استغفار کرتی ہے

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے بھرن کوئی لاشے در پیر معناس سے

کی ترکِ مے تو مائلِ پسندار ہو گیا داغ میں توبہ کر کے اور گنہگار ہو گیا
 بجلی نہ گر پڑے کہیں توبہ کی جان پر جلاں وہ ہنس رہے ہیں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے
 توبہ کرتے ہوئے آتا ہے یہ رہ رو کے خیال ریاض منہ مرا دیکھ کے رہ جائیگا ساغر بے سرا
 توبہ کر کے آج پھر پی لی ریاض دل کیا کیا کجخت تو نے کیا کیا
 توبہ کرتا ہوں میں دم نزع دل لٹی ہے کمائی عمر بھر کی

توبہ لب پر وعظ سے بے اختیار آنے کو تھی
 وہ تو کہنے بیچ گئے فصل بہار آنے کو تھی

جوشِ مے اور سبزہ زاروں میں گھٹا چھائی ہوئی دل بات یہی ہے کہ توبہ بھی ہے لپجائی ہوئی
 جامِ مے توبہ شکن توبہ مری جام شکن دل سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیانوں کے
 ریاض توبہ نہ ٹوٹے نہ میکدہ چھوٹے دل زباں کا پاس ہے وضع کا نباہ رہے
 بادل گرجے، بجلی چسکی — میسنہ کے ڈر سے بھاگی توبہ

تجھ کو زائد نے نہ دیکھا تو نباہی توبہ — تو تو وہ توبہ شکن ہے کہ الٹی توبہ
 مے شباب کی توبہ پہ جانے اے وعظ حیفِ جو نوزائشے کی بات نہیں اعتبار کے قابل
 بعد توبہ کے بھی دل میں ہے یہ حسرت باقی رسوا دے کے قسمیں کوئی اک جام پلا دے ساقی
 توبہ کے توڑنے میں یہ تپھر سے کم نہیں جلیں نازک ہے دیکھنے میں جوشِ شراب کا
 رات دن دونوں کھلے رہتے ہیں نلکوں کیلئے دل در توبہ ہو کہ در ہو کسی میخانے کا
 اب غرق ہوں میں آٹھ پرے کی یادیں دل توبہ نے اور مجھ کو گنہگار کر دیا
 ساقی پھر آ رہی ہے گھٹا آسمان دل بجلی گرے گی پھر مری توبہ کی جان پر
 توبہ سے مٹنے لگا کے محل ہو گئے تم جلیں دل جام و سب سے آنکھ ملائی نہ جلے گی

توبہ تو کر چکا تھا مگر کیا کموں جسیل دلہ
 کالی گٹھا کو دیکھ کے نیت بدل گئی
 خیر توبہ کی ہو یا رب کہبت توبہ شکن دلہ
 دست نازک میں لئے جام شراب آتا ہے
 توبہ تو ہم بھی کریں بھی شیخ جی مگر بسمل دہوی
 نبھتی ہمیں نظر نہیں آتی شباب میں
 توبہ تو کی غمی اعظا تجھ سے مگر کیا کیوں اتھر
 آج ذری سی پی گیا ابرہہ سار دیکھ کر
 شیشہ اٹھا کے طاق سے ہم نے حسن
 طاق پہ رکھ دی ساقی توبہ
 پھر وہی ہم ہیں ہی شیشہ وہی پیما ہے ناطق گلاٹھی
 توبہ کیا ہے زندگی اک لہرِ شمسانہ ہے
 نبھ تو جائے توبہ گرمی میں مگر جوہر
 سوچتا ہوں سامنے برسات کے
 شکستِ توبہ کی تقریب میں جھک جھک کے ملتے ہیں بیم شاہ
 کبھی پیمانے شیشے سے کبھی شیشے سے پیمانے دارنی
 ایسی توبہ سے تو میخوار ہی رہنا تھا اثر لکھنوی
 دل پہ اک ہاتھ ہے اک ہاتھ میں ساغر ٹوٹا
 ہم نہیں آنے کے واعظ تھے بھکانے میں جگر آباؤ
 اسی میخانے کی مٹی اسی میخانے میں
 ہے آمد و رفت اپنی اُس بزم میں روز آفتاب
 اک در درِ توبہ ہے اک در درِ حینانہ
 توبہ پر دربار ہو کر تے ہی بنی غار
 رحمت کی چھیڑ چھاڑ نے مجبور کر دیا

مضامین مختلف

ہمہ اوست

درپردہ و برہمہ کس پر دہ میدری اوستی باہر کسے و باتو کے را وصال نیست
 شکل حکایتیت کہ ہر ذرہ عین اوست فغانی انامی توان کہ اشارت با و کنف
 گہ سرو گئے سنبل و گہ یاسمنے سرد گہ کوہ و بیابان و گہے چمنے
 گہ نور چراغے و گہے بوئے گلے گہ در چمنے و گاہ در انجمنے

ذرات جہاں آئینہ جلوہ یاراند نامرعی یک صید بصد دامن سکار است بینید
 اے لبالب از سئے شوق خم اندیشہا ————— یک پریزاد است پنہاں در ہزاراں شیشہا
 شفیہ ام بہ صنم خانہ از زبان صنم نیاز صنم پرست صنم گر صنم شکن ہمہ اوست
 رساند مطرب خوشگو ہمیں صدا در گوش کہ چوب تار و صدائے تن تن ہمہ اوست
 ہر اک صورت میں تجھ کو جانتے ہیں قائم ہم اس بہر وپ کو پہچانتے ہیں

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کیئے
 بات کہنے کی نہیں ہے بحث کیا کیئے

اسی غازی پوری

جیسے ہر شے میں خود ہی وہ ہے جلوہ گر عارف بیاوی اللہ اللہ ! مرا اعتبار نظر

ہر ذرہ جب کہ آئینہ اُس جلوہ گر کا ہے

دلہ

ایسے میں کیا سوال فریب نظر کا ہے

اللہ کی بارگاہ میں گزارش

من بندۂ عظیم رضائے تو کجا نیام تاریکِ لم نورِ صفائے تو کجا
 مارا تو بہشت اگر بطاعت بخشی ایں مُزد بود لطفِ عطاءے تو کجا
 پُر خوں زِ فراقِ جگرے نیست کہ نیست دل شیدائے تو صاحبِ نظرے نیست کہ نیست
 با آنکہ نداری سرِ سوداے کسے سودائے تو در پیچِ سرے نیست کہ نیست
 لے واقفِ اسرارِ ضمیرِ ہمہ کس دل در حالتِ عجزِ دستگیرِ ہمہ کس
 یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر لے توبہ دہ و عذر پذیرِ ہمہ کس
 یارب بہ دلِ اسیرِ من رحمت کن دل بر سینہٗ عسَم پذیرِ من رحمت کن
 بر پائے حسدِ بات روئے من بخشے بر دستِ پیالہ گیرِ من رحمت کن
 ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ خرد نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
 بہر لنگے کہ خواہی جامہ می پوش جانی من اندازِ قدتِ رامی شناسم
 آنا کہ وصفِ حُسْنِ تو تقریر می کنند عرفی خوابِ ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند
 تو کریمِ مطلق و من گدا چہ کنی جز ایں کہ خویم بیدل
 در دیگرے بنا کہ من کجا روم چو بر انیم
 فارغ از ہر دو جہاں بندۂ احسان تو ام میراثم علی ہر آسرو آزادم و پابندِ گلستان تو ام
 گزئی شتاقِ عرضِ تنگاہِ حُسنِ خویش غالب جاں فدایت دیدہ را بہر چہ بینا کردہ
 راز است گر دلی بجائے شکستہ دل داد است گر سرے بہ سنائے نہاد
 دوزخ بدایعِ سینہ گدازے نہفتہ قلم بہ چشمِ اشکِ فشانے نہاد

حیف کہ من بخونِ تم وز تو سخن رود کہ تو دلہ
 ایں چہ افسوں چہ نیرنگیت اے حسنِ غنویں —
 روم را ہے کہ اور امن کے نہ نیت اقبال
 من از غمہا نمی ترسم ولیکن
 حرم جو یاں دے رامی پرستند دلہ
 برا گلن پردہ تا معلوم گرد
 تو غنی از ہر دو عالم من فقیر دلہ
 در حسابم را تو بینی ناگزیر
 در سینہ من دے بیاسائے دلہ
 الٰہی ہے سکتِ نعم البدل کے تجھ کو دینے کی سودا
 خواہ کبے میں تجھے خواہ میں تجھ ناے میں دلہ
 جلوے تمہارے جس کے نت ہیں پیہم کہاں پاکباز
 کہیں کہیں نہ عد دیکھ کر مجھے محتساج وزیر
 اذان کبے میں نا قوس دیر میں پھونکا برق
 اب تو باتیں بھی ہو گئیں مفقود رشک
 جان دی دی ہوئی اُسی کی تنہی غالب
 نقل کرتا ہوں اے نامہ اعمال میں میں دلہ
 کریم جو تجھے دنیا ہو بے طلب دیدے ایس
 تے بندوں سے کہتے ہیں بت دعویٰ خدائی کا امیر
 اشک بدیدہ بشمری آہ بہ سینہ بنگری
 دیدہ بخشیدی و محروم تم سا شاکر دہ
 از اں تھنے کہ ریزم حاصلِ نیت اقبال
 مدہ آں غم کہ شایانِ دلِ نیت
 فقیہاں فقرے رامی پرستند دلہ
 کہ یاراں دیگرے رامی پرستند
 روز محشر عذر ہائے من پذیر دلہ
 از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر
 از زحمت و کلفتِ خدائی دلہ
 مجھے اس کا عوض تو کچھ نہ دے پر پھر دے دل کو
 اتنا سمجھوں ہوں مے یار کہیں دیکھا ہے دلہ
 تم تو سچن ہمیشہ ہو افسوس ہم کہاں پاکباز
 یہ اُس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں وزیر
 کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا برق
 ارنی ہے نہ لن ترانی ہے رشک
 حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا غالب
 کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے توسی دلہ
 فقیر ہوں یہ نہیں عادتِ سوال ایس
 تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبر بانی کا امیر

کسی کا مجھ کو نہ محتاج رکھ زمانے میں داغ کمی ہے کونسی یارب تمہے خزانے میں
 لاکھ دینے کا ایک دینا ہے دل بے مدعا دیا تو نے
 حُسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا ہو اتنی غازیو کا سچ ہے تجھ سے دلربا کو لطف تنہائی نہ
 جن میں چرچانہ کچھ تمہارا ہو دل ایسے اجاب ایسی صحبت کیا

تمہیں سچ سچ بتاؤ کون تھا شیریں کے پیکر میں
 کہ مُشتِ خاک کی حسرت میں کوئی کوہ کن کیوں
 دل عندلیب یہ شق نہیں گلِ دلالہ کا یہ ورق نہیں
 میرے عشق کا وہ رسالہ ہے تمہے حُسن کی یہ کتاب

بُت کریں آرزو خدائی کی — شانِ بہ تیری کبریائی کی
 غم دیا ہے کہ مسرت دی ہے آرزو کھنڈی سب میں اک طرح کی لذت دی

صہبائے خوشگوار بھی یارب کبھی کبھی افسر اتنا تو ہو کہ تلخی غم بے مرزہ نہ ہو
 تو برقِ حُسن اور تجلی سے یہ گریز دل میں خاک اور ذوقِ تماشا لے ہوئے
 کب یہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے گنہگار نہیں حسرت ہاں مگر اتنی جھاکے بھی سزاوار نہیں
 ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت دل اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے
 کبھی اے حقیقتِ نظر نظرِ آباں مجازیں اقبال کہ ہزاروں سجدے تڑپ ہے ہن مری حسین بایں
 نہ کہیں جہاں میں ایں ملی جواں ملی تو کہاں ملی وہ مے جرم بٹے سیاہ کو تمہے عفوِ بندہ نوازیں
 خدائی اہتمامِ خشک تر ہے دل خداوندِ خدائی دردِ سر ہے

ولیکن بندگی استغفر اللہ یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے
 ہاتھ پھیلانے میں محتاج کو غیرت کیلے جوہر شرم اس کی ہے کہ بندہ ترا کہلاتا ہوں

بھلوں کے بعد بُروں پر بھی ہونگا کرم دلہ کہ تیرے بندوں میں پروردگار ہم بھی ہیں

کیا نہ ہوگی میری حاجت روا دلہ جس کا مولا قاضی الحاجات ہے

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دے دے بیم شاہِ واٹی کہ مجھے شکوہ کوتاہی داماں ہو جائے

کوئی حرم سے دیر سے منسوب ہے کوئی ساحر اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں جسے

منہجِ زندگی کے دینے والے یہ تو سمجھا دے اسی الدنی کہ اتنا بوجھ سر پر رکھ کے لے جانا کہاں ہوگا

جرمِ آزادی میں قہ نے پھونکی عبوری کی روح فانی خیر چو جا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

فانی زار پر کرم تیری رضا کے ہے سپرد دلہ ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں نہیں سہی

یارِ تری رحمت سے یاس نہیں فانی دلہ لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کیئے

سارا عالم تم سے جلوے کا حسریدار بنا بیدلِ عظیم آبادی لائے اُس حُسنِ گرِ نایاب کا ارزاں ہونا

اس مکاں کا کہیں کہیں نہ ملا احمد نہ ملا ہائے وہ کہیں نہ ملا

تم سا کوئی ہمد کوئی دمساز نہیں ہے مجذوب ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

اے خالقِ غم سوز تھے ساز بھی دیئے سراج آنسو ہیں مگر دامنِ جانانہ نہیں ہے

تری ہستی سے منکر ہوتے جاتے ہیں جہاں والے ملا سنبھال اپنی خدائی کو اے او آسمان والے

کچھ دردِ محبت کا اُس کو بھی دیا ہوگا امید کیا اے مے رب تو نے ایسا بھی کیا ہوگا

کبھی کبھی کو گیا اور کبھی تجھ نے کو سیدِ ذکر اللہ حشر جتو تھی تری کیا کیا ترے دیوانے کو

اک محبت تھی مٹ چکی یارب اخترِ برافانی تیری دنیا میں اب دھر کیا ہے

کچھ نہیں اختیار میں پھر بھی احسانِ عظیم گدھڑا میری قصور مرا

تیری نظر کے فضل سے اُن مشکوں میں ہوں احسانِ دہش جن مشکوں کو تو بھی اب آساں نہ کر سکے

مجھے دیکھا نہیں ہے پھر بھی تجھ سے قرشیرِ دانی مری اکثر ملاقاتیں رہی ہیں

تیرے گناہگار گنہگار ہی سہی مجاز تیرے کرم کی آس لگائے ہوئے تو ہیں
میرے ہونٹوں پر سیم میے دل میں ٹائے ٹائے نجسم تجھ سے مالک حال میرا کیسے دیکھا جائے ہے

جواب بارگاہِ ایزدی

ذوقِ دارم بہ بازیہائے تو مولانا روم خوش نماید گریہ شبہائے تو
میرے ایک کرم فرما پہلے مصرعے کو یوں پڑھتے تھے: ہ

ذوقِ دارم بہ یارب ہائے تو

کلیم و طور

نکتہ داریم و بایاراں نمی گوئیم فاش غالب طالب دیدار بایہ تاب دیدار آورد
نیم موسیٰ نعتاب از چہرہ بردار اقبال نمی آید خوشم ایں کن ترانی
عام ہے یار کی تجسلی میر سیر خاص موسیٰ و کوہ طور نہیں
نور تھا یا شعلہ تھا یا برق یا خورشید تھا منار چنڈا کچھ تو اے موسیٰ کہو کیا تھا وہ جلوہ طور کا
اے برق حسن یار یہ کیسا ظہور تھا سیر دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طور بھٹا
اللہ اللہ سوز عشق یار کا اتنا اثر — میں ابھی تک جل رہا ہوں طور ٹھنڈا ہو گیا

ہم اڑ کر بھی نہ پہنچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا
مبارک شاخ گل کو شاخِ نحس طور ہو جانا
ریاض

کلیم جا کے جہاں ہوش اپنے کھو آئے دل وہاں تو روز ہم آنکھیں لڑانے جاتے ہیں
کلیم آئے تو کھل کے جلوہ دکھایا دل ہم آئے تو پردے سے باہر نہ نکلے

لگا کے کان ذرا ہم بھی دور سے سُن لیں ولا کلیم سے یہ سِرِ طو گفت گو کیا ہے
 مزے لوٹو کلیم اب بن پڑی ہے ولا بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے
 دبی زبان سے میرا بھی ذکر کر دینا ولا کلیم طور پر اُن سے جو گفتگو آئے
 سِرِ طور ایک برقِ حُسن لہرائی نظر آئی دل ذرا شوخی سے جھٹکا تھا کسی نے اپنے نام کو
 طو پر اُن کی نگاہ گرم تھی جیسی نہ تھی صفہ کچھ نہ بولے ہم مزاج یا ہر ہسم دیکھ کر
 ابھی تک کہ رہا ہے ذرہ ذرہ دُشمنِ ایمن کا تیس قیامت ہے قیامت جلوہ جاناں کی غریبی
 لن ترانی سُنیں جنابِ کلیم ولا کیجئے اور گفتگو مجھ سے
 آخر کلیم سُننی پڑیں لن ترانیاں ولا اب بھی کہو گے عجز گدایا نہ چاہیے
 احترام بے حجابی ہائے حسنِ دوست تھا جیسا کہ تیری لوگ یہ سمجھے کہ موسیٰ طور پر بہوش ہے
 ہم اگر ہوتے تو دیتے لن ترانی کا جواب طالبِ پوری ہم سے وہ آنکھیں لڑاتے توڑ سکے تھے ہم

محمود و ایاز

بارِ دلِ مجنون و حُسنِ طرہ لیلے حافظ رُخسارِ محمود و کھن پائے ایاز است
 کسے این معنی نازک نہ اند جبر ایاز اینجا اقبال کہ مہرِ غزنوی افروں کند در و ایازی ا
 بہ متلع خود چہ نازی کہ بہ شہرِ درمنداں ولا دلِ غزنوی نیز ز بہ تبسمے ایازے
 نہ وہ عشق میں ہیں گر میاں وہ حُسن میں رہیں خیاں
 نہ وہ غزنوی میں اِن ہے نہ وہ خم ہے نہ لعلِ ایازیں ولا
 جادوے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
 دیکھتی ہے حلقہ گردن میں سازِ دلبری ولا

جو بہارِ عشق ہو دیکھنا کبھی عنزِ نوری نہ نگاہِ جوش کہ شمیم گلشنِ خسروی بے تباہ کوئے یازیں

منصوہ

حضرت منصوہ آنا بھی کہ ہے ہیں حق کے ساتھ اگر آبادی دار تک تکلیف فرمائیں جب اتنا ہوش ہے

بچپن

آں بہارِ عمر کو سودا بہ ایامے کہ من سودا صبح میر تم سوئے مکتبِ گلستاں در بغل
ایسری عشق کو منظور تھی میری لڑکپن میں پٹ پٹاں پٹ پٹاں طوقِ منت کے بہانے میری گردن میں
ایسری خیمہ عہدِ شباب کر کے مجھے کہیں کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے
حمید اک خواب تھا بچپن مگر جب یاد آتا ہے حمید تو پھروں بیٹھ کر ہم شام کی ظلمت میں رہتے ہیں

جوانی

چوں چینیں است جوانی چہ امید از پیری آزاد ہدانی صبح اگر تیر ہو د شام چہ خواہد بودن
پار سائی اور جوانی کیونکہ ہو یکنگ ایک جاگہ آگِ پانی کیونکہ ہو
سب کرشمے تھے جوانی کے جوانی کیا گئی امیر وہ انگلیں مٹ گئیں وہ ولولہ جاتا رہا
کیا کہئے کس طرح سے جوانی گذر گئی داغ بدنام کرنے آئی تھی بدنام کر گئی
رہتی ہے کیا بہارِ جوانی تمام عمر مانند بونے گل ادھر آئی ادھر گئی
گو جوانی میں تھی کجرائی بہت حالی پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت
ابتلائے شباب اے آفت آفت ہاے وہ بھی عجب زمانہ تھا

کچھ نہ پوچھو شباب کا عالم — کیا کموں کچھ عجب زمانہ تھا
 کیا گیا عہدِ نو جوانی کا — اٹھ گیا لطفِ زندگانی کا
 جوانی بھی عجب شے ہے کہ جب تک نشہ ہے اس کا

شاعر

مرہ ہے سائے پانی میں شرابِ ارغوانی کا
 نہ دُنیا کا غم تھا نہ عجبے کا کھٹکا بخود دہلوی جوانی مجھے یاد آتی ہے کیا کیا
 پچھلے پہر اٹھ اٹھ کے دعائیں ناکِ گڑنی سجدتِ سجده
 جو نہیں جائز اُس کی دعائیں اُسے جوانی ہائے زمانے

شاعر عظیم آبادی

جانا تھا کہ آنا تھا جوانی کا الہی ریاض سیلاب کی تھی موج کہ جھونکا تھا ہوا کا
 دُنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر دل کس نوک کا جو ان ہے کس آن بان کا
 دھل چکی ہے اب جوانی جاہلی دل یہ شرابِ ارغوانی جاہلی
 موت سے بدتر بڑھاپا آئیگا جان سے اچھی جوانی جاہلی
 ریاض اب کہاں وہ جوانی کا عالم دل گلے سے لگاتے جو ملتی جوانی
 کیا چھلکتا یہ کوئی جامِ شراب آتا ہے دل لے میں قربان مرا عہدِ شباب آتا ہے
 بس ایک رات کا مہماں شباب ہوتا ہے — غروبِ صبح کو یہ آفتاب ہوتا ہے
 منہ پھیر کے یوں چلی جوانی جلیں یاد آگیا روٹھنا کسی کا
 سکونِ قلب کی ہمت کہاں دنیائے فانی میں — بس اک غفلت مٹی مع جاتی ہے وہ بھی فوجانی میں
 جوانی ہے تو ذوقِ آرزو ہے لطفِ ازل اقبال ہمارے کھر کی آبادی قیامِ میمان تک ہے
 عہدِ شباب ہو کہ ہو موسمِ بہار کا ولایت یہ عمتبار کا ہے نہ وہ عمتبار کا
 اچھا تھا وہ شباب کہ کچھ سوچتا نہ تھا نادر اب ہر قدم پہ خوفِ نشیب و فراز ہے

ہر چیز پر بسا رتھی ہر شے چسپن تھا سیما دنیا جوان تھی مے عہد شباب میں
 ہاے سیما اُس کی مجبور دل جس نے کی ہو شباب میں توبہ
 لطف کے دو ایک دن تفریح کی دو ایک رات جوش لے جوانی تھی تری لے دے اتنی کائنات
 بھر بھی تیرا وہ سبک پرواز عہد مختصر خندہ زن ہے آج تک عمر سیح و خضر پر
 وقت کی سعی جفا پر بڑھ کے پانی پھیسے اُن نوں کے چند لمحے لے جوانی پھیسے
 مئے رنگیں تھا سادہ پانی بھی دل کیا چیسر تھی جوانی بھی
 لکھی جائیگی کتابِ دل کی تفسیر بہت عابد ہو گئی اے خوابِ جوانی تیری تعبیر بہت

پیری

نخلِ قدرت ظہیرِ پیری خمیدہ نیست تیرا بانی و احترانگہ گشتہ ز بارِ گناہ کج
 درینا کہ عہدِ جوانی نہا سدی جوانی لگو زندگانی نہا
 عزیزا نو بہارِ عمر بگذشت حافظ چو بر طرفِ چمن با و باری
 چوں پیر شدی حافظ از میکہ پیڑا دل رندی و ہوساکی در عہد شبابِ اولی
 چشمِ عبرت باز کن گر دید چوں ہویت سفید صائب گذراں در خوابِ غفلت این شبِ نہا
 خمیدہ پشتِ اں گردند پیرانِ جہانیدہ کہ اندر خاک می جویند گم گشتہ جوانی را
 گر رود عشق از مزاجِ پیر لذت کے رود بوسے مے باقی بود چوں شکنی پیمانہ را
 فروغِ شعلہٗ ادراک در پیریت کم پیدا غنی بوداں معنی پنہاں ز شمعِ صبح دم پیدا
 مئے سرگردم سفید اما خیالت در سراست دل اخگر پنہاں تیراں تو دہ خاکستر است
 جوانی مہنس کے کاٹی اب پلک پر اشک چکے ہے راسخ جورات آخر ہوئی نکلا ستار صبح پیری کا

آزاد لکھتے ہیں کہ رائج سودا کے پاس شاگرد ہونے کو آئے، سودا نے کہا کوئی شعر سنائیے
رائج نے یہ شعر سنایا: سہ

ہوئے ہیں پیراب ہم دیدنی رونا ہمارا ہے پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا،
سودا نے اٹھ کر گلے لگایا،

محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے میرا اثر ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی
وقت پیری شباب کی باتیں ذوق ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں
شباب کی وہ کہاں تاک جھانک پیری میں صبا یہ آنکھیں ہیں مٹی لیکن وہ دیکھ بھال نہیں
یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ — یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ
آگئی پیری جوانی ختم ہے — صبح ہوتی ہے کہانی ختم ہے

غور اب کیا بڑھیکا خم ہوے اس رچ پیری میں
ہم اپنے سر کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگاتے ہیں
پیائے صاحبِ رشید

شکں چہرے نقشِ پائے طاؤس جوانی ہے امیر جو چہرہ ارغوانی تھا وہ چہرہ عسمرانی ہے
چاندنی پچھلے پہر کی کب تک محسن روشنی شمعِ حسد کی کب تک
خوابِ راحت میں لذت تیرے لیے پیری نہیں حالی جو جوانی میں مزہ دیتی تھیں شب بیداریاں
محبت اور ان کا مسرتوں سے ریاض ریاض اس عسمر میں اس مفلسی میں
سنا ہے ریاض اپنی داڑھی بڑھا کر ولہ بہت آپ اللہ والے ہوئے ہیں
ریاض اب شکل بھی بدلی مذاق طبع بھی بدلا ولہ یہ سن کا ہے تقاضا جو خیال خور آتا ہے
کے دن ہوئے شباب کو خصلت کئے ہوئے ولہ اے ذوقِ معصیت ابھی تو بہ گناہ ہے
کیا پوچھتے ہو باتیں پیری میں جوانی کی ولہ وہ اور زمانہ تھا یہ اور زمانہ ہے

س پیری بھی تمام ہونے آئی جگر آد آبادی دن ڈھل چکا شام ہونے آئی

پی تو لیتا ہوں مگر پینے کی وہ باتیں گئیں
وہ جوانی وہ سیہ مستی وہ برساتیں گئیں

حفیظ جالندھری

وطن

سعدی یاحبت وطن گرچہ حدیثے مست صحیح ستوی نتواں مُرد بہ سخی کہ من آنخا زادم
ہو وطن میں خاک میسے گو ہر مضمون کی قدر ناسخ لعل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر
گھر بار سے کیا فقیر کو کام پتہ دیا نکلتیم کیا بچے چھوڑے گاؤں کا نام

ہم نے جب وادی غربت میں قدم کھاتھا وحید دُور تک یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو
وہ یاد وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی اخلاق کچھ داغ کلبجے میں میں کچھ پائوں میں پھالے
گو بہت کچھ بچ یا ران وطن سے تھا مگر شبلی آنکھ میں آنسو ولے وقت سفر آہی گیا
وطن میں آنکھ چراتے ہیں ہم سے اہل وطن وحشت تپتے رہتے تھے غربت میں ہم وطن کے لئے
یاد وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دو جو ہر جاتی نہیں ہے بوجے چمن کیا چمن سے دو
وطن کی یاد مٹتے مٹتے مٹ جاتی ہے غربت تلک چہز حرم قفس میں تابش داغ فراق آئینا کب تک
گلستان وطن میں آئی ہے کیسی بہار اب کی دل عنادل کی نوا سخی فضاں معلوم ہوتی ہے
فانی دکن میں آکے یہ عقدہ کھلا گھم فانی ہندوستان میں رہتے ہیں ہندوستان سے دور

غربت

آنقدر روز ازل تیرہ نصیب سم کر دند امانی تیرگی می طلبد شامِ غریباں از من

امانی زیب النسا کی ایک کینز کا نام تھا،

نظر تیر نے کیسی حسرت سے کی میر بہت روئے ہم اس کی نصبت کے بعد

کل جا کے ہم نے میر کے در پر بناؤا ولہ مدت ہوئی کہ یاں وہ غریب الوطن نہیں

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر آتش ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ولہ ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غائب غالب تم محو بے مہر ی یاران وطن یاد نہیں

درو دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں واجہ علی شاہ خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

چھالوں کو جہاں دشت میں میں چھپڑتے کانٹے سب بھٹ کے رویتے ہیں غربت بھی ہے کیا خیر

شگفتگی کے ہوں ساماں ہزار غربت میں اتیر پر ایک سی ہے خزان بہار غربت میں

دیدنی تھی ہم سے اماندوں کی شان سیکسی آرزو لکھنوی دوز تک مڑ مڑ کے اہل کارواں دیکھا کئے

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی حسرت جو روشنی کہ شام سواد وطن میں تھی

رورو کے ایک ایک قدم بڑھ رہا ہوں میں قانی ہنستی ہے مجھ پہ دوری مسنزل جگہ جگہ

گردش وہی یہاں بھی تو چرخ گن میں تھی ولہ غربت میں بھی ہی ہے جو قیمت وطن میں تھی

اک تم کہ مہر و ماہ وطن سے ہو شاد کام

عباس سہانی

اک وہ کہ جس کی شام کہیں ہے سحر کہیں

بیابان

عالمگیر بحیثیت شاہزادہ بھی زاہد خوشگ مشہور تھا، مگر صاحبِ مُراۃِ انخیال کے بیان

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پہلو میں بھی محبت بھرا ہوا دل تھا، اس کی ایک حرم

کا انتقال ہو گیا جس سے اُسے بہت محبت تھی، انتقال کے چند دن بعد وہ شکار کے لئے نکلا، نواب عاقل خاں سمراہ تھا، اس نے عرض کیا اس صدمے کی حالت میں شکار میں کیا مصلحت ہے؟ جواب میں شاہزادے نے یہ شعر پڑھا :۔

ناہائے خانگی دل راتسلی بخش نیست در بیاں می توں فریاد خاطر خواہ کرد
عاقل خاں نے اپنا شعر عرض کیا :۔

عشق چہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود ، ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت

شاہزادے پر رقت طاری ہوئی، جب طبیعت ٹھکانے ہوئی، پوچھا کس کا شعر ہے
نواب نے عرض کیا، اس شخص کا جو نہیں چاہتا کہ بندگان عالی کے سامنے شاعری کا
دعوے کرے، شاہزادے نے شعر کو کئی بار پڑھوایا اور نواب کو منصب چارہزار
سے ہر فراز کیا،

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیسا گزری

راجہ رام نرائن موزون

نواب سراج الدولہ کی شہادت پر راجہ رام نرائن موزون صوبہ دار عظیم آباد نے یہ شعر فی البدیہہ
کہا تھا، کہنے کو تو یہ شعر ایک شعر ہے مگر اس میں نواب سراج الدولہ کی شہادت پر ایک ایسا
حسین و دلکش تفسیر ہے جس کا جواب ممکن نہیں،

آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد — نہ ہری دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد
تیز رکھو سر بہر خار کو اے دشت جنوں ہوس شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد
یاد آیا مجھے گھر دیکھ کے دشت یا سمن دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
یا سمن تخلص تھا چنبیلی کا جو اشار اللہ خاں کی کنیز تھی،

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا انیس تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا
 اُکھ کر خار دامن سے مرے کیا کیا پریشاں ہیں
 کہ اب دامن چھڑانا ہو گیا دشوار دامن سے

تھیر

یاد آتی ہیں جنوں سینہ ہوائیں اُن کی ریاض اب نہ وہ ہم ہیں نہ عالم وہ بیابانوں کا
 بیابانِ محبت دشتِ غربت بھی وطن بھی ہے — یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
 سر ہر خار کی تعظیم بگولوں کا ادب نہ تھا قیدیں اتنی ہیں بیاباں میں کہ زندان میں نہیں

گر و شش دوران

پردہ داری می کند بر طاق کسری عنکبوت — بوم نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب
 اعتمادِ نیست بر دو چرخاں حافظہ بلکہ بر گردون گرداں نیز مہم
 حافظہ نے جب اپنی اس زمین کی غزل جہاں خاتون کو سنائی تو اس نے فی البدیہہ

مندرجہ ذیل شعر کہا: —

حافظا میں مے پرستی تا بہ کے — مے ز تو بیزار مٹاں نیز مہم
 بہ باغِ دہر بہار و خزاں ہم آشوبش است — زمانہ جامِ بدستِ جوازہ بردوش است
 ز شرم آب شدم آبِ آشکتے نیست سقیم — بھیر تم کہ مرا روزگار چوں شکست

بہ ہر ساعت بہ ہر خطہ بہ ہر دم — دگر گوی می شود احوالِ عالم

بیک گردش چرخِ بیلوسری — نہ نادر سجا ماند نے نادر ی

اگر نادر یں کرام ناجی چاہے دوسرے معرے میں بجائے نادر و نادر ی کے قیصرِ فیوری

یا ہنر و ہنر ی کے الفاظ رکھ سکتے ہیں، نادر کے مظالم دیرینہ ہو چکے ہیں، قیصر اور

ہشکر کے مظالم حال کے ہیں اور اُن کی یاد تازہ ہے ،

از کف دشمن گرفتار جامِ را مومن می شناسم گردوشِ ایامِ را
ایکہ پنداری کہ ناچار است گردوں درِش غالب نیست ناچار آنکہ گردوں را بر قنار آورد
اس زمانے میں دوستی کا رنگ سجاد آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

خاکِ دُخوں میں صورتیں کیا کیا نہ رلیاں دکھیاں
اے فلک باتیں تیری کوئی نہ بھلیاں دکھیاں

اک آن اس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا بیر کیا جانے کہ میر زمانے کو کیا ہوا
یارِ اغیار ہو گئے افسوس دل کیا زمانے کا انقلاب ہوا
میری تغیر حال پر مت جا دل اتفاقات ہیں زمانے کے
گل گئے بوٹے گئے گلشن ہوئے برہم گئے دل کیسے کیسے ہائے اپنے دیکھتے موم گئے
یار کیوں غیر ہو گیا یہاں میر سوز کیا زمانے کا انقلاب ہوا
یارِ اغیار ہو گئے اللہ کیا زمانے کا انقلاب ہوا
ہر دم فزوں ہیں کج رویاں روزگار کی میر اثر کچھ سیکھنا چلا ہے روش میرے یار کی
جو ملا اُس نے بیوفائی کی متحقی کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا

مت میرے رنگِ زرد کا چرچا کہہ و کہیاں
رنگ ایک سا کسی کا ہمیشہ نہیں رہا متحقی

تقصیر اس میں کچھ تری لے آسمان تھی دل آسودگی نصیبِ دلِ ناتواں نہ تھی
دو روز ایک رنگ پہنچ جہاں نہیں ناسخ وہ کون سا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں
کرتا ہے مجھ سے ابلقِ آیامِ شوخیاں آتش پہچانتا نہیں مگر آسن سوار کا

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
 شام سے ناصبح مضطرب صبح سے ناشام ہم ایک حالت میں ہیں کیوں اے گردشِ ایام ہم
 جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی کیا شوخیاں ہیں اپنی بیل و نہار کی
 رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا
 اے تازہ وار دانِ باطِ ہوائے دل زہار اگر تمہیں ہوسِ نائے نوش ہے
 دیکھو مجھے جو دیدہٴ عبرت نگاہ ہو میری سنو جو گوشِ نصیحتِ نبوش ہے
 ساقیِ حبلوہ دشمنِ ایمانِ داگی مطربِ بنغمہ رنِ تمکینِ نبوش ہے
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہٴ رنِ نشاط دامانِ باغبان و کفِ کفروش ہے
 لطفِ خرامِ ساقیِ ذوقِ صدائے چنگ یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
 با صبح دم جو دیکھے آکر تو بزم میں نے وہ سرورِ دسور نہ خوشِ خوش ہے

۱۔ داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خوش ہے

سب کچھ آساں ہے تجھے گردشِ دوراں کرنا روزِ بیدار ایک شکل مری شکل کا ہے آساں کرنا
 آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں شیفۃ گلِ سینہ چاک اور صبا اضطراب میں
 کسی کی ایک طرح سے بہر ہوئی نہ انیس انیس عروجِ مہربھی دیکھا تو دوپہر دیکھا
 چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے شمعگارتی کوئی معشوق ہے اس پردہٴ رنگاری میں
 ستارہ ہے ایک ایک جلاذِ جس کا ہم اس آسماں کے ستارے ہوئے ہیں
 ملے خاک میں جو رگر دوں دوں سے مشتری مکیں کیسے کیسے مکاں کیسے کیسے
 اُس کو مٹائے دیتی ہے بیدادِ آپ کی داغ اب کیجئے کرم ستم روزگار پر

پڑا فلک کو کبھی ٹل جلوں سے کام نہیں دلا جلا کے اکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں
 لطف بھی کرتا ہے یہ سدا بھی دلا آسمان گویا مزاج یار ہے
 شاگرد ہے کس کا فلک پرستم میں آئی غازی پوری گردش میں اُستاد ہے تفتدِ ہماری
 اب نہ وہ تم ہے نہ ہم افسوس حشر کیا زمانے کا انشتاب ہوا
 فلک نے اُن کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں

اقبال
 خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے
 کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی چکست واللہ وہ زمین نہیں آسمان نہیں
 پیسہ دے وہ رنج کہ انسان بنا دیا رواں منت پذیر ہوں ستم روزگار کا
 کلی جس جا پہ کوئی کھل رہی ہے جگر مراد آبادی وہیں اک پھول بھی مہجرا رہا ہے
 ہم اہل ظرف گوارا یہ عار کیا کرتے رزم شکایت ستم روزگار کیا کرتے

جبر و اختیار

یاں کے سفید سیاہ میں ہم کو ظن جو ہے سوتا ہے تیر رات کو رو رو صبح کیا دن کو جوں تو شام کیا
 ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی جو چاہیں سو آپ کریں ہم کو فقط بدنام کیا
 چلا عدم سے میں جبراً تو بول اٹھی تقدیر ناسخ بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا
 کچھ عجیب رواداد ہے انسان کی رواداد بھی رواں سو ہیروں کا اسیر آزاد کا آزاد بھی
 زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں فانی ہاے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں
 فانی ترے عمل ہر تن حشر ہی سہی درہ سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں
 نگلشن تصویر میں تھے طاہر تصویر ہم دلا کیا کہیں کیونکر ہے مجبور بھی آزاد بھی

گناہگار کی حالت ہے رحمِ قابلِ وُد غریبِ شکستِ جبر و اختیار میں ہے
یہ مختصر سی داستان ہے جبر و اختیار کی سہیل کرشمہ ساز کوئی ہو خطا گناہگار کی

عصیان

شرمندہ از انیم کہ در دیرِ مکافات — اندر خورِ عفو تو نہ کر دیم گناہ ہے
تر دامنی پہ شیخِ ہماری نہ جائیو میردہ دامنِ نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
پھر اس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھئے اتیر گناہگار یہ کہ دے گناہگار ہوں میں
ہے اُس کی بیمِ درجا کتنی رحم کے قابل اسی غازی پور دعا کو ہاتھ اٹھائے ولے دعا نہ کرے
اس قدر نافرمانی حسابِ حشر سے ترساں ہیں لوگ حفیظ جو چوڑی میری پرش ہو چکی تبتِ نوبت آئے گی
رحمتِ حق نے بہت دیکھ لی ایماں کی بہار اصغر اب ذرا سامنے رعنائیِ عصیاں کر دیں
موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے اقبالِ قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے
نقاشیِ فریبِ معاصی نہ پوچھئے اسی الٰہی جنت بنا کے رکھ دی گناہگار کے لئے
لذت کبھی تھی اب تو مصیبت سی ہو گئی بخود بنائی مجھ کو گناہ کرنے کی عادت سی ہو گئی
بھڑکا رہا ہوں تشِ عصیاں ہر ایک سمت جگر مراد آبادی پھیلا رہا ہوں رحمتِ پروردگار کو
ادھر آیاتِ رحمت ہیں ادھر اقوالِ اعطیٰ کے بیدلِ عظیم آبادی خدا حافظ بڑی شکل میں میرا ذوقِ عصیاں ہے
دُعا

مانگا کریں گے اب تو دعا، جس پر بار کی مومن آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی حالی جی چاہتا نہ ہو تو دعائیں اثر کہاں
بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے اقبال پر نہیں طاقتِ پرداز مگر رکھتی ہے

آنکھ میں اشکِ ندامت ڈبڈبا کر رہ گئے، اثر کمزور، ہم یونہی اکثر دعا کو ہاتھ اٹھا کر رہ گئے

سزا و جزا

اے یہ بھرجزا کی توقع بھی چھوڑ دے اقبال سوداگری نہیں ہے عبادتِ خدا کی ہے
وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی فانی دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنگار ہیں ہم

گونا گوں

ما و مجنون ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق — اوبصحر رفت دمن در کو چہار سوا شنیدیم
ہم چو ہند وزن کسے در عاشقی مردانہ نیست فیضی سوختن بر شمع مردہ کار ہر پر و آنہ نیست
منصور کہ مستانہ بر آمد بہ سردار گرامی خوش گفت کہ ہر نکتہ بہ نسبت تو ان گفت
چوری بھی سینہ زوری بھی دعوائے عشق بھی سحر تا چند شکوہ ہائے زلیخا کرے کوئی
کیا ہے ایک دستِ آرزو نے وار دو جا داغ زلیخا کے جگہ تک چاک ہے یوسف کے دامن کا
اثر اضطرابِ قیس نہ پوچھ ریاض پردہ اٹھ اٹھ گیا ہے محل کا
ہو سبکس کا مقتل کی زمیں پر دل نہ دامن پر نہ اُن کی آستیں پر
حُسنِ جبِ مقتل کی جانب تیغِ برائے چلا حسن عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا
بسملوں کو زخمِ زخموں کو مبارک لذتیں سوئے مقتل پھر کوئی تیغ و نمکداں لے چلا
دیکھ کر ہر درو دیوار کو حیراں ہونا یاس وہ مرا پہلے پہل دامنِ زنداں ہونا

بہ مطلب سدا جو یا کام ہر تہا

تحریر خط سے پہلے کے جذبات

دست می لرزد دل من معیت راز — سینہ سوزاں چوں بوم ناز
 ہجر آزد مرا منکر وصالے کردم سالار شیرازی شاد ماں خاطر خود را بجیالے کردم
 شمع بزم آں پری رخسار بوئے کاشکے رسوا خانہ من مطلع انوار بودے کاشکے
 وصل اُس کا خد نصیب کرے میر میر سچی چاہت ہے کیا کچھ
 حال دل یار کو لکھوں کیوں کر دل ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
 مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے غالب جوش قہج سے بزم چراغاں کئے ہوئے
 کرتا ہوں جمع پھر بگر لخت لخت کو عرصہ ہوا ہے دعوتِ نرگاں کئے ہوئے
 پھر پریش جراثحت دل کو چلا ہے عشق سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے
 پر تیرم کو پتیاں لکھوں تم کوں ہو میں بدیں — تن میں من میں نین میں تا کو کہاں سندیں

خط بہ یار

مانا نہ بہ برگ گل نوشتیم جہانگیر باشد کہ صبا بہ اور ساند
 لکھ چکے ہم جاچکا خطا گر ہی حالت رہی فانی ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دستہ کھلا
 دیکھوں تو کس طرح اُنھیں ہوتا اثر نہیں — لو آج نامہ لکھتے ہیں غن جگر سے ہم

کا گد تھوڑو بہت گھنٹو کیسے لکھوں بنائے — ساگر میں جل بہت ہے گاگر میں نہ سما
کاغذ کم

مضمون خط

سالمہا شد کہ ز تو بویے وفائے نہ رسید خرو وز سر کوئے توام باد صبلے نہ رسید
پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند حافظ اے دوست بیارحم بہ تنہائی ماکن
نمی گویم کہ نہ دیکت عزیزم — کینزان ترا کستہ کنیزم

ہمہ ارج سعادت بدام ما افتد ہمایوں اگر ترا گذرے برستام ما افتد
چشم بر راہ تو داریم شد ایامے چند مرزا کارن وقت آں شد کہ نہی جانب ما گامے چند
این شکایت نامہ بے مہربانیہائے منت غوری انچہ دیدم از جدایہا جدا خواہم شست
اے باد شیر بنان حصارا نسبتی در بزم طلب کن این گدارا

مردم از حسرت ز پیغامے ظلم اشاد کن سرخوش اے کہ می گفتی فراموش نہ سازم یاد کن
شے در منزل مایہماں خواہی شدن بانی غزالنا یگم اینس خاطر این ناواں خواہی شدن یانے
یادم نمی کنی و زیادہ نمی روی — عہرت دراز باد فراموش کار ما
قبلہ گویم یا خدا یا کعبہ یا پیغمبرست — اصطلاح شوق بسیار است من دیوانہ ام

از ماہ ما پیام و ہم از ماہ ما سلام غالب بے نچہ دلے میسا د پیام و سلام ما
بشکر خاطر مجموع گاہے عہرت بیاد آں از پریشان روزگارں
اے خوش آں وقت کہ آئی و بعد از آئی اقبال بے حجابانہ سچے بہت کہ تو ما باز آئی
آرزو ہے چشمہ کوثر نہیں ولی تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا
ر کیا ہوا جو خط مرا پڑھتا نہیں مضمون جانا ہے خوب وہ مضمون کو

ٹٹک میر جگہ سوختہ کی جلد بسرے میر کیا بار بھروسہ ہے چراغ سحری کا
 اب کر کے فراموش تو ناشاد کر گئے دل پر ہم جو نہ ہونگے تو بہت یاد کر گئے
 سب کے یاں تم ہوئے کرم فرما میر درد اس طرف کو کبھو گذر نہ کیا
 بھول کر بھی، ہمیں نہ یاد کیا ضیا ہم تھے جی سے ایسے بھول گئے

یوں تو نے جی سے مجھ کو یکایک بھلایا میر بات تو تیریں تیری وفا پہ ہائے نہ تھا یہ گماں ہمیں
 اگر بخیر ہمیں یاد کر نہیں سکتا یقین کبھو بُرا ہی، ہمیں کہہ ترا بھلا ہوگا
 ملے نہ آئے کبھی مصحفی سے تم افسوس مصحفی امید وار تمہارا امید وار رہا

پاس میرے وہ نہا سیر سے آنا نہ رہا دل وہ محبت نہ رہی اور وہ زمانہ نہ رہا
 بھول کر اوچاند کے ٹکڑے ادھر آ جا کبھی نسخ میرے دیرانیس بھی ہو جائے دم بھر چاندنی
 آؤ گے بھٹام کر کلیجے کو حیران جذبہ دل اگر سلامت ہے

چارو دل سوائے صبر نہیں مومن سو تمہارے سوا نہیں ہونا
 تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہونا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں غالب کبھی فتراک میں تیرے کوئی پنجیر بھی تھا
 میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبہ دل دل اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کبن آئے نہ بنے

جذبہ دل اپنا سلامت ہے تو انشا اللہ (س) کچھ دھاگے سے چلے آئینگے سرکار بندھے
 پڑھنا ہمارا نامہ ذرا دیکھ بھال کے کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

اعتبار آپ کو نہ آئے گا شبلی کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال
 ہاں ناہر ناشاد سے کچھ تم نے کہا تھا تاہر تم بھول گئے ہو کہیں ایسا تو نہیں ہے

ا کہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں جگر راد آبادی جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر وہ جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں

پیا سہ

بادِ صبا چو بگذری بر سرِ کھے آں پری حَافِظ قصہٴ حافطش بگو تا زہ بتا زہ نو بہ نو
فغاں از قاصدانِ بے تصرف — ز خود یکبار پیغمبر نہ سازند
اے صبا از حُسنِ آدابِ سالت واقفی — عرض کن وقتِ مناسب دیدِ اہلِ آمارا
گر توانی اے صبا کن گزے در کوئے او شرفِ و دولتِ خواہد بہر از ماسلامتِ سوعے او
آں نہاں کا نجاری آہستہ باشِ دمِ مزین تان شورِ خوابِ خوشِ بزرگسِ جادوے او
حلقہٴ غرضِ مجنباں جز بہ انگشتِ ادب ہاں ہاں تیر کی مکن با طرہٴ گیسوے او
نرم نرم آں برقعہٴ مشکیں بر اندازِ چشم و رنگمانِ بدنِ داری بوسہ زنِ بروے او
نئے غلطِ گفتمنِ ایں طاقتِ ندارمِ زینہار گر رسولِ خاصِ باشی تیز منگرِ سوعے او
قاصدِ رقیبِ بود و منِ غافلِ از فریب — بیدر دُعاے خود اندر میانِ ساخت
رحمِ است بر کسے کہ دراں کوئے میرود شیفۃ در دستِ نامیہٴ من و بر لبِ سلامِ ما
میرا پیغامِ وصلِ اے قاصدِ تنہون کیو سب سے اُسے جُدا کر کے
خطِ دیوِ چھپکے یس وہ اگر کہیں فغاں لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں
یہی پیغامِ دردِ کا کسنا میر درد گر صبا کوئے یاریں گزے
کون سی رات آن ملے گا دن بہت انتظار میں گزے

✓ حال اے قاصدِ میرا جو کچھ کہ تو جاتا ہے دیکھ
اس طرح سے اُس سے مت کیو کہ وہ محبوب ہو
میرا قریب

قاصد تو لئے جاتا ہے پیغام ہمارا نوا ^{آصف اللہ} پڑتے ہوئے لہجہ واد نام ہمارا
 پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا آتش زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے
 اے سبک تیز رو تجھے اللہ کی قسم دینا خطِ مریض مسیحا کے ہاتھ میں
 دیکھینگے گز قریب تو پرنے اڑائینگے ہرگز نہ دینگے اُس بٹِ عنا ہاتھ میں
 اُس کو یقین ہے کہ میں زندہ نہ پاؤں گا احسان مڑ مڑ کے دیکھتا ہے مرا نامہ بر مجھے
 دیا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہئے غالب ہوا قریب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہئے
 صبا تو اُن سے یہ کہنا مے سلام کے بعد اتنی غازی پوری کہ اُن کے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
 حضرت آسمی السدالوں میں سے تھے، اُن کا کلام شاہد ہے، مولوی شعیب صاحب موصی
 اُن کے مرید تھے، اکثر بڑے لطف کے ساتھ فرماتے تھے، ایک دفعہ یہ شعر میں نے حضرت
 کو سنایا، پوچھا کس کا شعر ہے، میں نے عرض کیا حضرت ہی کہے، فرمایا بھی شعر
 یوں پڑھو: ۵

صبا تو اُن سے یہ کہنا مے سلام کے ساتھ کہ اُن کے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کیسی
 اس مختصر سی ترمیم نے شعر کو کس قدر بلند کر دیا، صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں کہ سلام

دربار رسالت میں پہنچایا جا رہا تھا

نہ کہتے ہوئے اُن سے سب حال کہے میں ایسا کوئی نامہ بر چاہتا ہوں
 کوئی نام و نشان پوچھے تو اے صیدِ دینا داغ تخلصِ داغ ہے اور عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں
 کہاں سے لایگا قاصدِ بیاں میرزا زبانِ میری دلا مزہ جب تھا کہ خود سنتے وہ مجھ سے استاںِ میری
 یہ جا کر پوچھ آ تو اُن سے قاصد دلا کہ وہ خانہ خراب آئے نہ آئے
 اس پتے سے پوچھنا قاصد مے لدار کو دلا چشمِ نرگس چال متوالی شباب آنے کو ہے

نامہ بریہ آخری پیغام ہے باغ نبھی بس یہی کہنا کہ صبح و شام ہے
 رو کے اُس شوخ سے قاصد مرار و نا کہنا — ہنس ٹپے اس پہ تو پھر حرفِ تمنا کہنا
 لے تو چلا ہے قاصدِ ناداں پیامِ وصل — میں شرطِ باندھتا ہوں جو بے آبر و نہ ہو
 ہر کانیت پتیاں لکھت جل بھرائے نین — کور و کا گج ہاتھ میں دے کے کیو بین
 کا گائین نکاس دس پیاس لے جائے — پہلے درس دکھائے کے پانچھے بچو کھائے

انجام خط

بر دیگر اس نوشت بے نامہ وفا — بر حاشیہ سلام ہم از من دریغ داشت
 خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں ذوق کیا جانے لکھ دیا اُسے کیا اضطراب میں
 صدقے جاؤں میں تے اس ناز کے انداز کے خط مرادیکھا اٹھایا مسکرا کر رکھ دیا
 خط کے پرزے بکوتروں کے پر — اڑتے آتے ہیں کچھ بگولوں میں

وہی پیاس

اے صبا رازیکہ داری در سرِ یارے بگو مولانا دم ورنہ گوئی با کسے با عاشقاں با بے بگو
 قصہ کن در گوشِ ماگر دیگران نا محرم اند بادلِ پر خونِ ما پیغامِ دلدا بے بگو
 ہم بجانِ سرِ جاناں کہ کم و بیش بگو خرد گو ہمیں یک سخنِ رست کہ جاناں نہست
 قاصد آمد گفتش آں ماہِ سیمین چہ گفت گفت با ہجرانِ باز و گفتش دیگر چہ گفت
 گفت دیگر نگذر و در خاطرش یادِ کسے گفتش دیگر بگو گفتا بگو دیگر چہ گفت

یہ قطعہ آٹھ شعروں کا ہے، یہاں صرف دو شعر درج کئے جا رہے ہیں،

بسے خوشنودی آید بسویم قاصدش گویا میلی کہ غیر از نامہ حرفے از زبان یار ہم دارد
قاصد رسید نامہ رسید و خبر رسید — در حیرتم کہ جاں بکدامے کنم نثار
اتنا تو نامہ بر سے نہ ہونا میں شرمسا نظیر اکبر آبادی لے کاش بھیجتا وہ بُرا یا بھلا جواب
ہم بزمی دشمن کا چھپانا ہی تھا قاصد نزاکت کہتا ہے کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی

جواب خط

غایت نامہ را چوں بر کشادم — گمے بر دیدہ گہ بر سر نہادم
نمیدانم حدیث نامہ چوں است سدی ہمین سیم کہ عنوانش بخون است
دل تو نے عبث لکھا تھا نامہ سودا جو اُس نے دیا جواب دیکھا
کیا تو نے لکھا تھا کہ تیر خط کتے تیں دیکھ میر شیر علی آتیں آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے ٹپکنے
کانٹوں میں نہ ہو اگر اُلجھنا پنڈت یا شکریم تھوڑا لکھا بہت سمجھنا
پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا غائب جاں نذر دلفریبی عنوان کئے ہوئے
کیسی جیا کماں کی دُعا پاسِ خلق کیا اور ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا
خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا — یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا
خط کسی کا جب سے آیا ہے میں اس شغل میں جلال گاہ پڑھنے کو اٹھایا گاہ پڑھ کر رکھ دیا
خط آنے لگے شکوہ آمیز اُن کے حالی پلاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے

وعدہ

رسید مرثوہ کہ ایام غم نخواہد ماند حافظ چنان ماند چیں نیز غم نخواہد ماند

وعدہ وصلِ فردا نہی و میانی — ہر کہ امروز ترا دید بفردا نہ رسد
 بیم از وفا ندارد بدہ وعدہ کہ من ملاپائی از ذوق وعدہ تو سر دانی رسم
 چون وعدہ دیدار تو افتاد بہ شہ زیب النساء کار ہمہ افتاد بہ فدائے قیامت
 ہر روز قیامت گذر و بدل مخفی تا چند توان وعدہ بہ فدائے قیامت
 اے جانِ سراج آج دکھا تو درس اپنا سراج ہے وعدہ فردا مجھے فدائے قیامت
 اُس کے ایفلے عہد تک نہ جائے میرے عمر نے ہم سے بیوفائی کی
 وعدہ پیٹم نہ آئے تو ہم کچھ نہ مر گئے زندہ کہنے کو بات رہ گئی دن تو گذر گئے
 ابھی کہوں تو کریں لوگ شہسار مجھے شیفہ کہ کس کے وعدے پر اتنا ہے اعتبار مجھے
 کل کا وعدہ کیا پھر اُس نے نظام نظام ایک دن اور بھی جائے ہی بنی
 ایفلے وعدہ آپ سے اے یار ہو چکا — اس کا تو امتحان کئی بار ہو چکا
 ترے وعدے کو صبرِ جیلہ جو نہ قرار ہے نہ قیام
 کبھی شام ہے کبھی صبح ہے کبھی صبح ہے کبھی شام داغ
 تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو تسلیم کیا اعتبار وعدہ بے اعتبار کا
 وہ اُمید کیا جس کی ہوا انتہا حالی وہ وعدہ نہیں جو فنا ہو گیا
 فریبِ وعدہ دلدار کی قدر دلہ شہیدِ خبر انکار سے پوچھ
 یقین اُس کے وعدے پہ لانا پڑ گیا آئی یہ دھوکا تو دانستہ کھانا پڑ گیا
 آتے آتے وہ ترے لب پہ بسم بن جائے ریاض اس ادا سے کبھی ہم سے بھی ہو بیاں کوئی
 جھوٹے وعدوں پر تھی اپنی زندگی عزیز اب تو وہ بھی آسرا جاتا رہا
 میرے اصرار پر ہم سے عیاں ہو گئی حیرت تھے اقرا آساں سے ترا انکار پیدا ہے

مبارک ہو مجھے موقع فریب تازہ کھانے کا وِشت کیا ہے پھر مے پیاں شکن نے وعدہ آنے کا
 دل آزاری کی لذت کے لئے دل رکھ بھی لیتے ہیں
 شکر وعدہ کر لے پھر تری مرضی مکر جانا
 اثر لکھنوی
 صاحبزادہ عبدالشکور خان صاحب شکور

آپ وعدہ پر نہ آتے یہ مجھے منظور تھا آپ کو وعدے پہ دشمن کی قسم کھانی نہ تھی
 وفائے وعدہ نہیں وعدہ دگر بھی نہیں فیض وہ مجھ سے روٹھتے تھے لیکن اس قدر بھی نہیں

انتظار

عزم ویدار تو دار دجان برب آمدہ حافظ باز گرد دیا بر آید چیست فرمان شمس
 چشم بر راہ تو داریم شد آیا مے چند مرزا کارن وقت آس شد کہ نہی جانب ماگے چند
 اگرچہ وعدہ خواب و فانی دارد — خوش آن حیات کہ در انتظار می گذرد
 شمع بگریہ و روزم در انتظار گذشت — خوشم کہ روز و شب من بفریاد گذشت
 دیدہ انتظار را دام امید کرده ام بیدل لے قدمت چشم من خانہ مفید کرده ام
 منتاب شراب انتظار نظر جان باباں این روز قیامت است شب نیست
 بخیل انتظار موشاں در خلوت شبها غالب سرتار نظر شد رشته تسبیح کو کہا
 تیزیوں ہی نہ تھی شب آتش شوق میر تھی خبر گرم اُن کے آنے کی
 کون سی رات آن ملے گا میر درد دن بہت انتظار کے گزریے
 آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں لایکا رات سہی کیا پوچھتے ہو حال شب انتظار کا
 یاں انتظار ہی میں کٹی میری ساری رات تنگیں واں وعدہ کیا کیا تھا اسے یاد بھی نہیں

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا غالب اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
 وا کر دہ چشم دل صفتِ نقش پا ہوں میں آئیں ہر رگدڑ میں راہ تری دیکھتا ہوں میں
 تھک گئے ہم کرتے کرتے انتظاراً — اک قیامت ان کا آنا ہو گیا
 ترار استہ شام سے تکتے تکتے — مری آس ٹوٹی سحر ہوتے ہوتے

کیا حسرت سے رخصت صبح کے تاروں کو یہ کہہ کر
 کہ جس کا شام سے نکھا آسرا اب تک نہیں آیا

تم نہ آئے تو کیا سحر ہوئی — ہاں مگر چین سے بسر ہوئی

یار بے سچ ہے بات کہ محشر کی صبح سے — دامن ملا ہوا ہے شبِ انتظار کا
 آدھی سے زیادہ شبِ غم کا ٹچکا ہوں شائبہ کھنڈی اب بھی اگر آ جاؤ تو یہ رات بڑی ہے

کرتا ہوں یادِ شام سے ابرئے یار کو جلیں خجر سے کاٹا ہوں شبِ انتظار کو
 اب تو اٹھ سکتا نہیں آنکھوں سے بارِ انتظارِ حشر کس طرح کاٹے کوئی لیل و نہار انتظار
 اُن کی اُلفت کا یقیں ہو اُن کے آنے کی امید ہوں یہ دونوں تیں تے بہارِ انتظار
 اُن کے خط کی آرزو ہے اُنکے آنے کا خیال کس قدر پھیلا ہوا ہے کار و بارِ انتظار

اُن کی آمد کا بھروسہ ہونا ہو وحشت راہ اُن کی ہم مگر دیکھا کریں
 تمام عمر اثر جس کی راہ دیکھی تھی اثر کھنڈی ادھر سے آج وہ گذرا تو مثلِ بگنا
 کچھ روز یہ بھی رنگِ ہا انتظار کا ولا آنکھ اٹھ گئی جدھر بس ادھر دیکھتے ہے
 اس کے وعدے کو ہو گئے برسوں مزارِ حشرِ یگ اور مجھے انتظار ہے اب تک

اپنے کمالِ شوق پر حشر کا دن ہے مختصر فانی وعدہ دید چاہئے زحمتِ انتظار کیا
 میں ہوں رہیں انتظار آئیے یا نہ آئیے دل اپنے یقین کو کیا کروں آپ کی ہاں نہیں ہی

نظر ہے وقفِ عزم انتظار کیا کہنا جگر مراد آبادی کھنچی ہے سامنے تصویر یار کیا کہنا
 حرمِ حسن کے پردے اُٹھے ہوئے ہیں جگر یہی اگر ہے عزم انتظار کیا کہنا
 ہو گئی ختم انتظار میں عزمِ امجد کوئی آنا نظر نہیں آتا
 ہم اپنے دل کو یوں بہلا رہے ہیں بس لڑائی وہ گھر سے چل چکے ہیں آپے میں
 اوہ گھڑی بھی عجیب تھی صبا، مٹتی ہی نہیں جو گھڑی انتظار میں گزری

مشعل یار

ناقہ رامی راندیلی اسوئے خلوت گاہِ ناز — ساریاں در رہ جدی اسخو اند و مجنوں مگریت
 ناقہاں قیس نازین لیلی بیباک کون پردہ اٹھائے محفل کا
 دیکھ لیتی جو اٹھا کرتے کیا ٹوٹے ہاتھ شاہِ نصیر لیلے اتنا تو نہ تھا پردہ محفل بھاری
 کیوں روکتا ہے اس میں ضر کیا ہے پابا شیفہ دیوانہ اک اگر پس محفل لگا چلے
 اک ذرا پردہ محفل کو اٹھا لے لیلی امیر پھر کوئی حالتِ بیتابی مجنوں دیکھے
 ساتھ ناقہ کے دیکھ تو لیلی جلیل کوئی مشعلِ غبار آتا ہے

آمد یار

شیخ محمد الدین عبدالقادر جیلانیؒ

مسلمانانِ دین انگہ درید چون تھی کہ می گویند باز آں دلبر عیاری آید
 رواقِ منظرِ چشم من آسشیانہ نست حافظ کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانہ نست
 میسجایار و خضرش رہنا و ہم عنانِ یوسف فغانی آفتاب من بدیں اعجاز می آید

ایک دفعہ یہ شعر کسی نے شہنشاہ اکبر کو سنایا، شہنشاہ نے دوسرے مصرعے پر برجستہ

اصلاح دی اور کہا کہ بجائے ”آفتاب“ کے ”شہسوار“ ہونا چاہئے،

جامہ گلگونے در آمدست در کاشا ام ہمدی خیزے ہمد کہ افتاد آتش در خانہ ام

نمود روے تو گلہائے باغ را چہ کُرم — چو آفتاب بر آمد چسراغ را چہ کُرم

لغزش مستانہ در رفتار و جامے کف فرد رخصت لے تقویٰ کہ یار آید سامانے دگر

کئی بار آیا ادھر لطف سے حیر عطا پر عطا ہے کرم پر کرم

جان دل تیار میں کھوں شارس کا ولے نوای صفت اللہ بے خبر آصف وہ آجائے ادھر کیا کروں

لے فرط شوق تو مجھے رسوا نہ کیجیو معنی لایا ہوں اپنے گھر اُسے قول و قسم کے ساتھ

کب اس طرف وہ بُت کج گاہ آتا ہے ولہ گدا کے گھر بھی کہیں بادشاہ آتا ہے

لائے اُس بُت کو التجا کر کے پنڈت یا شکریم کفر ٹوٹا حُسنِ خدا کر کے

مرے دل میں تھا کہ کموں گائیں جو یہ دل پہ رنج و ملال ہے

وہ جب آگیا مرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا ظفر

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدر ہے غالب کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

وہ جلد آئینگے یا دیر میں خدا جانے عارف میں گل بچھاؤں کہ کلیان بچھاؤں بستر پر

وہ زیبِ شبستان ہوا چاہتا ہے سالک یہ مجمع پریشاں ہوا چاہتا ہے

خراس خراماں چلے آئے ہیں وہ گلستان گلستاں ہوا چاہتا ہے

غصہ آتا ہے پیار آتا ہے اشکی غیر کے گھر سے یار آتا ہے

وہ یہاں آتے ہیں کس انداز سے ہر مہر و قوج ہر قدم اُٹھتا ہے سو سونا ز سے

یہ آئے کی دھوم ہے دل میں — حسرتوں کا ہجوم ہے دل میں

کل وہ آئے خُدا خُدا کر کے — ابتدا کی تو انتہا کر کے

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے داغ تبسم ہے عیاں چین جبین سے

وہ اور میرے گھر میں چلے آئیں خود بخود مٹی بائی جابا سر پر مرے حجاب مگر آسمان نہیں

کدھر سجدہ کروں کعبہ کدھر ہے جیل زہے قسمت وہ آئے میرے گھر آج

تمام عمر آخر جس کی راہ دیکھی تھی اثر لکھنوی ادھر سے آج وہ گذرا تو مثل بیگانہ

اس شعر میں عاشق کی نامرادی اور مشوق کا تغافل چند الفاظ میں بڑی خوبی کے ساتھ

بیان کئے گئے ہیں، عرصہ ہوا یہ شعر راقم الحروف نے مرزا ثاقب مرحوم کو سنایا تو

انھوں نے اس کی داد دی

کہیں شرما کے وہ نہ پھر جائیں بیدل ہم نظم سوئے در کریں کیونکر

خراماں خراماں معطر معطر ساغر نظامی نیم آرہی ہے کہ وہ آپہم ہیں

دل کی دھڑکن آج سولہ فضلی شاید ہے وہ آنے والا

لبوں پر تبسم نگاہوں میں مستی خمار اداؤں کے جھرمٹ میں وہ آپہم ہیں

ساجن آویں اے سکھی توڑوں نو سربار

سب جانیں موتی چمکے جھک جھک کروں جہاں
بھک بھک کر پاؤں پرو

مکانِ عاشق

عجب کہ شمع شبے در سرائے من سوزد اہلی من آں نیم کہ کسے از برائے من سوزد

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی غالب آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دلدل دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

جائیں وحشت میں سوئے صحر اکبوں وہ کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی
ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رو وہ نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی
اُگ رہا ہے درو دیوار سے سبزہ غائب وہ ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہا ر آئی ہے
فوق ظلمات پہ ہے میرے سیہ خانے کو وہ آرزو لکھنوی شمع ہے اور نطفہ آتی نہیں برہانے کو
حسرتیں ل کی ہوئی جاتی ہیں پامال نشا حست ہے جو وہ جان تمنا رونق کاشا آج
اشک مثر گاں پہ رہ گیا ہوگا اثر لکھنوی میرے غمخا نے میچ اغ کہاں
اب تک خبر تھی مجھے اُجڑے ہوئے گھر کی جوش وہ آئے تو گھر بے سرو ساماں نطفہ آیا

مہمان عاشق

گر بر سر و چشم من نشینی سعدی نازت بکشم کہ نازینہ
ریشکِ خورشید میمان من است سیماں آسماں رتبہ آستان من است
بر سوں میں کبھی اید صرتم ناز سے آتے ہو میر پھر برسوتیں پیائے دل سے نہیں جاتے
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت سے غالب کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
کہ صر کا چاند ہوا تھر کے جو گھر آئے ہر تم آج بھول پڑے کس طرف کہہ آئے
یوں ہی کچھ دل میں آگیا ہوگا مجروح ورنہ میرے بٹھائے بیٹھے ہیں
بات کرنے میں گذرتی ہے ملاقات کی رات بخود دہوی بات ہی کیا ہے جو رہ جاؤ ہمیں رات کی رات
اُن کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں حالی دیکھئے آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

علی گڑھ کانٹن میں داؤد نامی ایک طالب علم تھا، شاعری سے اُسے طبعی مناسبت تھی،

اُس نے خواجہ حالی کی غزل تفہیم کی، مقطع کی تفہیم کچھ ایسی برصہ اور چپاں ہوئی

کہ مقطع خواجہ صاحب کا نہ رہا، داؤد کا ہو گیا، تفسیم ملاحظہ ہو : ۵

جب کسی کام کا کرتا ہے ارادہ انسان دیکھ لیتا ہے کہ اس کام کے ہے بھی شیاں
سُن کے لوگوں سے کہ کل آئے تھے داؤد کے یا اُن کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہاں
دیکھئے آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

چند روز بعد خواجہ صاحب علی گڑھ آئے، چونکہ مقطع کی تفسیم میں شوخی سے کام لیا
گیا تھا اور ایک طرح کا گستاخانہ پہنوں نکلتا تھا، داؤد نے اپنے دوستوں سے تاکید کر دی تھی
کہ اس تفسیم کا ذکر خواجہ صاحب سے نہ کریں، لیکن کسی نے ذکر کر دیا، خواجہ صاحب کو بوجھ
ہی یہ بات معلوم ہوئی، بہت خوش ہوئے اور اصرار کر کے داؤد کو بلوایا اور مجبور کیا کہ
تفسیم سنائے، پھر تعریف کی اور اس کا دل بڑھایا، یہی نہیں دیوان حالی کی ایک جلد
عطا فرمایا، افسوس داؤد کا انتقال جوانی ہی میں ہو گیا،

بدگمانی نہ کرو آج یہ ہیں رہ جاؤ اسی غازی پوری رات اندھیری تھی بادل بھی گھر دور بھی ہے
بعد مدت کے ملی ہے یہ ملاقات کی رات جگر گور کھپوری اب کہاں جاؤ گے، جاؤ یہیں رات کی رات
آپ آئیں تو نہیں روکنے والا کوئی آپ چاہیں تو ہے ہر روز ملاقات کی رات
تو کہاں یہ غریب خانہ کہاں جگر مراد آباد و ہسم ہے یا کہاں ہے پیارے
پیہم، ہجوم یاس سے آتا نہیں یقین وہ تم میرے سامنے ہو کہ دھو، نظر کا ہے
اب شام مری شام سحر میری سحر ہے اثر صبا کی معمور ترے حُسن سے دامنِ نظر ہے

محفل عاشق

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

کل شب کو بے نقاب مجھ محل میں آگئے وحید اللہ سے نور شمع کو پروانہ کر دیا
 یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں اتر خدا جانے کل تم کہاں مہم کہاں
 نہیں انصاف سے کہہ دو یہ آنا کوئی آتا ہے
 نہ کچھ کہنا نہ کچھ سُننا ادھر آنا ادھر جانا
 اثر لکھنوی

مٹے پھیلے ہوئے بیٹھو نہ مری بزم میں تم — لوگ سمجھینگے کہ ناخواندہ ہے مہمان کوئی
 دیدنی تھا میری محفل کا سماں کل رات کو جوش مہرباں تھا وہ بُتِ نا مہرباں کل رات کو
 دستِ رنگیں میں تھا جامِ زرقاں کل رات کو گر رہی تھیں بکلیوں پر جلیاں کل رات کو
 لوثی تھی کس تکلف سے ہوا کے دوش پر چاندنی میں کا کلِ عنبر فشاں کل رات کو
 کاکلیں لہرا رہی تھیں روئے عالم تاب پر سنبلستان کا تھا گلِ پر سیاں کل رات کو

رخصتِ یار

دلے از سنگ بیاید بہ سرِ راہ وداع سعدی کہ تحمل گنہ آں لحظہ کہ جاناں برود
 گرچہ آرام از دل من میرود وہ ہم چنین می رود کہ زیبا میروی
 کس بہ این شوخی و رعنائی نہ رفت ہم چنینی یا بعدا میروی
 دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی
 ابرو باران و من و یار ستادِ بوع خسرو من جدا اگر یہ کہاں ابرو جدا یا حبسدا
 می روی و گریہ می آید مرا وہ ساعتے نبشیں کہ باران بگذر
 من نمی گویم گلِ باغ و بہار از دست رفت
 یک بہشتِ آرزو یعنی کہ یار از دست رفت امید
 تو عزم سفر کر دی رفتی ز بر من — بستی کمر خویش شکستی کمر من

خاطر آباد ویراں کر دو رفت میر غلام علی زار شہر را بر من بیا باں کر دو رفت

نہ کمویہ کہ یار جاتا ہے یکہ نگ میرا صبر و مسترار جاتا ہے

جاتا ہے یار کچھ تو بیانِ منہ سے بول لے بیان اے بے نصیب مانعِ گفتار کون ہے

آئے تو لے آن کے اک آن نہ ٹھہر تنہا میں کتنا کہا وہ کسی عنوان نہ ٹھہرے

اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی افسوس دیکھئے آگے آگے کیا ہوے

سحران کا ارادہ ہے سفر کا شیفۃ قیامت آنے میں شنب میاں ہے

جرات بھی دشتِ شوق کی تھر کے رگلی رشید دامن کچھ اس ادا سے چھڑا کے چلے گئے

نہیں بھولتا اُن کی رخصت کا وقت حالی وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

اُس کے جاتے ہی ہوئی کیا مے گھر کی صورت دلا وہ نہ دیوار کی صورت سے نہ در کی صورت

وقتِ رخصت تسلیاں کر دل شاہجہانپور اور بھی تم نے بے مسترار کیا

اُن کی رخصت کا دن تو یاد نہیں یوں سمجھئے کہ روزِ محشر تھا

دل پر رہیں گی نقش یہ بے مہربان تری مان دہوی جانا اور اس طرح سے کہ مڑ کر نہ دیکھنا

نہ بھولے گا وہ وقتِ رخصت کسی کا حسرت مجھے مڑ کے پھر اک نظر دیکھ لینا

گئے ہیں جب سے وہ اپنے بھی آئے غیر بھی آئے

سب آئے بھی گئے بھی گھر کی ویرانی نہیں جاتی ناطقِ کلاوٹھی

وقتِ رخصت اُن کو تاحدِ نظر دیکھا کئے جس طرف دیکھا نہ جاتا تھا اُدھر دیکھا کئے

پھر نہ آئے جو وعدہ کر کے گئے آثر لکھنوی آج کا دن ہے اور وہ دن ہے

اُن کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی جگر مراد آباد جس طرف دیکھا کیا دیکھا کیا

اُن یہ کہنا جا رہے ہیں اب آئینگے کبھی فراق کو کھوپڑا روٹھنے میں بھی اگلے عہد چماں دیکھئے
 کون مے مے نہ اس ادا پر جان نشتر تھکامی وقت رخصت سلام ارے تو بہ
 وقت رخصت یاد ہے اُن کا ہمیں اب تک نیم شمیم آنکھ میں آنسو بھرے آواز تھسرتائی ہوئی
 نہیں بھولتا مست کہنا کسی کا مست شامی ہمیں روز اک خط لکھا کیجئے گا
 سچ سکا ہے جائینگے کہ نین مرینگے مے — بدھنا ایسی رین کر کہ بھور کھونا ہوئے

عاشق کا دیار یار کی طرف روانہ ہونا

انے سیم سحر آرا نگہ یار کجاست حافظ منزل آں میر عاشق کشو عیار کجاست
 شکوہ آبلہ ابھی سے میر میر ہے پیاسے ہمنور دلی دور
 چلا ہے او دل احت طلب کیا شادمان کر وزیر زمین کو رہے جاناں رنج دیگی آسمان ہو کر
 ولے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو غالب آپ جانا اُدھر اور آپ جی سیراں ہونا
 آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے ولہ کنے جاتے تو ہیں بد دیکھنے کی کہنتیں
 بے دہاں جائے بھلا ہم سے ہا جائے کہاں نظام دل سے اُس بزم میں جانے کا مزہ جائے کہاں
 جاتا تو اس کے کوچے میں ہے بار بار دل — کھلے نہ چوٹ یاس کی پروردگار دل
 اللہ کس قدر رو مقصود دور ہے — پیک خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا

قدم کیا خاک اٹھتے تیس کے بیچارہ حیراں تھا
 کہ ہر ذرہ غبار نجد کا تصویرِ حساناں تھا
 کتنے کبے ملے رستے میں کئی طور ملے
 ان معنات سے ہم کو وہ بہت دور ملے

شہر یار

خسرو غریب است گدا افتادہ در شہر شما خسرو باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بگری
کہ در شہر شما رسولے اُلفت را نمی داند وحشت من آن کس را نمی دانم کہ وحشت را نمی آید
اک غلش ہوتی ہے محسوس لگ جاں کے قریب حسرت آن پہونچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب

رہگذر یار

ز تو بود چشمِ آنم کہ نظر سگری نہ کردی ایجاد بہرہ تو خاکِ شتم کہ گذر کنی نہ کردی
آج اس راہ دل رُبا گذرا میر سوز دل پہ کیا جانئے کہ کیا گذرا
زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی غالب کیوں تزا را ہگذر یاد آیا
دیر نہیں حرم نہیں دہیں آستان نہیں دل بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہیں اٹھائے کیوں
جانا پڑا قریب کے دیر پر سزا بار دل اے کاش جاننا نہ تری رہگذر کو میں
اُن کی محفل میں کہاں ہم سے غریبوں کا گذر ناز دیکھ لیتے ہیں مگر راہ میں آتے جاتے
دلچسپ ہو گئی ترے چلنے سے رہگذر جلیل اٹھ اٹھ کے گرد راہ لپٹی ہے راہ سے
آستانِ بوسنی دلدار نہیں قسمت میں آؤ اک سجدہ سر راہ گذر ہو جائے

میر عثمان علی خان نظام دکن

تھوڑی سی اگر خاک ترے راہ گذر کی

مل جاتی تو بن جاتی دوا درِ جگر کی

کوچہ یار

مست آن ذوقم کہ شب در کوئے خویشم دید و گفت
کیست ایں ؟ گفتند مسکینے گدائی میکند

ذرّہ خاکم و در کوئے تو ام وقت خوش است حافظ ترسم اے دوست کہ بائے بردنا کا ہم
پایم بہ پیش از سر ایں کوئی رود نظیری یاراں خبر کنسید کہ ایں جلوہ گاہ کسیت
شادم کہ دامنم سگ کوئے تو میکشد عشقی کاشی ویں شادی دگر کہ بسوئے تو میکشد
دیوانگی وستی از بوئے تو می خیزد آفرین ہوئی ہر فنہ کہ می خیزد از کوئے تو نمی خیزد
ز آتری بہر طوافِ حرم کوئے کسے ز آتری صبح خیزی ز نسیم سحر آموختم
سخن ز روضہ رضواں بکوئے یار کشد غالب چو جادوہ کہ ز صحر ا بہ لالہ زار کشد
وہ تیری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مرنے کل پڑے

یہ میری جبین نیاز تھی کہ جہاں دھری تھی دھری ہی سراج
کل عجب طرح سے تپتے تھاتے کوچے میں احسن دیکھ کہ حال کے آسن کو بھرا آئیں آنکھیں
ہر قدم کوئے بتاں کار گہ میں ہے قائم دیکھ بیچ بیچ کے سنبھلے ہوئے ہشاری سے
بوئے گل باد صبا کوچے کو کس کے یارب سودا دوڑے ہیں دونوں ہم باندھ کے دامن امن
نسیم بھی ترے کوچے میں ہے صبا بھی ہے دل ہمارا خاک سے کچھ دیکھیو رہا بھی ہے
عمر بھر کوچہ دلدار سے جایا نہ گیا میر اُس کی دیوار کا سر سے میسے سایہ نہ گیا
چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر دلہ ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں
اُس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر دلہ شیخیاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں

بہت آرزو تھی گلی کی تیسری دلہ سویاں سے لمبیں نہا کر چلے
 گل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے نگہ خلق ضیا اس کے کوچے ضیا تو آج پھر جانے لگا
 گل میں پوچھا یہ ضیا سے دل کو کیڑا کھو دیا دلہ اُن نے کوچے کو ترے بتلا کے ٹپ ٹپ دیا
 اس کے کوچے کی طرف میں تو نہ جاؤں سبز سبز کشر دل ہے کہ کھینچے لئے جاتی ہے مجھے
 دن میں سو سو بار کوچے میں تیرے آنا مجھے جوش اس میں سودائی کسے کوئی کہ دیوانہ مجھے
 بتوں کی گلی میں شب و روز آصفؒ نوا آصفؒ تھا شاہِ دانی کا ہم دیکھتے ہیں
 تیرے کوچے میں نقشِ پا کی طرح دلہ ایسے بیٹھے کہ پھر نہ واں سے اٹھے
 اول تو تیرے کوچے میں آنا نہیں ملتا صفحہ آؤں تو کہیں تیرا ٹھکانا نہیں ملتا
 تو ملے یا نہ ملے اس سے تو کچھ کام نہیں دلہ ہم کو کوچے میں تیرے روز میاں ہو جانا
 تیرے کوچے اس سہانے میں دن سے ات کرنا دلہ کبھی اس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا
 گلی کو یار کی سمجھے ہے اپنا وہ کعبہ دلہ یہ مصحفی سے نہ پوچھو کہ ہر ہے سجدہ در
 کبھی در کو تنک کے کھڑے ہے کبھی آہ بھر کے چلے گئے
 تیرے کوچے میں جو ہم آئے بھی تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے دلہ

نواب مرزا محمد تقی خاں، ہوسس

کبھی دیر میں تھے کسی بُت پہ فدا کبھی کبھے میں کرتے تھے جا کے دعا
 تیرے کوچے میں بیٹھے تو خوب ہوا کہ کشاکشِ دیر و حرم سے چھٹے
 جامِ شرابِ عشق سے دونوں ہی بے خبر آتش بلبلِ چمن میں مست ہے ہم کو سنے یا میں
 کو چہ یار میں ہم نے تسکین تسکین پاؤں رکھا تھا کہ سرِ یاد آیا
 غدر کے بعد بھی دلی میں کبھی کبھی شاعر ہوا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک شاعر

میں مرزا غالب بھی تھے اور تسکین بھی، تسکین کے سامنے شمع لائی گئی، اُنھوں نے وہ غزل پڑھی جس کا مقطع اوپر دُج ہے، مقطع پڑھا گیا تو مرزا غالب بے چین ہو گئے، بے اختیار منہ سے واہ نکلی، تسکین مچھک کر آداب بجلائے، مرزا غالب کو پھر بھی صبر نہ آیا اور کہا کہ اب ہماری غزل کی کیا ضرورت ہے، مرزا غالب کی غزل کا مقطع ہے ۵

✓ ہم نے محنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

کوچے میں تھے تنہا ہر شب مجھے ہو جانا ظفر دو چار گھڑی اپنا دل کھول کے رو جانا
نکلنا غلہ سے آدم کا سُنتے آئے تھے لیکن غالب بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
حسرت سے اُس کے کوچے کو کیوں نہ دیکھتے شیفۃ اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
مٹی خراب ہے تمہے کوچے میں ورنہ ہم اتور اب تک تو جس زمیں پہ ہے آسمان ہے
جب اُس کوچے کی حاصل تھی گدا ئی اسی غازیو کا خداوندِ زمین و آسمان تھے
دنیا سے ہاتھ دھو کے چلے کوئے یار میں — جائز نہیں طوافِ حرم بے وضو کئے
محو ہیں اپنی جگہ آسودگانِ کوئے دوست شادِ عظیم آبادی آرزو دل میں دل نکھوئیں، تسکین دوست
'اپنی اپنی جگہ' محاورہ ہے، اس لئے پہلا مصرعہ کھٹکتا ہے، دوسرا مصرعے کے

حسرتِ نازل کا کیا کہنا، اس کی خاطر پہلا مصرعہ بھی کھنپا پڑا،

دُڑہ دُڑہ آفتابِ حشر ہے ریاضِ حشر اچھا وہ گلی اچھی نہیں

گلی سے تری مرک کے بڑھتے ہیں آگے آرزو دکھنوی ادھر آنے والے ادھر جانے والے

ہوئیں نا کامیاں بدنامیاں سوائیاں کیا کیا حسرت نہ چھوٹی ہم سے لیکن کئے جاناں کی ہواداری

ہم نے دیکھا ہے کلیسا بھی حرم بھی دیر بھی ندرت میرٹھی کھائے جاناں کے تصدق کھائے جاناں اور ہے
 اُن کو یہ غصہ کہ میں اُن کی گلی میں کیوں گیا اسی الدنی مجھ کو یہ حیرت کہ کیونکر شکل سچا نی مری
 جو ذرہ ہے اس ذرہ پر اک نقش جہیں ہے وہ کیا ساری زمیں کو چہ جاناں کی زمیں ہے
 اب یادگار فانی بسمل ہے اس قدر فانی گلوں ہے خاک کو چہ تامل جگہ جگہ
 ہائے وہ جوش ربط و ضبط ہائے یہ بے تعلقی جگر مراد آبادی اشک بھرائے آنکھ میں کو چہ یار دیکھ کہ
 انہی کو چوئیں کل اختر کو رسوا ہونے دیکھا تھا اختر شیرانی وہ آنکھیں اشکبار اس کی وہ باتیں افکار سکی
 چہرہ اُداس آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے عیاں کیا گذری سچ بناؤ عیاں کوئے یار میں
 جنازہ دیکھ کہ میرا وہ کس انداز سے بولے — گلی میں نے کہی تھی تم تو دنیا چھوٹے جاتے ہو

پاسبان

دروں شو گو نہ شاہنشاہ غلامے نظامی فرستاد است نزدِ دیکت پیامے
 کہ مہمانے بخدمت می گراؤد چہ فرمانی بیاید یا نیاید
 بگو حاجب بہ آں شمع دل اسرودز کو چہ ننگ کہ امشب عاشقان را حکم بار است
 غیبے، بیکسے پر واند نامے پروانہ بروین در ز دیر امید واد است
 درباں کی خوشامدیں ہیں منظور انس جھک جھک کے سلام ہو رہے ہیں
 ہے اعتماد میرے بخت خفتہ پر کیا کیا مومن و گرنہ خواب کہاں چٹیم پاسبان کے لئے
 ایک روز منشی بہاری لال شتاق اپنے دوست لالہ راجندر قمر کے ساتھ وید العصر
 مفتی صدر الدین خاں آرزوہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شعر و شاعری کا ذکر چلا
 قمر نے غالب کی نکتہ سنجی اور نازک خیالی کی بہت تعریف کی، مفتی صاحب نے

چین بچیں ہو کر فرمایا نہایت مشکل کتاب ہے اور پھر زانو پر ہاتھ مار کر شگفتہ جیسی ہوئے اور

فرمایا کہ ہائے! اچھا کتاب ہے تو ایسا کتاب ہے،

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا جو میری شام کے غلام اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے
یہ انتہا ہے کہ سر رکھ دیا ہے قدموں پر ریاض کسی طرح نہیں سنتا ہے پاسباں میری

کاشانیار

ہر شب منم فداہ بگر دسراے تو خسرو ہر روز آہ و نالہ گنم از برائے تو
یہ کس رشک سیجا کا مکاں ہے آتش زیں جس کی چہارم آسماں ہے
جنتی عالی ہے تے قصرِ عسلی کی زیں آس آدنئی امتی ہی سجدوں میں تے توت پر دازا ہے

دیوارِ کاشانہ

سر پھوڑ ناوہ غالب آشفۃ حال کا غائب یاد آگیا مجھے تیری دیوار دیکھ کر
مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے دل بیٹھنا اُس کا وہ آکر تیری دیوار کے پاس

بامِ کاشانہ

بجرم عشق تو ام میکشد غوغائیت نظر جانناں تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشا نیست
مَدّت سے لگ رہی تھی لبِ بام ٹکٹکی — تھک تھک کے گر گئی نگہ انتظار آج
مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس غائب زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے
آخر شب دید کے قابل ہے بسل کی ترپ اقبال صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

یہ ٹکٹکی ہے سوے بام و درجہ کیسی جگہ گورکھ پوری ادھر تو دیکھئے حضرت کدھر کو دیکھتے ہیں

درِ یار و آستانِ یار

ہر سحر گہ بردتِ سرسبزِ غم بیا فرید گنج شکر بر طریقِ دوستانِ درِ مینِ غم
از درِ یار چہ گویم بچہِ عنوانِ رستم عرقی ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرمیں رستم
اے خاکِ درتِ صندلِ گزشتہ سرائی را نظیری باد اثرہ جار و بربہت تاجوراں را
اے ولی غیرِ آستانِ یار ولی جہمہ سائی نہ کہ خدا سے ڈر
ہمیں جس جاکہ کل غش آگیا تھا میر وہیں شاید کسی کا آستان تھا
جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا وہیں شاید کہ اُس کا آستان تھا
سجدہ کرتے ہی سر کٹیں ہیں جہاں ولا سو تیرا آستان ہے پیارے
سریرِ سلطنت سے آستانِ یار بہتر ہے یقین ہمیں لہا سے سایہ دیوار بہتر ہے
تو در کو شوق سے رکھ بند پر نہ اتنا بھی مصحفی کہ آئے جو کوئی وہ ہو کے بدگماں پھر جا
در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا غالب جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
موجِ خوں سر سے گز رہی کیوں نہ جائے ولا آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

ملا یہ مرتبہ نامِ خدا تجھ کو حسیں ہو کر
فلک کرتا ہے مجھرا تیری چوکھٹ کا زین ہو کر

کسی در پر پڑا رو رو کے اسی رات کتنا تھا
کہ آخر میں تمہارا بندہ ہوں تم بندہ پرور مجھ

بس اک آستانہ ہے سجدے کے قابل مولا محمد امینؑ زلمنے میں گو آستانے بہت ہیں

سر اپنا ہے کسی کے آستان پر دل شاہچا پڑ جائیں عجز پہنچی آسمان پر
 یہ نہیں ہوتی تھی حالت جانبِ درِ دیکھ کر ذوق کو کھو چکا آستانِ یار سے ہم آج اٹھ جائینگے کیا
 اُس آستان پہ سجدے کا بھی کچھ مانہ ہوش احسانِ غم گدھا اندھے اضطرابِ جبینِ نیاز کا
 سجدے کے دِلغ سے نہ ہوئی آشنا جیسے اثرِ صہبائی بیگانہ وارِ گذرے ہر اک آستان سے ہم
 اب سوچتے ہیں لائینگے تجھ سا کہاں سے ہم بروج اٹھنے کو اٹھ تو آئے ترے آستان سے ہم

سنگِ آستان

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا غالب تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستان کیوں ہو
 مدت ہوئی رسائی قسمت کو رو چکے ریا من وہ سنگِ در کہاں یہ ہماری جبین کہاں
 ہے عرش تک بلند مقامِ نیاز عشقِ تسکینِ درشی اُس سنگِ آستان پہ ذرا سر جھکا کے دیکھ

خاکِ در

منکدِ باشم کہ براں خاطرِ عاطرِ گدزم حافظ لطفِ مایکئی اے خاکِ درتِ تاجِ سر
 خاکِ ساری کے لئے مجھ کو بنایا بخت اگر ظفر کاشِ خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

کوئے یار میں عاشق کی صدا

کجا نصیب کہ چینم گلے زِ بتاش — غنیمت است مرا نکمتِ گلشن
 کیس جو بولا کسا کہ یہ آواز میر اُسی خانہِ حنراب کی سی ہے
 / فقیرانہ آئے صدا کہ چلے میر درد میاں خوش رہو ہم دعا کہ چلے

یہ تیری خوشی بھیک دے یا نہ دے تیرے در پہ سائل صدا کر چلے
 بنا کر فیروں کا ہم بھیس غالب غائب تماشا ئے اہل کرم دیکھتے ہیں
 ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا دل اور درویش کی صدا کیلے
 وہ اپنے در کے فیروں سے پوچھتے بھی نہیں نقش کہ تم لگائے ہو کس کی آس بیٹھے ہو
 ہاں جلوہ گر ہو تجھ پہ پنچا ور کے واسطے اثر کھنڈی صبح دیدہ پھول بھرے ہے کنار میں
 اُن کی طرف بھی دیکھ ذرا اے گدا نواز طالب ہے پورا دامن جو تیرے سامنے پھیلا کے رو گئے

محفل دوست

سوئے اغیار ہی دیدن سانی دیدم نسبتی من گل گشتم و اغیار خجسل یا رخسل
 پس از عمرے کہ در برش بصد تقریب نشینم سخن از مدعائے من کند تا زود بر خیزم
 بوئے گل نال دل دو چراغ محفل بیدل ہر کہ از بزم تو بر خاست پریشان بر خاست
 پاس خاطر باچہ باشد؟ احتیاط شیشہا یہ خبر بگدای درد سر بسیار دارد صاحب محفل شدن
 نواب شاہجہان بیگم شاہجہان والی بھوپال

فدائے طالع خویشم شبے در انجمنش کہ مست بودم و از مستیم سخن میرفت
 رات محفل میں تھے حسن کے شعلے کے حضور میر درد شمع کے رخ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
 شمع کے مانند ہم اس بزم میں دل چہم تر آئے تھے دامن تر چلے
 یوں اٹھے وہ بزم میں تعظیم کو غیروں کی ہائے جرات
 ہم نشین تو بیٹھیاں ہم سے نہ بیٹھا جائے گا
 جو کوئی آئے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے تھے دل ہم کہاں تک تھے پہلو سے سرکتے جائیں

ایسی مجلس میں گذرا اپنا ہوا ہے کہ جہاں متعین بات تو کیا کہ اشارات کا مقدور نہیں
 کیا قیامت ہے کہ وہ سامنے بیٹھے ہیں کہ اور مجھے حرف و حکایات کا مقدور نہیں
 آگیا محفل میں جب وہ سلسلہ و نظیر اکبر آباد شمع تو بس ہو گئی جل کر تلاف
 ساتی بھی یوں جام لے کر رہ گیا جس طرح تصویر ہو ساغر بکف
 بزم میں اس کی نہ ہنستے ہیں نہ رو سکتے ہیں افسوس چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں
 آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے آتش میں جا ہی ڈھونڈ تا تری محفل میں رہ گیا
 کوئی تو ہے گل چہرہ کوئی سر در رواں ہے عشقی دیکھا تو یہاں ایک سے ایک آفت جاں
 دے ساتی نے مجھ کو چند جام آہستہ آہستہ ہوئی یہ بزم مے مجھ پر تمام آہستہ آہستہ
 یہ نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائیگا مومن ہم یہ سمجھے تھے چلے آئی گئے دم بھر دیکھ کر
 آپ کی کون سی بڑھی عسرت مومن میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
 محفل میں تم اختیار کو ذر ذرہ نظر سے دلا منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
 ہم اپنے جذبہ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں ذوق وہ پہلے بزم میں دیکھیں کہ ہر کو دیکھتے ہیں
 وہ دیکھیں بزم میں پہلے کہ ہر کو دیکھتے ہیں محبت آج تر ہے ہم اثر کو دیکھتے ہیں
 بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی ظفر جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی
 گر نہیں ہے بڑا کچھ باہم تو پھر محفل میں شب دلا تم انھیں اور وہ تمہیں کیوں لے ظفر دیکھا کئے
 بوئے گل، نالہ دل، دود چیراغ محفل غالب جو تری بزم سے نکلا وہ پریشان نکلا
 نہ پوچھو میرے آنے کا سبب تم نظام میں خود حیراں ہوں اس محفل میں آکر
 کیا جانئے کیا لطف ہے حلیم کے ادھر آج منیر جاتی ہے تو پھر کہ نہیں آتی ہے نظر آج
 بزم میں ات کو غیروں سے اشارے دیکھے نسخ دیدہ یار کرشمے ترے سارے دیکھے

حشر کو مانتا ہوں بے دیکھے اتور ہائے ہنگامہ اس کی محفل کا
 اے اہل بزم مجھ کو اٹھاؤ نہ بزم سے اتیر شمع سحر ہوں عمر بیاں رسیدہ ہوں
 اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں دل مشعل دکھائی برق تجلی نے راہ میں
 اپنی محفل سے عبث ہم کو اٹھائے ہیں حصو ولا چپکے بیٹھے ہیں بجلا آپ کا کیا لیتے ہیں
 آج محفل سے تم آئے ہو اٹھانے مجھ کو ولا ہائے وہ دن کہ جب اٹھتے تھے بٹھانے مجھ کو

پہلے تو مجھے کہا نکالو ولا پھر بولے غریب ہے بلا لو
 مقام وجد ہے لے دل کہ بزم یار میں آئے ولا بڑے دربار میں ہوئے بڑی سرکاریں آئے

ترک موالات کا زمانہ تھا، راقم انخروفت علی گڑھ میں زیر تعلیم تھا، ہاتما گاندھی کالج میں
 تشریف لائے، مقصد یہ تھا کہ طلبا کالج کو چھوڑ دیں کیونکہ کالج گورنمنٹ سے ملتا
 تھا اور اس میں اس قسم کی تعلیم نہ دی جاتی تھی جس قسم کی تعلیم ہاتما جی چاہتے تھے، یونین میں
 جلسہ ہوا، جوش و خروش سے بھرے ہوئے طلبا کو علاوہ ہاتما جی کے اوروں نے بھی مخاطب
 کیا، مولانا شوکت علی کی تقریر کا سب سے زیادہ اثر ہوا، کیونکہ انھوں نے اپنی تقریر
 کا آغاز امیر کے اس شعر سے کیا :۔

بزم عشاق ہے کیا جانے کدھر دیکھیں گے

دل تو دیتا ہے گواہی کہ ادھر دیکھیں گے

جب وہ "ادھر دیکھیں گے" کے ٹکڑے کو ادا کرتے تھے تو کبھی ہاتما جی کی طرف

اشارہ کرتے تھے کبھی اپنی طرف، وہ سماں بھی دیکھنے کا تھا،

اٹھنا ہی تیری بزم سے دشوار تھا مجھے داغ اس پر سنبھالنا دل بے اختیار کا
 اب بزم میں اُس کو بھی نہیں دیکھنا کوئی خلش آپس میں سب اک اک کی نظر دیکھ رہے ہیں

غیر نکلا نہ تیری محفل سے خجھر کیا یہ ارمان تھا مرے دل کا
محفل میں تیری آ کے یہ بے آبرو ہوئے — پہلے تھے آپ، آپ سے تم سے تو پہلے
ہاں اے نگاہ شوق مناسبت احتیاط — ایسا نہ ہو کہ بزم میں چرچا کرے کوئی
یہ تلچھٹ اور ہم قدرت خدا کی تسلیم ذرا اوسانی محفل سمجھ کر
حالی سرورِ نعمہ و مے چاہتے ہو تم حالی آئے ہو وقت صبح ہے رات بھر کہا
بہت لگتا ہے دل محفل میں اُس کی دل وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

انگریزی میں ایک مثل ہے ”ہی ایز ان انسٹیوشن بائی ہم سلف“ قارئین ملاحظہ

فرمائیں کہ خواجہ حالی نے اس مثل کا ترجمہ کس خوبی سے کیا ہے، ممکن ہے اس شعر میں

روے سخنِ مرید کی طرف ہو، وہ غریبوں کے مجموعہ تھے

سلام آج سے بس ہمارا ہے صاحب دل، تمہارا اگر رنگ محفل یہی ہے
ہم گرے جب لڑکھڑا کر بزم میں ریاض سرسبو پر ہاتھ ساغر پر گرا
وہ کن انکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا بزم میں بوئی عبد الحمید وہ تڑپ کر مائے رجا نا کسی ناشاد کا
نتیجہ تم نے دیکھا دل جلوں پر ظلم کرنے کا جلیں تمہاری بزم پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے
کسی کا وہ اترا کے چلنا کہیں بے نظیر شاہ کسی کا وہ گر کر سنبھلنا کہیں

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام حسرت دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام
ستم اغیار کا سہنا مجھے چنداں نہ مشکل تھا وحشت اٹھایا جس نے محفل سے مجھے و تیرا تیر تھا
اپنا اپنا ذوق اپنی اپنی طرزِ زندگی شرارِ کھنڈی ہم کو خاموشی انہیں ہنگامہ محفلِ عزیز
آلودہ عتاب سہی پر زہے نصیب ظفر علی خان محفل میں مجھ پہ پڑ تو رہی ہے نظر تیری
سکوت بے محل تقریر بے موقع کی تہمت کیوں رواں اٹھانا ہے تو یوں ہم کو اٹھا دو اپنی محفل سے

آوارگانِ دشتِ بلا پر بھی اک نظر محروم چشمِ امید لے کے جو محفل میں آگئے
 لرزے تموج تھا اک اک خطِ پیمانہ فانی محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے لنگر لائی
 ہمیں جب نہ ہونگے تو کیا رنگ محفل جگر مراد آبادی کسے دیکھ کر آپ شرمانیگا
 کوئی آتما ہے تو آئے کوئی جاتا ہے تو جائے ولا تری محفل میں کسی کا نہیں سا کوئی
 ہائے بیچارگیِ عشق کہ اُس محفل میں ولا سر جھکائے نہ بنے آنکھ اٹھائے نہ بنے
 اُس نے یوں دیکھا مجھے گویا کہ دیکھا ہی نہیں منیر پھر بھی مجھ تک اک پیامِ ناتمام آ ہی گیا
 چلے تھے ایک نظر تیری بزمِ دیکھ آئیں رضا کھنوی یہاں جو آئے تو بے اختیار بیٹھ گئے
 لے کے ہینچا اضطرابِ دل کہاں نشرِ تھگامی میں کہاں اُس شوخ کی محفل کہاں
 میں تو خود اُٹھنے کو ہوں بدلو نہ اندازِ نظر احسانِ ایش تم جو کہتے ہچکچاتے ہو وہ میرے دل میں سے
 نہیں تخصیصِ محفل میں کسی کی انجمِ فانی بدایونی مگر تا کید ہے انجم نہ آئیں

شمع و پروانہ

غیمتے شمرائے شمع وصلِ پروانہ حافظ کہ ایں معاملۂ تا صبح دم نخواہد ماند
 ویدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را دل چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند
 سوزِ او در کعبہ و بتخانہ کیساں دیدہ ام — من نمیدانم کہ ہندو یا مسلمانست شمع
 پروانہ نیکِ الفت کہ در پیشِ شمع سوخت شکیلی آگہ نشد کہ سوختنِ غائبانہ چیست
 کارِ پروانہ کارِ آسانست نسبتی بلبلاں منکرِ سوختنِ مکنید
 راز پوشیدنِ نیاید دانش از بیتابِ عشق رضی دانش در میانِ انجمنِ پروانہ خاکستر شود
 احوالِ شب از شمع سحر گاہ چہ پرسی بیگانہ از سوختگانِ قصہ جانگاہ چہ پرسی

بہ لورج شہید پروانہ ایں رسم دیدم — کہ آتشے کہ مرا سوخت خویش را ہم سوخت
 ہر تار نہ پیراہن فانوس کندیت — گستاخی پروانہ نہ از بال و پراوست
 رات پروانہ کی اُلفت سستی روتے روتے سراج الدین ^{چا} شمع نے جان دیا صبح کے ہوتے ہوتے
 رات بھر شمع سر کو دھنتی رہی تیر کیا پتنگوں نے التماس کیا
 پھر نہ دیکھا کچھ بجز اک شعلہ پُریچ ویا۔ شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروا گیا
 گر پتنگوں کے جلانے کا سبب ہوتی ہے شمع بیان تو اُنھوں کے غم میں اپنی جان بھی کھوتی ہے شمع
 سوز پروانہ ہویدا ہے سبقت پر سبقت پر کسی پر نہیں ظاہر غم نہ پانی شمع
 شوخ (گناہیگم محل نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہاء)

شمع کی طرح کون رو جانے جس کے جی کو لگی ہو سو جانے
 محفل کے بیچ سن کے مرے درد دل کا حال تاباں بے اختیار شمع کے آنسو دھلک پڑے
 گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے آتش سر چڑھتا ہے موت آئی ہے دیوانہ ہوا ہے
 اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات ذوق ہنس کر گزارا یا اسے رو کر گزادے
 غم ہستی کا آسہ کس سے ہو جز مرگ علاج غالب شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم ولہ ہو غم ہی جاگداز تو غم مخوار کیا کریں
 داغ و سراق صحبت شب کی جلی ہوئی ولہ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
 اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے عیش تھوڑی سی رہ گئی ہے اُسے بھی گزارے
 پھونک دیتی کیوں نہ پروانے کو شمع آہر پیار کرنے کو سر محفل گیا
 شب کو یہ جذب محبت کا تماشا دیکھا محسن کا کوری شمع پروانے کے ساتھ اُڑ گئی جگنو ہوا کہ
 تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باہو ہا اسی غازی پوری یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

نہ شمع انجن سمجھی نہ اہل انجن سمجھے — کہ جب پہلی کرن پھوٹی تو پروانے پہ کیا گزر سکے
جان دے کر نہ کہے آہ بہت مشکل ہے — عشق کرنے کو جگر چاہیے پروانے کا
فروغ شمع جو ہے وہ رہیگا صبح محشر تک — مگر محفل نو پروانوں کے خالی ہوتی جاتی ہے
چند گھڑیاں شمع پروانے کی اچھی کٹ گئیں — جلوہ تیرے حسن کا جب تک سر محفل تھا
بدگمانی جو ہوئی بزم میں پروانے کو — شمع نے آگ رکھی سر پہ مستم کھانے کو
دیکھ لو شمع پہ جلتے ہوئے پروانے کو جلیں ایسے ہوتے ہیں جو ہوتے ہیں محبت والے
انداز ہیں جذب اس میں سب شمع شبساں کے اصغر اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ
اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح ناطق کھنوی میں نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح
دم طوف کر ملک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کمین

اقبال

نہ تیری حکایت سوز میں نہ میری حدیث گداز میں

فنا ہونے میں سوزِ شمع کی منت کشی کسی شئی غبت لئے نظر جلتے جو آگ میں اپنی اُسے پروانہ کہتے ہیں
وہ سوز و سازِ محبت کا آخری منظر اثرِ کھنوی کنارِ شمع فسدہ مزارِ پروانہ
خانوس کے پردے میں لو شمع کی تھرائی دلا اللہ سے اندازِ جاں سوزی پروانہ
خاکستر پروانہ میں اک آگِ بی ہے دلا اے بادِ صبا دیکھ کے دامن کی ہوائے ✓
خاکستر پروانہ میں جو سوز نہاں ہے سیما جب چاہے پھر اس خاک کو پروانہ بنا دے ✓
اب جفا ہے نہ وفا یادِ وصال باقی ہے فانی تھی جہاں شمع وہاں خاک ہے پروانے کی ✓
کچھ کھیل نہ تھا یوں بھی پروانے کا جھلنا دلا جل کر نہ بچھے ایسے پروانے کو کیا کہیے
اور ہی کچھ کہہ رہے رنگِ بیتاب آج جگر مراد آباد اُڑنے جائے شمع کو لے کر کہیں پروانہ آج
رورود کے گزاری شبِ غم شمع نے لیکن فانی نیند آہی گئی جنبشِ دامن سحر سے

یوں خاک کیا پھونکے پرانوں کو جس نے جعفر سہا زبوا اُس آگ سے خود شمع بھی محفوظ نہیں ہے
دیوانہ نہیں جان پر اپنی جو نہ کھیلے شیم خیر آبادی چومے جو نہ منہ شمع کا پڑا نہ نہیں ہے
مل گئی داد غم زبیت کی دیوانے کو خمار شمع کی گود میں موت آئی ہے پرانے کو

وصل

خوش آنِ ماں کہ برویش نظر نفقہ کنیم خسرو چوسوئے من نگر دمن نطنر گبر دیم
ہر کس خنمے کشیدہ در مجلس وصالش دل چوں دور خسرو آمد جام و سبونہ ماند
متاع وصل جاناں بس گرانست دل گرایں سودا بجاس بوجے چہ بودے
دیدار شد میسر و بوس و کنار ہم حافظ از بخت شکر دارم و از کردگار ہم
بفراغ دل زمانے نظر کرے باہرے دل بہ از آنکہ چشما ہی ہمہ روز دہاے دہو
خوشا وقتے و حسرت روزگار جانی کہ یائے بر خورد از وصل یائے
با خود آں شوخ ہم شرا ہم کرد ایجاد ذرہ بودیم آفتابم کرد
عہد وصل سزوقد سے ہیں مے گھر شادیاں سراج عالم بالاسے آتی ہیں مبارکبادیاں

✓ میں ہوں اور خلوت ہے او پیش نظر معشوق ہے
ہے تو بیداری و لے کچھ دیکھتا ہوں خواب مصحفی

میرا اور اُس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق نظیر کبریا اُس نے مجھے رولا دیا میں نے اُسے ہنسایا
یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں امیر خدا جانے کل تم کہاں ہم کہاں
وصل کا دن اور اتنا مختصر در دن گئے جاتے تھے اس دن کے لئے
یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر حال نھا اُن کو مجھ سے ربط مگر اس قدر کہاں

آسی گریاں ملا محبوب سے آسی غازی پور گل سے رو کر جس طرح شبنم ملے
 جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں — سب مزے دکنار ہوتے ہیں
 اٹھ کے پہلو سے چلے جائینگے وہ عزیز دل سے ہم سے گفتگورہ جائیگی
 آپ ہیں ہم ہیں ہے مسافتی ہے نوح نادی یہ بھی اک امر اتفاتی ہے
 آنکھوں میں روئے یار ہے آنکھیں ہیں روئے یار پر
 ذرہ ہے آفتاب پر ذرے میں آفتاب
 خوش نظارہ رخسار یار کی ساعت فیض خوشا قرار دل سمیت رار کا موسم

شب وصل

مر ا راحت از زندگی دوش بود سدی کہ آں ماہ رویم در آغوش بود
 بہ دیدار و گفتار جاں پرورش سراپائے من دیدہ و گوش بود
 مؤذن غلط گفت بانگ نماز مگر ہم چو من ست و نہ ہوش بود
 نگویم اے فلک از کج رویایت تو برگردی فیضی شب وصل امشب اندکے آہستہ نر گردی
 ز ہمتاب رخسار کا شام روشن شد امشب اگر وقت طلوعت آید اے خورشید برگردی
 نمائند گریہ شب وصل بے مستراں را دل سہیل طلعت آں ماہ بُرد باران را
 می شنیدم یار من فردا رود راہِ شتاب — یا الہی تا قیامت بر نیاید آفتاب
 سروِ نالہ دل بود شب جاییکہ من بودم یکس بہر سو رقص سہل بود شب جاییکہ من بودم
 پری پیکر نگاہے سرو بالا لالہ رخسارے سر پایا آفت دل بود شب جاییکہ من بودم
 کٹی رات حرف و حکایات میں حیرن سحر ہو گئی بات کی بات میں

ہ بادۂ شبانہ کی سرستیاں کہاں غالب اٹھئے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحرگئی
 اشقت زلف چاک قبا نیم باز چشم شیفہ ہیں صحبتِ شبانہ کے ظاہرِ نشاں ہنوز
 شبِ وصال بہت کم ہے آسمانِ گہو آئیر کہ جوڑے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا
 بہت ہی مختصر ہے وصل کی شب کچھ تو بڑھ جائے

مری خاطر سے دم بھر کھول دو زلفِ پریشاں کو دلہ
 شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی دلہ کہ آتے ہی آتے سحر ہو گئی
 شبِ وصل ضد میں بسر ہو گئی داغ نہیں ہوتے ہوتے سحر ہو گئی
 چونکا رہا ہوں وصل کی شب چمکتے نہیں جلال کچھ نیند ہے شباب کی کچھ خوابِ ناز ہے
 ہم بھی تپیں تمہیں بھی پلائیں تمام رات ریاض جاگیں تمام رات جگائیں تمام رات

مُرخِ سحر

سنا کہ آستارِ سحرِ مرغِ سحر کو نہیں معلوم — پٹے رہو سینے سے ابھی ات بڑی ہے

موذن

دی موذن نے اذانِ وصل کی شب بچھلی راٹ — ہائے بکھت کو کس وقت خدا یاد آیا

مُرخصت

حیف در پیرم زدن صحبت یا آخر شد — روئے گل سیرِ ندیم و بہارِ آخر شد
 یہ کس کو خبر ہے اب کے پھڑے میرسن کیا جانئے اُس سے کب ملیں گے

✓ جان و دل ہیں اُداس سے میرے دل اُٹھ گیا کون پاس سے میرے ✓

✓ شاید اُٹھنے کا تم نے قصد کیا اُڑ چلے کچھ حواس سے میرے ✓

گئے تھے ملنے کو شاید جھڑک دیا اُس نے نظیر اکبر آباد میاں نظیر تو کچھ شرمسار آتے ہیں

بیہم سجدہ پائے صنم پر دم و دواعِ مومن مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

تھام لوں دل کو ذرا ہاتھوں سے دَیِر ابھی پہلو سے نہ اُٹھ جائیگا

وہ چھٹے ہم سے جس کو پیار کریں مرزا شوق جبر کیوں کر یہ اختیار کریں

پھر ملاقات دیکھیں ہو کہ نہ ہو آج دل کھول کر گلے مل لو

حشر تک پھر یہ ہو گی بات کہاں ہم کہاں تم کہاں یہ رات کہاں

یاد اتنی تمہیں دلاستے جائیں پان کل کے لئے لگاتے جاتیں

چین دل کو نہ آئیگا تجھ بن اب کے بچھڑے یلنگے حشر کے دن

کسی صورت تو دل کو شاد کرنا نیم دہوی ہمیں دشمن سمجھ کر یاد کرنا

جان پر ہم بھی کھیلے بیٹھے ہیں مُشتری اُٹھ کے پہلو سے جاتے تو سہی

میں کچھ اس طرح تیرے در سے پلٹ کر آیا محوِ رامپوری کہ مجھے دیکھ کے غیروں کا بھی جی بھر آیا

وقت رخصت آنسوؤں کا تار رہنے دیجئے — آپ جھوٹے موتیوں کا ہار رہنے دیجئے

وقت رخصت موتیوں کا ہار رہنے دیجئے — آنسوؤں میں گیسوؤں کا تار رہنے دیجئے

تم سے چھڑا رہا ہے زمانہ بہاریں

کیا دخل ہے مشیت پر وردگاریں

ہجر

بشنوا ز نے چوں حکایت می کنند مولانا دم و ز جہاں ہاشکایت می کند
 درد مارا نیست در ماں الغیث حافظ ہجر مارا نیست پایاں الغیث
 زبانِ خامہ ندارد سربیانِ فراق و گرنہ شرح دہم باتو داستانِ فراق
 فراق و ہجر کہ آورد در جہاں یارب کہ یوے ہجر سیہ باد و خانمانِ فراق
 مباد کس چوں خستہ مبتلائے فراق و کہ عمر من ہمہ بگذشت در بلائے فراق
 عمرِ سراقِ یاربہ پایاں نمی رسد — در دم ز حد گذشت و بدر ماں نمی رسد
 ہجرت ز وصل غیر خبر می دہد مرا — مرگم نوید مرگِ دگر می دہد مرا
 گر بمانیم زندہ بر دوزیم — دامنے کز فراق چاک شدہ
 و بر میریم عذر ما پسندید — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
 نمی گویم کہ از زندان ہجر آزاد کن مارا شاید ظہران اگر جائے گرفتارے بہ بینی یاد کن مارا
 از ہجر گر چہ نیست بلائے بتروے صیدی بدتر ز ہجر از غم ہجر اس نہ مردن است
 نالگندہ است مرا بخت بد از یار جدا عصمتی غم جدائی کشدم چرخ ستمگار جدا
 نازکدن ایک سحر طراز رقاصہ تھی، صاحبِ طرز دانش "کابیان ہے کہ ایک دفعہ
 شاہجہان آباد میں محفلِ رقص آراستہ ہوئی، نازکدن نے وہ وجد آفرین غزل گائی

جس کے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں : —

مارا بہ غم زہ کشت و قضا را بہسانہ خست
 خود سوئے ماندید و جیارا بہسانہ خست

زاہد نہ داشت تاب جمالِ پری نِہاں
کُنجے گرفت و یادِ خدا را بہانہ سناخت
رفتہ بہ مسجد سے نظرِ اُردہ رخ
دستے برو کشید و دُعا را بہانہ سناخت
دستے بدوش غیر نہاد از سہرِ کرم
مار اچو دید لغزشش پا را بہانہ سناخت

آخری شعر کچھ اس ادا سے ادا کیا کہ مغل تڑپ اٹھی، مغل میں ایک غریب الوطن نوجوان بھی تھا، اس پر بخودی طاری ہوئی، تڑپا اور تڑپ کر قاصد کے قدموں کے قریب گر اُس کی رُوحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، اس کے جنازے کے ساتھ جم غفیر تھا، باز کبیدن سے پیچھے تھی، بعد تدفین اُس نے شرکارِ جنازہ سے دُعا و مغفرت کی اجازت مانگی اجازت پا کر مزار کے پہلو میں بیٹھ گئی، رمی دُعا کے بعد پُرسوز لہجیس یہ شعر پڑھا: ۴۴

بے تو غم تلخ شادمانی تلخ
مرگِ ہم تلخ زندگانی تلخ

اور اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی، حاضرین نے اُس کی بھی تجمیز و تکفین کی اور اُسے نوجوان کے مزار کے پہلو میں دفن کیا،

بے تو بر فرسِ گلِ زیتابی غنی مُرغِ درخونِ تپیدہ را مانم
بیا کہ بے تو ز سرِ مایہِ حیاتِ مرا زبِ النساءِ ز دیدہ ماند نگاہے و بر زباںِ مٹھنے
زاہد گو عذابِ عذابِ قیامت است — ہجرانِ ندیدہ کہ بدانی عذابِ چسیت
ز ہر غمِ ہجر تو بجاں کارِ گرفتادِ حزین امیدِ وصالِ تو بے سرِ دگر افتاد
پیا باجِ پیا لہ پیا جلے نا محرقیِ قطبِ شاہِ پیا باجِ بیکلِ جیا جائے نا
کے تھے پیا بنِ صوری کرو (بادشاہِ گوگندہ) کہا جائے اما کیا جائے نا
جدائی میں تری لے صندلیِ نگ یک رنگ مجھے یہ زندگانی دردِ سر ہے

گوہم سے تم ملے نہ تو ہم کچھ نہ مر گئے قائم کہنے کو بات رہ گئی دن تو گزر گئے
 تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی ان دنوں سودا تو بھی تو اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا
 نے حرف نے شکایت نے شعرونے سخن نے سیرِ باغ و سنہ گل و گلزار دیکھنا
 خاموش اپنے کلبہ احزان میں روز و شب تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
 سحر گہ عید میں دورِ سبوتھا تیر پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا
 گزری ہے شبِ خیال میں غمِ ہاں کے جا گئے ولا آنکھیں لگا کے اُن سے میں ترسوں خواب کو
 کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب سمجھاؤں کب تک اس دلِ خانہ خراب کو

ایک شب بیٹھے تھے جس گھر میں کبھی یار سے مل
 روز روتے ہیں وہاں کے در و دیوار سے مل
 اُس کو مجھ سے جدا کیا تو نے رستم اے فلک ہائے کیا کیا تو نے

روتے ہی اس کو گزری ہے ہجر میں تیرے ات من
 حال میں کیا بیاں کروں حسرتِ بے قرار کا مرزا جعفر علی حسرت
 تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیرِ باغ کو ہدایت لگتی ہے ٹھیس نگہتِ گل سے دماغ کو
 اس بن جہان کچھ نظر آتا ہی اور ہے جرات گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں
 بن دیکھے جس کے پل میں آنکھیں بھرا آئیاں ہوں
 کیا قہر ہے جو اُس سے برسوں جدا کیا ہوں مصحفی

ہجر میں وصل جاودانی ہے ولا ہجر عاشق کی زندگانی ہے
 دن بھی دراز رات بھی ہو گئے ہجر یار میں موت کا ہے سے فرق آگیا گردشِ روزگار میں
 نہ بناتا جو دن جدائی کا بیمار کیا بگڑتا تری جدائی کا

صبحِ رورو کے شام ہوتی ہے ظفر شبِ تڑپ کر تمام ہوتی ہے ✓
 فرقت میں کیوں تھا کسی کروٹ مجھے قرار امیر کیا دونوں پہلوؤں میں دلِ نا صبور تھا
 کرنی پڑیں سراق میں تیماراں داغ ہاتھوں میں ساری اُلتِ دلِ نا صبور تھا
 فرما نہ پوچھ سختی ہجرِ محسن حسن دن آج پہاڑ سا کٹا ہے
 وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پر اکبر الہ آبادی بہت روئے مگر اس سے ہوا کیا

دن رات کی یہ چینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
 آتار بُرے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

دل

ہم اور سیرِ لالہ و گلِ بحیرا میں شاد کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں
 کرتے تھے کبھی حوصلہ ترکِ محبتِ حرّت اب صدمہ دوری بھی اٹھایا نہیں جاتا
 تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب باتیں جوہر اب ہونے لگیں اُن سے خلوت کی طلاقیں
 اب جدائی میں یاد آتی ہے اُسی آدنی گفتگو بات پر تیری
 غمِ فرقت ہے ابتداء دل کی قافی مالکِ علم ابتداء کی قسم
 تے فراق میں حالتِ تباہ سی ہے تباہ دل نہ دل یہ ہاتھ نہ اب سچے آسمان ہے نگاہ
 ہجر میں ہم تڑپ تو لیتے ہیں — کیا خبر اُن پہ کیا گذرتی ہے ✓
 ہجر میں اُن کے پیار کی باتیں علی ہیں حُسنِ ان میں بہار کی باتیں ✓

شامِ ہجر

مرزا محمد سلیمان شکوہ سیلوان

اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے شبِ ہجران کی شام کا عالم

سرِ شوریدہ پائے دشتِ پاشامِ حیراں ہے ناسخِ بیاباں میں کبھی گھر ہے کبھی گھر میں بیاباں ہے
 شام ہی سے دلِ بیتاب ہے ذوقِ یہ حال ذوقِ ہے ابھی رات پڑی چار پہر کاٹنے کو
 ہمیں تو شامِ غم میں کاٹی ہے زندگی اپنی ————— جہاں وہ ہوئے ہیں لے چاند لے جا چاندنی اپنی
 ناک کیا ہاں اک دھواں سا شامِ حیراں فانی بسترِ بیمار سے اٹھا کیا
 تم شامِ شبِ فرقت بے ساختہ آنکھ لے ————— یا کفر کے پردے سے ایسا نکل آیا

شبِ ہجر

شبِ تنہائیم در قصہِ رجاں بود حافظِ خیالِش لطفِ لے بیکراں کرد

(مرزا عکری (برادر شہنشاہِ ہاپو)

چناں بے خود شدُم از دوریِ آن گلزارِ شب
 کہ ہر دم گر بہارِ و مید بہ بے اختیارِ شب
 عرفی گو بہ تیرہ شبِ ہجر حرفِ مے عرفی حرفے است آنکہ در شبِ متابِ گفتنی ست
 ہنرِ گاہش برین سوختہ در روزِ وصال ————— در شبِ ہجر بلائیت کہ من می دانم
 گویند روزِ حشرِ بیاں نمی رسد ————— صد روزِ آن بیک شبِ ہجرِ نمی رسد
 بر ما مگر تو رسمِ کنی در نہ آفتاب ————— شبہائے ہجر را نتواند سحر کند
 بر زبانِ ارمِ شبِ ہجر ایں تسکینِ دلِ عہدی گفتگو ہائے کہ روزِ وصال با ما کرد
 بہ چیزے کہ شبِ ہجر ایں خود شادی کرد عاشقی جفا ہائے کہ بر ما کہ وہ بودی یاد می کردم
 کس طرح کو کہن پہ گذریں گی سجادِ ہجر میں یہ پہاڑی را ہیں

میر نے اس شعر پر اصلاح دی اور یوں کر دیا: سہ

ہجر شیریں میں کیونکہ کاٹے گا کوہکن یہ پسارسی راتیں
 سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے شاہ حاتم رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے
 شاہ حاتم نے یہ شعر خواب میں کہا تھا، بیدار ہوئے تو شعر یاد رہا، وہ روزانہ بکیتہ شاہ
 تسلیم میں جایا کرتے تھے جہاں اُن کے شاگرد جمع ہوتے تھے، شاگردوں کو انھوں نے یہ
 شعر سنایا، رنگین نے دنیائے شاعری میں حال ہی قدم رکھا تھا، مگر طبیعت میں شوخی تھی
 انھوں نے کہا اگر دوسرا مصرعہ یوں ہو تو بہتر ہے: ۵

ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے
 جلوت میں شاہ صاحب نے رنگین کی تعریف کی مگر خلوت میں کہا کہ نہاری یہ حرکت ادب
 کے خلاف تھی، (ملاحظہ ہو مجالس رنگین) جو لطف شاہ صاحب کے مصرعے میں ہے
 وہ رنگین کے مصرعے میں کہاں!

مت پوچھ مجھ سے رات کئی کیونکہ تجھ بغیر	سودا	اس گفت گو سے فائدہ پیارے گزر گئی
کسی کی شب وصل سوتے کٹے	میر	کسی کی شب ہجر روتے کٹے ✓
ہماری شب کیسی شب ہے کیا باز		نہ سوتے کٹے اور نہ روتے کٹے
مت آئیوے وعدہ فراموش تو اب بھی	بیان	جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی
نہیں ملتی کسی عنوان سر سے	ہو بیگم	شب غم بھی کوئی کالی بلا ہے
دن کٹا جس طرح کٹا لیکن	میراث	رات کتنی نطسہ نہیں آتی ✓
کل شب وصل کی کیا جلد کٹی تھیں گھر ٹاں	محبت	آج کیا مر گئے گھر ٹیال بجانے والے
یار کا صبح تک ہے وعدہ وصل	مصحفی	ایک شب اور بھی جئے ہی بنی
اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے	ناسخ	آج آتی شبِ وقت میں تو احسان ہوتا

صبح ہوتی نظر آتی نہیں ہرگز آتش آتش بڑھ گئی روزِ قیامت سے مگر آج کی رات
 پر درد کوئی شعر پڑھا آؤ سرد کی ہر تمنوں اس شعلہ میں رات ہماری گزری
 آگے آنکھوں کے اندھیرا ہے شرم سے گرم گرم دیکھتے ہوتی ہے کس طرح سحر آج کی رات
 تانہ پڑے کہیں لال آپ کے خوابِ ناز میں مومن ہم نہیں چاہتے کی اپنی شبِ دراز میں
 تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے دل کل تو ہم خوابِ عدم میں شبِ بھراں ہونگے
 شبِ بھراں بسر نہیں ہوتی ذوق نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی

بھجر کی شب ایک تو یوں ہی نہیں آتی ہے نیند
 اور بک بک سے تری ناصح اڑی جاتی ہے نیند

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری داغِ غیر کی ہو کے ہے یا شبِ فرقت میری
 عمر شاید نہ کرے آج ونا حالی کا ثنا ہے شبِ تنہائی کا

رات ہے رات تو بس مردِ خوش اوقات کی رات
 گریہ شوق کی یا ذوقِ مساجات کی رات

آسی غازی پوری

نہیں کٹتی نہیں کٹی شبِ غم ————— نہیں ہوتی نہیں ہوتی سحر آج
 ترپا ہے کیا کیسا دل بیتہ رات نازِ گذرے کسی پہ ایسی نہ پروردگار رات
 یوں ہی فسانہ شبِ بھراں طویل تھا ————— پھر اس پنج پنج میں یہ داستانِ دل
 خیالِ شبِ غم سے گھبرا رہے ہیں ریاضِ ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں
 سحر تک کیا ہمارا حال ہوگا فوجِ ناروی خدا جانے ابھی ہے رات کتنی

کیونکر بسر ہوئی شبِ فرقت نہ پوچھئے دل سب مجھ سے پوچھئے یہ مصیبت نہ پوچھئے
 جو مجھ پہ گزری شبِ غم دیکھ لے ہمدِ اصغر چمک رہا ہے مژدہ پر ستارہ سحری

شبِ غم کیا خبر دیتی ہیں پیہم چکیاں میری
خداوند! انھیں کیوں یاد آئی ناگماں میری

حسرت

شبِ مسدق کا عالم اے معاذ اللہ قریح چراغِ شام ہی سے جھللاتے جاتے ہیں
یار کے وعدہ فردا کی قسم سچ کہنا مفردِ مزاج کی کل ترے ٹھاٹھ کہاں اے شبِ ہجران ہو
اپنے گھر سے تجھے تنہا تو نہ جانے دینگے — صبح کو ساتھ تھے ہم شبِ ہجران ہونگے

ہاں شبِ ہجران صبح نہ ہو فانی ہاں چلی جائے یادِ زلفِ دراز

کتے کی مری شبِ بڑی راحتوں سے جگر مراد آبادی تری یاد ہوگی تیرا دھیمان ہوگا
بھلا کیوں کر نہ ہوں اتوں کو نیندیں بقرار اسکی اختر شیرانی کبھی لہرا چکی ہوں حق زلفیں شکار اُس کی
ترے فراق کی راتیں اے مساذ اللہ احسانِ دل کبھی کبھی تو ستاروں میں روشنی نہ رہی

چارہ گر

نہ کر چارہ گر منکرِ بخنیہ گری — یہ چاکِ جگر ہے سیا جائے نا

دروہے جاں کی غمِ ہر گز پئے میں ساری تومن چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

کر علاجِ وحشتِ دل چارہ گر دلہ لائے اک جگل مجھے بازار سے

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوستِ ناصح غالب کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

دوستِ غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا دلہ زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھا آئینگے کیا

اے چارہ ساز اتنی ہی مدت ہے رست کی محشر جب تک کہ دردِ عشق ہمارے جگر میں ہے

عشق کی ناکائیوں نے اس قدر کھینچا ہے طول نشی نوبتِ آنے غمخواروں کو اب یار اے غمخواری نہیں

فانی دولے دردِ جگر زہر تو نہیں فانی کیوں ہاتھ کا پینا ہے مے چارہ ساز کا

حالت پہ میری چھوڑ دے اے چار گرجھے بیخود موبانی مرنے نہ دیگی لذت درد جگر مجھے

بیمار

جان لب انصاف نتواند رسید بیگی ما بزورِ ناتوانی زندہ ایم
 رفتہ رفتہ تا بحالم مہرباں گرد و طبیب زہرہ ایس جراح تھا کہ من دارم کن خواہم شدن
 جو طبیب اپنا ہے دل اُس کا کسی پرزار ہے سودا مرزدہ باد لے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے
 یوں خدا کی خدائی برحق ہے میر اثر پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں
 خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی موت خبر ہے لاش پہ اُس بیوفا کے آنے کی
 ہوئے سبھی طرح سے جو ناچار کیا کرے ————— گر موت بھی نہ آئے تو بیمار کیا کرے
 حسرت لے طاقتِ آیام وصالِ جانال ————— آج مجبور ہیں کرٹ بھی بدلنے کے لئے

اب علم بھی مایوس ہے روزِ دین بھی سیر ہے رزقِ اللہ کا واکِ مدتوں برسوں دُعا کی
 دل زندگی سے تنگ ہے جیسے سے سیر ہے ایس پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے
 دکھا دیں تم کو کیا یہ عشق کا آزار ہوتا ہے شفق کیلچو ختام لو گئے دیکھ کر بیمار کی صورت
 کل خدا جانے کہ کیا ہونے کو ہے عبرت گو کھپوڑ آج بھاری رات ہے بیمار پر
 مرگ فانی کو ہے یارب آہ اب کیا انتظار فانی دیر سے پیمانہِ عسر و فاجر بیز ہے
 چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شاد دل کہ اب کی بوئے کفن دامن بہا میں ہے

بسترِ بیمار

بیمیں بیمار اُلفت را کہ بر بسترِ نمی ماند ————— اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

مریضِ عشق او بیمار بر بستر نمی ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند
پیش سے میری قف کشمکش ہزار بستر ہے غالب مراسر رنج بالیں ہے مرا تن با بستر ہے

بیمار کا خطابِ حکیم سے

از سرِ بالین من برخیز اے نادانِ طبیب خسرو درد مندِ عشق را دار و بجز دیدار نیست
نل گفت کہ اے طبیبِ نادان فیفی رنجم مفراے با مدادان
آگاہِ نئی تپِ دروں را نشتر چہ زنی رگِ جنوں را

عیادت

می نوازی بندہ را یا می کشتی سعدی نمی شبی یک نفس یا می روی
چہ بنا ز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مند — کہ بوقتِ جاں سپردن بہ سرش سید با ش
و حشی یزدی اپنے محبوب کی جدائی میں مرض الموت میں گرفتار ہوا، محبوب کو اطلاع ہوئی
تو وہ بے حد متاثر ہوا اور عیادت کو آیا، و حشی یزدی نے انتہائے شوق و حسرت میں
اپنا سراں کے قدموں پر رکھا اور اپنا یہ شعر پڑھا: ۷

ببالیں آمدی در وقتِ مُردن نا توانے را

ازیں زحمت بہ مُردن ساختی مائلِ جمانے را

۷ جے کس تمننا پہ بیمارِ غم میر حسن حسینوں میں بسمِ عیادت نہیں
حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو میر کبھی پاتے بھی ہو مجالِ ہمیں
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم دل سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو غالب فروغِ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے
 ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے مُند پر رونق دل وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
 اک بار اور میری عیادت کو آئیے رنج میرٹھی اچھی طرح سے میں ابھی اچھا نہیں ہوا
 وہ عیادت کو مری آتے ہیں لو اور سُنو داغ آج ہی خوبیِ تفتدیر سے حال اچھا ہے
 آج تک صورتِ مریمِ عسیم کو دکھلائی نہیں توی یہ تو اے جانِ جہاں شانِ مسیحائی نہیں
 آتا ہے ایک رنگ جاتا ہے ایک رنگ اثر کھنڈی لو آئے تھے وہ پُرسش بیمار کے لئے

✓ ہچکیاں بھی مری سُن لو مے نالے تو سُنے

جگر مراد آبادی

ٹھہرو اک نغمہ ابھی اور مے ساز میں ہے

انجام

وعدہ منہ

چوں وعدہ دیدارِ توافاق و محشر زباناں کارم ہمہ افتاد بقدر قیمت
 ہر روز قیامت گزرد و بدل مخفی تا چند توان وعدہ بقدر قیمت
 جیتے جی آئے قیامت تو مزہ ہے ناقب ثاقب کھنوی دیکھ لیس وعدہ منہ داکا وفا ہو جانا
 ہائے وہ وعدہ فردا کی مدد وقتِ اخیر فانی ہائے وہ مطلب دشوار کا آساں ہونا

نگاہ واپس

عجب حسرت سے دیکھا ہے سوئے جاناں دمِ آخر
 رہے گی یاد اُس کو بھی نگاہِ واپسین رسوں
 جو ہنستے آئے تھے بالیں پہ رونے لگے آخر — کچھ اس حسرت تو نے اے نگاہِ واپسین دیکھا
 ہے ہے وہ ضبطِ شوقِ نظارہ دمِ اخیر اثر کھنوی دل چاہتا کہ ہر تھا کہ ہر دیکھتے رہے

تمنہ آخر

روزیکہ ذرہ ذرہ شود استخوانِ خرد باشد ہنوز در دلِ ریشم ہوائے تو

ہچکی

آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں چلنا اللہ تعالیٰ بھولے سے اُس نے یاد کیا ہو عجب نہیں
مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا — نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے
ہچکیوں پر ہو رہا ہے زندگی کا راگ ختم ناطق بھڑوٹھی جھٹکے دے کرتار توڑے جا رہے ہیں ساز کے
دو تین ہچکیوں میں دم نزع کہہ گیا فانی شرح دراز زندگی مختصر کو میں
یہ مانا ہے نیاز عاشقی وہ بے مروت بادی بھلی شری مگر کچھ آج مجھ سے کہہ ہی ہیں ہچکیاں کسی

دم واپسین و وقت نزع

بلم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم خسرو پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد
در بیابان فنا گر چہ بہر سو خطر است حافظ می رود حافظ بیدل بہ تو لائے تو خوش
دم مردن بہ بالینم ہجو مے بود مگفتند دم آخر برب نام خدا نام تو می بردم
رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ — بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ
مرحلے طے ہو چکے ہستی کے سب قصہ تمام — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی ہے بس انتظام ذوق جانب در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آج ہے
کتنا تھا وقت نزع ہر اک سے یہ شیفۃ شفۃ دینا کسی کو دل تو وفا دار دیکھ کر
اُن کا زانو میرا سر مت پوچھ لطف جاگنی قیس آہ یہ لذت نہ جینے میں نہ مر جانے میں ہے
کہ مے نہ اُن سے کوئی کہ خالی نہ جاسکا — وہ چپکے چپکے آنکھوں پر کو سنا مجھے
دم احسن رہی کیا نہ آنا تھا — اور بھی وقت تھے بہانے کے

نہ کھولی آنکھ وقتِ نزعِ حیاتِ مجت نے بیان کسی کا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھ نہیں تھا
 افسوس ہے کہ درد بھی اب چھوڑنا ہے سا — یہ بھی آخر وقت کہیں ہے کہیں نہیں
 کوئی مرضِ غم کا دم واپس نہیں عزیز اک جان ہے سو وہ بھی کہیں ہے کہیں نہیں
 نزع میں یار سے پیان وفا کرتے ہیں ریاض اُس دغا باز سے ہم آج دغا کرتے ہیں
 اک طرف کچھ سوچ کر رونے لگے تیمار دا — اک طرف بیمارِ غم کچھ کہہ کے غافل ہو گیا
 سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی فانی آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا
 باقی رہا نہ کوئی گلہ وقت واپس سیں کیا کہہ گئے وہ اک نگہِ شرمسار میں
 آنسو بھرے ہیں آنکھیں اُس مسرتِ جن کی فحود لبریز کس کی عسر کا پیمانہ ہو گیا
 بات اب امتحان پر آتی مرزا عکری قصہ کوتاہ جان پر آتی
 دم نزع آخر نکل آئے آنسو بیتابِ عظیم کہاں جا کے چو کے وفا کر نیوالے

موت

مگر درمن نشانِ مرگ ظاہر شد کہ می بینم
 عزیزاں را نہانی آستینِ برپیشم ترا مشب و حشی یزدی

زہریت زہرِ مرگ کہ شیریں نمی شود سائب ہر چند تلخ می گذرد روزگارِ عسر
 در روزگارِ عشق تو ما ہم و نہ اشدیم — افسوس از قبیلہٗ مجنوں کسے نہ اند
 قسمتِ نگر کہ کشتہٗ شمشیرِ عشق یافت — مرگے کہ زابداں بہ دعا آرزو کنند
 سرودِ فرست باز آید کہ ناید اقبال نیسے از حجاز آید کہ ناید
 سر آمد روزگارے این فقیہ دگر دانائے راز آید کہ ناید

اُس کو پہونچی خبر کہ جیتا ہوں عزت کسی دشمن سنی سنا ہوگا
 اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کام کیا
 آخر اس بیمارِی دل نے اپنا کام تمام کیا تیر

سب ہوئے رسوا پئے تدبیر ہو جانا سمیت دل تیر تو نکلا مرے سینے سے لیکن جاں سمیت
 وائے ناکامی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا میر درد خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
 شمع کے مانند ہم اس بزم میں دل چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
 یقین کے واقعے کی سن خبر وہ بدگماں بولا یقین دیوانہ تو کچھ ایسا نہ تھا بیمار کیا کیئے
 نا خواب مرگ ذکر تھا اُن کا زبان پر راسخ نیند آگئی ہمیں تو اسی داستان پر
 جان لب تک اچھکی ہے اب گئی اور اب گئی غم دیکھئے کب تک ہمارا آنے والا آئے ہے
 شاید اُن کے درد کی سب منزلیں طے ہو گئیں دل ہے اب ٹھہرا ہوا سینے میں دم گھبرائے ہے
 اٹھ گیا وہ آج سبستی کا سماں چھوڑ کر ذوق تم گئے تھے کل جسے بیمارِ سراں چھوڑ کر
 قابلِ عفو میں آلودہ عصیاں ہولوں امیر اے جس صبر کہ اتنا کہ پشیمان ہولوں
 نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

قدم کیوں نہ لوں بڑھ کے سبک قضا کے شاکر کہ قاصد یہ بھیجا ہوا ہے کسی کا
 صبح ہوئی بیمارِ شبِ غم رختِ رب سے ہوتا ہے
 اب سونے والے جاگ رہے ہیں جاگنے والا سوتا ہے

دیارِ شوق میں نامِ پیار ہے مرگِ حسرت کا حسرت وہ وضعِ پارسا اُس کی وہ عشقِ پاکباز اُس کا
 ہے رشک ایک خلق کو جو ہر کی ہوتی ہے جو ہر یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار سے
 مولانا محمد علی مرحوم کی موت واقعی ویسی ہوئی جیسی انھوں نے پیشین گوئی کی تھی کہاں

مرے اور کہاں دفن ہوئے اور کس شان سے، ایسی موت پر کون رشک نہ کرے گا اور ایسی
موت کو کون پروردگار کی دین نہ کہے گا!

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن جگر مراد آباد! اک مسیحا نفس کی بات گئی

یا وہ تھے خفاہم سے یا ہم ہیں خفا اُن سے
کل اُن کا زمانہ تھا، آج اپنا زمانہ ہے

شریکِ دورِ بزمِ غیر کوئی جانِ لب کوئی فنا کبیں ساغر چھلکتا ہے کبیں لبرِ نرِ سپاہ
وہ سر اٹھائے موجِ فنا آ رہی ہے آج فراقِ گوکھڑی موجِ حیاتِ موت سے ٹکرا رہی ہے آج
جان اس بے تعلقی پر بھی — برہنہ تعلقات گئی

موت کے بعد

خواہی کہ دگر حیات یا ہم سداً یک بار بگو کہ گشتہ ماست
رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد — من مگر شمع چو رفتم بزمِ برہم ختم
عاشقی اور عشق کی باتیں میراث سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں
جان دی راہِ محبت میں الٰہی صد شکر مرزا سلیمان شاہ کوہ بات جو ہم نے کہی تھی سونباہی صد شکر
کہتے ہیں آج ذوقِ جہاں سے گزر گیا ذوق کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے
یہ شعر ذوق نے مرنے سے تین گھنٹے پہلے کہا تھا

غالبِ خستہ کے بغیر کون سا کام بند ہیں غالب روئے زار زار کیا کیجئے ٹائے ٹائے کیوں
نہ ہوئی گرمے مرنے سے تسلی نہ سہی ولہ امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا ولہ کریدتے ہو جواب خاک جستجو کیا ہے

چند تصویرِ تباہ چند حسینوں کے خطوط — بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا
 مرنے کا لطفِ زبیت سے مجھ کو سوا ہوا تمام گھبرا کے اُس کا کہنا کہ ہے ہے یہ کیا ہوا
 تھا بڑا مجسروح پر انت نہیں خروج جس کے مرنے کی مبارکباد ہو
 سانس تھی جب نکلتی جاتی اس تھی تم سے ملنے کی
 بال سارشتہ ایک تھا باقی اب تو وہ بھی ٹوٹ گیا

تھا جنھیں ذوقِ تماشا وہ تو خست ہو گئے اقبال لے کے اب تو وعدہ دیدارِ عام آیا تو کیا
 خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے دل اب نہ وہ میکش ہے باقی نہ میخانے ہے
 مری موت سن کر کیا اس نے ضبطِ جگر مراد آبادی مگر رنگ چسکا فاق ہو گیا

لاش

وہ آئے پیشیاں لاش پر اب موت تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے
 یہ لاش بے کفن آسیدہ جاں کی ہے غالب حقِ مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
 اس بدگمان نے یہ کہا میری لاش حق بریلوی اللہ سے فریب کوئی جانے مر گئے
 شاید کہ آج حسرت جو ہر نکل گئی جوہر اک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دو
 وہ اٹھا شور محشرِ آخری دیدارِ میت پر فانی اب اٹھا چاہتی ہے لاش فانی دیکھنے جا
 اب خبر لیجئے لاش اٹھتی ہے مجبوتوں میں جدید کھنڈی سب مجھے آپ کے کپچے سے لئے جاتے ہیں
 یارب پڑی رہے مری میت اسی طرح لہو بیٹھے رہیں وہ بال پریشاں کئے ہوئے
 کا گاسب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس
 دونوں نیناں جھانڑ کے کہ پیارِ ملن کی اس

تجہیز و تکفین

آفریں بردل نرم تو کہ از بہر ثواب جافظ کشتہ غمزہ خود را بہ نسا ز آمدہ
جن نے نہ دیکھی ہو شفق صبح کی بہا سودا آ کر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ
انکار قتل سے تو کرے ہے سخن ہنونا ولہ میلانیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنونا
چل ساتھ کہ حسرت دل مرحوم سے بھلے مرزا محمد علی عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے بھلے
اک خوشچکان کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں غالب پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ جو رکی
اس رنگ سے اٹھائی کل اُس نے آس کی لا ولہ دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمت اک ہو گئے
کہا کسی نے نہ اتنا ہمارے دفن کے وقت بحر کہ ان پہ خاک نہ ڈالو یہ ہیں نہائے ہوئے
سے جاتے ہیں کفن آپ کے دیوانوں کے پیارے حنا شید تار دامن کے ہیں ٹکڑے ہیں گریبانوں کے
اب تو پھولے نہ سمائینگے کفن میں آسی آسی غازی پوری آج ہے اُس بُت بد خو سے ملاقات کی را
دوسرا مصرعیوں بھی دیکھ لے : ہے شب گور بھی اُس گل سے ملاقات کی را
کفن سے منہ چھپاتے ہیں گناہوں کی مذمت سے ہمارا کفن پڑا خدا کے سامنے جاتے ہوئے شرمائے جاتے ہیں
سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرنے کی بات نہ تھی فانی کفن سر کاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ گے
کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا مانے ولہ وہ جنائے پر ترا کہنا خاک کیوں ہو گئے

سوک

تہنا میرے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش سودا رہتا ہے سدا چاک گریبان سحر بھی
پڑھیں گے لوگ رور و شعر میٹھے میر رہے گا دیر تک ماتم ہمارا

شہید حسن کی بزمِ عز ہے — وہ حوریں آ رہی ہیں بال کھولے

یہ کیسے بال ہیں بکھرے یہ کیوں صورت بنی غم کی

مفسر خیر آبادی

تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی ہے میرے ماتم کی

اس کی شامِ غم پہ ہو صدقے مری صبحِ نشا عزیز جس کے ماتم میں تری زلفیں پریشان ہو گئیں

مرے ماتم میں یوں روتے ہوئے آنے سے کیا شاعر تمہارے دشمنوں کو سیسے مر جانے سے کیا مطلب

اثر جذبِ محبت کا ہوا بعد فنا ظاہر اظہار ہمارے سوگ میں دیا بہت وہ ماہرِ برسرِ بار

الہی کون ایسا مر گیا ہے جس کا ماتم ہے — حسنانِ جہاں پہنے ہوئے ہیں پیر میں کالے

کس کی زلفیں سوگ میں میسے پریشان ہو گئیں اثر لکھنؤ جو رنگیں جسمِ بجاں میں رگِ جاں ہو گئیں

اک عمر پرستار شبِ ہجر رہا فنا فانی اے زلفِ یہ ماتم فانی میں کھیر جا

آنکھوں میں نمی سی ہے چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں

جگر مراد آبادی

نازک سی نگاہوں میں نازک سا فسانہ ہے

مرگِ عاشق پہ یوں بھی روتے ہیں سہا اکبر آبادی ہنس بھی دیا اب تمہیں صبا کی قسم

پھولوں کی محفل

سراج الدین خاں آرزو

رکھے سپارہ گل کھول آگے عنایتوں کے

چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

کھانا تھو میں ہونٹوں پر بسمِ گد گدی ل میں

ریاض

وہ آئے پھول برساتے مری پھولوں کی محفل میں

عشرت

بسا ماہرویٰانِ فو خاستہ سدی بسا نو عروسانِ آراستہ
 بسا نامدار و بسا کامگا بسا سرو قد و بسا گلغزار
 کہ کہ دند پیراہنِ عسمر چاک کشیدند سر در گریبانِ خاک
 چناں خرمینِ سمر زان شد بباد کہ ہرگز کسے زان نشانے نداد
 منہ دل بریں دیر ناپا نداد ز سدی ہیں یک سخن یاد آ
 ایک دن اک استخوانِ چاچڑ امیر لچو پاؤں نظیر اکبر آباد کیا کموں سوقت میر دل میں کیا کیا دھیان تھے
 پاؤں پڑتے ہی غرض اس ستخوان نے آہ کی اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو سکتے جان تھے
 ایسی بیرحمی سے مت رکھ پاؤں ہم پر لے نظیر اومیان ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے
 سب کہاں کچھ لالہ گل میں نمایاں ہو گئیں غالب خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں
 جائے عبرت سرائے فانی ہے مرزا شوق موردِ مرگِ نوجوانی ہے
 اونچے اونچے مکان تھے جن کے آج وہ تنگ گوریں ہیں پڑے
 جس چمن میں تھا ببلوں کا ہجوم آج اس جا ہے اشیائے بوم
 موت سے کس کو رشتنگاری ہے آج وہ کل ہزاری باری ہے

دل کے داغوں میں نظر ان کی جھلک آتی ہے اب
 پھول سی جوہ ورتیں آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں

زندگی

زندگی در گرو نعم افتاد و بیدل چارہ نیست بیدل شاد باید ز رستن ناشاد باید ز رستن
 یک دل آزاد دریں داگرہ فانی نیست ————— یوسف نیست دریں مصر کہ زندانی نیست
 نے بکار خویش ایم نے بکارے دیگرے ————— چوں چراغ روز می سوزد مرا این زندگی
 در جہاں شل چراغ لالہ صحرایم ————— نے نصیبے محفلے نے قسمت کا شانہ
 آن نکتہ کہ عارف را آورد بوجد این است گرامی جاں بہت بجم اندر دریا بہ جباب اندر
 آدمی بلبلہ ہے پانی کا تیر کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
 زندگانی بھی ایک وقفہ ہے دل یعنی آگے چلینگے دم لے کر
 یہ جو مہلت جسے کہیں میں عسر دل دیکھو تو اعتبار سا ہے کچھ
 صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے دل عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے
 زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے میر درد ہم تو اس جینے کے ہاتھوں چلے
 جاتی ہے عمر ہر دم ہم کو خیر نہیں ہے تاباں کیا جانے کہ کب تک ہم بے خبر رہینگے
 لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ذوق اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
 زیست کا اعتبار کیا ہے امیر آئیس آدمی بلبلہ ہے پانی کا
 قیام جسم خاکی ہے نفیس ارشد ہو اپر ہے بنا اپنے مکاں کی
 رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ مائی زندگی موت ہے حیات نہیں

نظر کر غور سے آئینہ اسرارِ ہستی پر شائبہ لکھو جسے تو زندگی سمجھا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے
 ٹھہر ٹھہر کے چل او جلد باز عمر رواں حسن رواروی میں قدم ڈمکائے جاتے ہیں
 دن زندگی کے چشمِ زدن میں گزر گئے منتظر جھونکے ہوا کے تھے ادھر آئے ادھر گئے
 برائے نام یہ نام نمودِ نقشِ فانی ہے آرزو لکھو وگرنہ موج کیا گرداب کیا کچھ ہے پانی ہے
 فنا کا ہوش آنا زندگی کا دروِ سرجانا چکست اجل کیا ہے خارِ بادۂ ہستی اُتر جانا
 زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

یہ شعر لاجواب ہے، کم از کم اردو شاعری میں اس کا جواب نہیں !

زندگی اور زندگی کی یادگار دل پرودہ اور پرودہ پہ کچھ پرچھائیاں
 زندگی ناکامیوں کی اک مسلسل داستان توک چند قوم موت کیا ہے زندگی کی داستان کا خاتمہ
 تجلیاتِ وہم ہیں مشاہداتِ آب و گل فانی کرشمۂ حیات ہے خیال وہ بھی خواب کا
 اک معتمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا دل زندگی کا ہے کوہِ خواب دیوانے کا
 ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی زندگی نام ہے مرم کے جسے جانے کا
 فانی کی زندگی بھی کیا زندگی تھی یارب دل موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیے تھا
 ہر نفس آہ اور انفاس پہ جینے کا مدار دل زندگی آہ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں
 صبح و شام زندگی خواب پریشاں ہی سی یاس کچھ حقیقت کا بھی جلوہ جلوۂ باطل میں ہے

اس شعر میں جو خیال ظاہر کیا گیا ہے وہ بیشتر اصحاب کے دل میں گزرا ہو گا 'میرے دل میں

بھی بار بار گزرا' میں کیا نظم کرتا 'بہر حال یہ شعر مجھے پسند آیا، مگر 'صبح و شام زندگی' کا کلمہ

قدرے کھٹکا، کیونکہ اس کے اندر پوری زندگی نہیں آتی، اس خیال کے ماتحت یہ شعر میں

نے مرزا ثاقب مرحوم کے پاس لکھ بھیجا، انھوں نے یوں درست کر دیا :

ۛ روندادِ زندگی خوابِ پریشاں ہی سی

کچھ حقیقت کی جھلک بھی جلوہٴ باطل میں ہے

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ شعر کہاں سے کہاں پہنچ گیا، دوسرے مصرعے میں

”جھلک“ کے لفظ کا کیا کہنا !

زندگی کی حقیقت آہ نہ پوچھ اختر شیرانی موت کی دادیوں میں اک آواز
یہی زندگی مصیبت یہی زندگی مسرت جذبی یہی زندگی حقیقت یہی زندگی فسانہ

ہستی و نیستی

ایں ہستی تو ہستی ہستِ دگر است غیام
 ایں سر بگر بیانِ تھنکے در کش
 ایں کوزہ چو من عاشق زارے بود است ولا
 ایں دستہ کہ در گردن سے می بینی
 خاکے کہ زیر پائے ہر جیو نیست ولا
 ہر خشت کہ بر کن گروہِ ایو نیست
 در کار گہ کوزہ گرے رفتم دوش ولا
 ناگاہ یکے کوزہ بر آورد دوش
 دوش دیدم کہ ملائک در سچانہ زدند حافظ
 کس نہانست کہ منز لگہ مقصود کجاست ولا
 من ملک بودم و فردوس بریں جایم بولہ
 وجود ما معت نیست حافظ ولا
 ماز آغاز و نہ انجام جہاں بے خبریم کلیم
 چو وسعتِ عدم در خیال می آید مطہ تبریزی
 گمان مبر کہ تو مُردی و شد جہاں خالی — ہزار شمع بکشتند و انجمن باقیست

ایں ہستی تو ہستی مستِ دگر است
 کایں دست تو آستینِ دستِ دگر است
 و اندر طلبِ رُئے نگاہے بود است
 دستے مست کہ در گردن پایے بود است
 زلفے صنمے و عارضِ جانا نیست
 انگشتِ وزیرے و سرے سلطانت
 دیدم دھنزار کوزہ گویا دوش
 کو کوزہ گر و کوزہ خر و کوزہ فروش
 رگل آدم بکشتند و بہ پیمانہ زدند
 ایں قدر ہست کہ بانگِ جر سے می آید
 آدم آورد و دیں دیرِ حشر اب آدم
 کہ تحقیقش فسوں است و فشا
 اول و آخر ایں کہ نہ کتاب افتاد دست
 مطہ تبریزی ز تنگنائے وجود ملال می آید
 ہزار شمع بکشتند و انجمن باقیست

در عدم بودیم و آخر در عدم خواهیم رفت — ایں تماشائے جہاں را مُفت می بینیم ما
 دشواری ندارد و رادِ فنا و لیکن صاحب را ہے کہ بے رفیق است دشواری نماید
 سرگرائی لازم ہستی بود بیدل کہ صبح بیدل تانفس باقیست صندل جبریں بالیدہ است
 تیر دنیا رہ گزارے بیش نیست تیر آسمان گرو غبارے بیش نیست

وقت آنکس خوش کہ گلزارِ جہاں را دید و رفت

دلہ

ہم چو گلِ بر بے ثبات ہائے خود خندید و رفت

دو غنچہ ہست دو عالم ز گشتِ صنخش عزیز یکے شگفتہ یکے ناشگفتہ است ہنوز

چوں نور کہ از مہر جدا ہست جدا نیست عجز عالم ہمہ آیاتِ خدا ہست و خدا نیست

رمزیت چکمانہ می خوانم و می رقصم گرامی خواب است برگ اندر مرگ است بخواب اند

جو دیکھتے ہو اس میں خیالات و خوابے قائم دُنیا بھی اک نمونہٴ موجِ سُر اب ہے

عالم کسی حکیم کا باندھا طلسم ہے تیر فتنی پر کچھ ہو تواعتبار بھی ہو کائنات کا

جو کچھ نظر پڑے ہے حقیقت میں کچھ نہیں دلہ عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا

یہ جو کچھ قیل و قال ہے اپنا دلہ وہم ہے اور خیال ہے اپنا

یہ تو ہم کا کارخانہ ہے دلہ یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات دلہ کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لو دلہ بہت اُس طرف کو تو جلتے ہیں لو

وقفہٴ مرگ اب ضروری ہے دلہ عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم

کچھ نہیں اور دیکھے ہیں کیا کیا دلہ خواب کا سا ہے یاں کا عالم بھی

سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے دلہ پر جو دیکھا تو کچھ نہیں پایے

اپنی ہستیِ حباب کی سی ہے دلؔ یہ غائبِ سراب کی سی ہے
 ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں میر دردِ اے نشہِ ظہور یہ تیسری ترنگ ہے
 بھلے اس چینِ دہر کو دل بھر کے نظیرِ نظرِ ابر بادی
 جواہر خانہ دینا جو ہے با آبِ تاب دلؔ اہل صورت کا ہے دُریا اہل معنی کا سراب

جہاں بھی خواب ہے اور ہم بھی خواب ہیں دلؔ
 دلؔ عجب بہار کا دیکھا ہے ہم نے خواب میں خواب

نگاہِ دید و بے ہوش ہیں ہم — صدائے نالہ خاموش ہیں ہم
 قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر — ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

پھول تو دو دن بہارِ جانفرا دکھلا گئے
 دُوق ۲۴ حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

ظفرِ دنیائے فانی خواب کا سا ایک عالم ہے
 ظفر مگر اس خواب میں دیکھا کچھ ایسا ہے کہ کیا کہئے

غیمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جُز مرگِ علاج
 غائب ۲۶ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
 دلؔ موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظورؔ دلؔ جز وہم نہیں ہستیِ اشیا رمے آگے

ہستی کے مت فریب میں آجا یواستدؔ دلؔ عالمِ تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے

ہاں کھائی موت فریبِ ہستی دلؔ ہر چہذ کہیں کہ ہے نہیں ہے

یہ دنیا بھی ہے ایک دریائے مواجِ متیر ہوئی پس کشتیاں لاکھوں کی تاراج

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز کس کی ہے
ہزاروں اٹھ گئے پھر بھی وہی رونق ہے مغل کی

نہیں یاں جز غبارِ نیستی اور آنور یہی خاک اُڑ رہی ہے آسمان تک

یہ زمانہ عالمِ خواب ہے پئے تشنہ مثلِ سراب ہے
جو کیس ہے نقشِ بر آب ہے جو مکاں ہے مثلِ جاب ہے

عزیزِ احباب ساتھی دم کے ہیں سب چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

ریت کی سی دیوار ہے دنیا حاتی اوچھے کا سا پیار ہے دنیا

بجلی کی سی چمک ہے اُس کی پل دوپل کی جھلک ہے اس کی

ساتھ سو ہاگ اور سوگ ہے یاں کا ناؤ کا سا سنجوگ ہے یاں کا

ہار کبھی اور جیت کبھی اس نگر کی ریت یہی

کاش یوپی کے خداوندانِ سیاست اس قسم کی ہندی کے راج کرنے کی کوشش کرتے!

بزمِ ہستی میں مرے پیش نظر کیا کیا نہ تھا شبلی دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا

ملنے کی بھی ہے راہ نہ ملنے کی بھی ہے راہ اسی غازی پور دُنیا جسے کہتے ہیں عجب راہ گزر ہے

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی شادِ عظیم آبادی نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

دو ورق کا صحیفہِ ہستی وفا کتنی بے ربطیوں کا دفتر ہے

دنیا کا ورقِ بینشِ اربابِ نظم میں صفی اک تاش کا پتہ ہے کفِ شبنم گریں

اک قطرہِ شبنم پر خوشید ہے عکسِ آرا اصغر نیستی و ہستی افسانہ ہے افسانہ

نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے دل پر دے یہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے
 منتا ہوں بڑے غور سے افسانہ ہستی دل کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرزِ ادا ہے
 نو بہت سمجھا تو کہہ گذرِ افریب لنگے بو دل یہ چمن لیکن اُسی کی جلوہ گاہ ناز ہے
 نہ ہونا ہائے ہوگا کیا ہمارا بے نظیر شاہ دل کہ ہونے پر نہ ہونے کا گمان ہے

گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ اقبال ہے دیکھنے کی چیز اُسے بار بار دیکھ
 ہنگامہ ہستی کی بس اتنی حقیقت تھی اثر لکھنوی اک موج تھی جو اٹھ کر پھر مل گئی دریا سے
 ہستی مجھے خود اپنی ممتہ ہے اک رقصِ رواں آزاد بھی نہیں ہوں گرفتار بھی نہیں
 سمجھ تولی ہے دنیا کی حقیقت اسی الدنی مگر اب اپنا دل بسلا رہا ہوں
 دنیا اسیر ہے میرے دامِ خیال میں دل اے بے خبر مقید دنیا نہیں ہوں میں
 سمجھ میں آیا نہ رازِ صنعتِ فرا بھی رنگِ راز کا

تلوک چند محروم

بنارہا ہے مٹا مٹا کر مٹا رہا ہے بنا بنا کر

کہاں افسانہ ہستی کا آغاز دل سُناتے آتے ہیں سب میاں سے

سفر کرتے ہوئے منزل بمنزل جا رہے ہیں ہم دل ہمیں یہ ساری دنیا کارواں معلوم ہوتی ہے
 کبھی عالم کی ہستی اصل پر مبنی سمجھتا ہوں آزاد افسانہ کبھی بالکل نمودِ سیما معلوم ہوتی ہے
 فریبِ جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذ اللہ فانی بڑی شکل ہے دل کو بزمِ عالم سے اٹھالینا
 دنیا جسے کتا ہے زمانہ فانی دل ہے ایک طمسِ اجتماعِ اصدا

ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم دل میری ہستی ہے غیب کی آواز

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم دل رہا یہ ہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم
 مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلہٴ قیاسِ حیات دل مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

کچھ نہیں کھلتا جگر رازِ طلسمِ کائنات جگر مراد آباد مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں آباد ہوں
 ریز ہستی دو عالم کچھ نہ پوچھ وہ ابتدا سے انتہا تک راز ہے
 بلائے جاں جو نہ ہوتی کشمکش ہستی سب سکونِ عیش میں جینا بلئے جاں ہوتا
 بزمِ ازل سے جھاڑ کئے امن چلا جو میں وہ دُروں نے اُڑ کے عالمِ امکان بنا دیا
 راز یہ حل نہ کر سکا کوئی بھی کائنات میں شادان کس کی تجلیات ہیں کس کے مشاہدات میں
 منحصر ہے فسانہ ہستی — اک ورق کی کتاب دنیا

مقام اور بھی ہیں دانش آزمایں کن آخر طلسمِ ہستی فانی تر اجواب نہیں
 عجب مقام ہے دنیا کہ جس میں اے جعفر جعفر سہا زپور شمار عیش کا ہے رنج کا حساب نہیں
 یہ خواب ہے کہ حقیقت نہ ہو سکا معلوم اثرِ صبا ہی رہی یہ بات کہ کچھ ہے سو وہ بھی کیا معلوم
 اثرِ فسانہ ہستی بھی کیسا فسانہ ہے کچھ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
 قرہ قرہ دنیا طالب طالب اس پستہ کہ قیامت ہوگی

لحہ

کشتے کہ عشق دارد گذاردت بنیاد خرد یہ جنازہ گریسائی ہزار خواہی آمد
 ز پس مرگ اگر بر سر خاکم گذری دل بانگ پایت شنوم نعرہ زناں بر سینم
 بر سر تربت پاچوں گذری ہمت خواہ حافظ کہ زیارت گیرندان جہاں خواہد بود
 بر سر تربت من بامے و مطرب نشیں دل تابویت ز لحد رقص کنان بر سینم
 چوں شوم خاک بہ خاکم گزے کن چو صبا سلمان تابویت ز زین رقص کنان بر سینم
 پس مردن گرائی بے مروت بر مزار من — تعظیم تو بے تابانہ بر خیر و غبار من
 بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے — نے پر پروانہ سوزد نے صدائے مٹیلے
 بغیر سبزہ نموشد کسے مزار مرا — کہ قبر پوشش غریباں ہیں گیاہیں است
 آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار ما — بس نازک است شیشہ دل و کینار ما

معلوم نہیں مندرجہ بالا تین اشعار کس کے ہیں، پہلا شعر نور جہاں کی مزار پر اور دوسرا

جہاں آرا کی مزار پر لکھا ہوا ہے، تیسرے شعر کی تعریف آسان نہیں، کیسی نازک خیالی

ہے، اور کس خوبی سے اس کا اظہار کیا گیا ہے!

نظام الدولہ ناصر جنگ ناصر

از داغ خویش لالہ نسوزد اگر چہ سراغ شمع دیگر بجاک شہیداں کہ می برد

ناصر جنگ شہید ہوئے تھے، گویا یہ شعرا انھوں نے اپنی خاک کے متعلق کہا تھا،

بر خاک مانہ شمع فرستادونے گلے منظر جانناں مردیم و سینہ صاف نہ شد بگمان ما
 سیر لوح مزارش یافتند از غیب تحریر ولہ کہ این مقول را جز بیگناہی نیست نقص
 حریف از پائے رہ پیمانے اشفتگی دیدم حریف سر شوریدہ بر بالین آسائش رسید ایضا
 رفتم اندر تر خاک اُنس بتانم باقیست نیاز عشق جانم بر بود آفت جانم باقیست
 سر و سامان وجودم شرع عشق بسوخت زیر خاکستر دل سوز نہانم باقیست
 طبع فاتحہ از حلق ندریم نیاز عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقیست
 ز من بجرم تبیین کنارہ میگردی غالب بیاب خاک من و آرمیدم بنگر
 واگفت حال شوق ز دیدار یار ما — بشگفت نرگسے چو ز خاک مزار ما
 دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر سودا لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
 جہاں پر اب مزاریں ہو گئی ہیں میر وہاں پہلے ہساریں ہو گئی ہیں
 بھیج دو خاک پر شہیدوں کی آشت پھینکتے کیوں ہو فرش خواب کے چل
 فرش گل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہیں اب آتش
 خشت زیر سر نہیں یا تکیہ تھا زانوے دوست
 لئے پھرتی ہے بلب چونچ میں گل — شہید ناز کی تربت کہاں ہے
 ڈھیر دیکھے گلرگوں کی خاک کے صبا واہ کیا نیرنگ ہیں افلاک کے
 سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں غالب خاک میں کیا صورتیں ہو گئی کہ پنہاں ہو گئیں
 متفرد رہو تو خاک سے پوچھوں کہ لئے لیم ولہ تو نے وہ گھبھلے گر انما یہ کیا کئے
 جنت میں روح جسم ہے نیچے مزار کے امیر کشتی ہماری ڈوب گئی پار اُتار کے
 ابھی مزار پہ اجباب فاتحہ پڑھ لیں دلہ پھر اس قدر بھی ہمارا نشان ہے نہ ہے

غبار آلودہ ہے پائے حنائی — مٹا کر آئے ہو مدفن کسی کا

کہاں صحنِ عالم کہاں کجِ قدر — بسر کر نیوالے بسر کر رہے ہیں

ہم بھی گئے تھے آج مزارِ ریاض پر ریاض پڑ مرده چند پھول تھے اک شکبہ شمع

میں ہم گئے تھے دیکھ کے آنسو نکل پڑے دل بے شمع و گل ریاض کی تربت چمن ہیں تھی

مری قبر پر آ کے میکشش پیس دل گھٹا حسرتوں کی ہے چھپائی ہوئی

جب کبھی گورِ حسریاں یہ چراغاں کرنا عزیز ایک ٹوٹی ہوئی تربت پہ بھی احساں کرنا

دہنِ تربت کا بسوزِ نرم و نازک ہے بہت برہم تاب لاسکتا نہیں یہ گرمیِ رفتار کی

نازا اپنی تیرگی پہ ہے شامِ مزار کو شامِ کھنڈی لاؤں کہاں سے جبر کی شہنائی تار کو

دن کو اک نور ہرستا ہے مری تربت پر حینِ جویز شب کو اک چادرِ ہستاب تنی ہوئی ہے

محبوب کا مزار پر آنا

باہنادی بہ سرِ تربتِ من بعد از قتل خرو مشقِ خاک کے بہ چنیں لطفِ سزاوارِ نبو

گدشتی بر مزارِ شورشِ اندختی رفتی لای کفِ خاکِ مرا صحرائے محشر ساختی رفتی

سرِ مزارِ پئے سیرِ لالہ زار آمد قتیل قیدِ دل پر خونِ ما بکار آمد

افتادِ خاکم گذر آں سرِ رواں را فاشِ جہانیم من مردہ خوشم ز سبتِ مبارک گذر آ

انکارِ قتل سے تو کر رہے سجنِ ہنوز سودا میلان نہیں ہوا ہے ہمارا کفنِ ہنوز

بعدِ مرنے کے مری قبر پر آیا وہ میر میر یاد آئی میرے عیسیٰ کو دوا میرے بعد

گور پر میری پس از مدتِ قدم رنجہ کیا دل خاک میں مجھ کو ملا کر مہرباں بالے ہوئے

قیامت آگئی اے خندگانِ خاک اٹھ بیٹھو ہر کہ وہ آتے ہیں سر کھولے ہوئے گورِ غرباں پر

بھرے ہیں آنکھ میں آنسو اُداس بیٹھے ہیں نشق یہ کس غریب کی تربت کے پاس بیٹھے ہیں

بہت رویا و فائیں یاد کر کے ——— ستمگر دیکھ کر مدفن ہمارا

نہ چلا کے رد قبر پر رونے والے جلاں بدلنے لگے کر دیش سونے والے

آتے ہیں بعد مرگ چڑھانے وہ قبر پر ولا چتیم کرم میں چادر گھوسر لے ہوئے
جمع ہوئے ہیں کچھ حسیں گرد مری مزار کے آرزو لکھنوی پھول کہاں سے کھل گئے تو نہ تھے ہمارے
نیرنگ حسن و عشق کی وہ آخری بہا ——— تربت تھی میری اور کوئی اشکبا کھتا

وہ شام کو لحد پہ ہماری ہجوم یکس اشک لکھنوی وہ ڈر کے دیکھنا کسی کس کا دوسرے
دیر سے کیوں مری تربت پہ کھٹے روتے ہیں باسط بولانی آخری وقت بھی شریف نہ لانے والے

شمع مزار

شمع بر خاک شہیدان گر نباشد گو مباحش صائب لالہ در کوہ بدخشاں گر نباشد گو مباحش
سجی بھر کے رو تو لینے دے اس انگار کو ——— کیوں اے صبا بھجاتی ہے شمع مزار کو

لحد پہ مری کوئی پردہ پوش آتا ہے ——— چراغ گورِ غریباں صبا بھجسا دینا
ہیں لاکھ لاکھ دستِ خانی سے متمہا ——— جلتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا

نسیم آئی ہے شمع مزار گل کرنے ریاض وہ اس کے آنے سے پہلے ہی جل بھی ہو

ہمارا جہم آباد نے ایک مرتبہ ریاض سے کہا کہ اگر اس وقت امیر زندہ ہوتے تو تم پر

فخر کرتے ریاض نے کہا ایسا نہ فرمائیے وہ استاد تھے ہمارا جہ اس جواب پر بھی اپنی رائے

پر قائم ہے، تو ریاض نے شعر تذکرہ بالا سنا کہ کہا کہ اس شعر میں استاد نے کوئی لفظ گھسایا

یا بدلا نہیں صرف ایک لفظ "اب" کو مصرعہ اول میں بڑھا کر زمین کو آسمان کر دیا یعنی

پہلا مصرعہ یوں کر دیا ع

نسیم اب آتی ہے شمع مزار گل کرنے

دیدنی تھی اس اُداسی کی ہبہ اخترینائی ہو کے گل جب شمع تربت رہ گئی
وہ گذرا اُدھر سے جو بیگانہ وار اثر کھنڈی چراغ محمد جھللا نے لگا
سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے فانی چراغ پس مری تربت کے جھللائے ہوئے

مُشْتِ غِبَارِ عاشق

کدھر گر نہ گردی باتو گویم — کہ با مُشتِ غبارِ ما پڑی کردی
 محبت کے رو دگر استخوانم تو تیا گردو ناصر علی کہ از سائیدن صندل کجا نقصان سد بول
 مُشتِ خاکِ خویش را فرشِ رہِ اوس ختم افتخار تا بہ این تقریب یا ہم دولتِ پاؤس را
 اگرچہ خاک شدُم اضطرابِ من قنیت میر غلام علی آزاد کہ پیچ و تابِ رس بعد سو غنن با قنیت
 ندیدم تیرا در کوئے اولیکٹ تیر غبارے ناتوانے با عسبائو
 رسید نہائے منقارِ جہاں استخوانِ تالاب غالب پس از عمرے بیام داد راہ درم پیکان را
 ہم خاک بھی ہو گئے پر اب تک بیدار دل سے نہ ترے خبّار نکلا
 دامن کوئے نہ پہونچے اب تک دلا ہر چند غبار ہو گئے مسم
 کل پاؤں ایک کاسے سر پر جو آگیا تیر یک سروہ استخوانِ شکستوں کے چور تھا
 کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہِ سنجبر میں بھی کبھو کسی کا سر پر عسور تھا
 نہ دیکھا تیرا وارہ کو یسکن دلا غبار اک ناتواں سا کو بکو تھا
 آگ تھے ابتدائے عشق میں مسم دلا اب ہوئے را کہ انتہا یہ ہے
 کیا جال اُس کی کہاں تو اور کہاں میرا غبارِ حرّت لگ چلا دامن سے تیرے مہربانی کے سبب
 قاتل سے خون بہا کو ہمارے نہ کہیو کچھ پہنچ اسامگر کہ خاک پر سیسری گذر کرے
 اڑا کے ساتھ یہ مُشتِ غبار لیتا جا ناسخ مجھے رکاب میں او شہسوار لیتا جا

یہ مشت خاک ہو مقبول درگاہ آتش صبا کی چاہتا ہوں صبر بانی
 میں خاک بھی ہوا تو ہوا اُن کے در کی خاک آبر چھوٹا نہ دستِ عجز سے دامن غرور کا
 مری خاک بھی حسد میں رہی امیر باقی دل اُنھیں مننے ہی کا اب تک نہیں اعتبار ہوتا
 اب نہ آبادی کی مٹی ہے نہ ویرانے کی خاک منور اور ہی کچھ ہو چلی ہے تیسے دیوالے کی خاک
 ہماری خاک میں اتنی کماں رسائی ہے صابر نہ جانے دل میں تیسے کس طرح غبار آیا
 سرمہ بنا جسے چشم ملائک فریب میں برہم اللہ رے عروج جائے غبار کا
 تم کریدو گے اگر خاک دُھواں اُٹھے گا وسیم کچھ ابھی دل کی لگی ہم نے دبا رکھی ہے
 لے چلی باد صبا ساتھ مراشتِ غبار جوہر کس گلستاں کی ہے قسمت میں بیابان ہونا
 کس نظر سے اُس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف فانی کانپ اٹھا ہر ذرہ میری خاک امنگیر کا
 ہماری خاک کا ہر ذرہ اب دوشِ صبا پر سہیل شہیدانِ وفا بہتے نہیں بارِ زیں ہو کر
 نہ ہو کیوں ناز مجھ کو اپنی قسمت کی رسائی پر اسد گور کپوری لبِ رنگیں ہیں اُن کے اور ساغر ہیں مری گل کے

اخلاقیات

اطاعت

اطاعت بجز خدمتِ خلق نیست سدی تسبیح و سجاده و دلق نیست
 بہ نو بہارِ جوانی اطاعت حق کن صائب کہ چوبِ مشک چو گردِ حسنم نمی گردد

قناعت

دُنیا اگر دہند نہ خیرم ز جایِ خوش صائب من بہتہ ام خائے قناعت بہ پیے خوش
 بہر یک جرعدے منت ساقی نکشیم زیبِ انسا اشکِ ما باوہ ما دیدہ ما شیشہ ما
 شگفتہ بہتی ہے خاطر ہمیشہ آتش قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

تسلیم و رضا

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہمہ جامِ زندہ پل ہر زماں از غیب جانے دیکر است
 قطب صاحب (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے ایک بار
 شیخ علی ہمدانی کی خانقاہ میں محفلِ سماع تھی، قوال نے شعرِ مندرجہ بالا گانا شروع کیا، قطب حسنا
 پر وجد طاری ہوا، تین دن تین رات لگا تا اسی حالت میں رہے، جب نماز کا وقت آتا

تو وضو کر کے فرض اور سننیں ادا کر لیتے اور پھر اُسی حالت میں ہو جاتے، یہاں تک کہ وصل
 بجتی ہوئے، امیر حسن نے اس بیت پر ایک غزل کہی، اور ایک شعر میں قطب صاحب
 کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے، اشعار یہ ہے : ۷۰

جاں برا میں یک بیت واد است آن بزرگ
 آرے اس گوہر ز کمانے دیگر است

اگر نختہ نہ ہے قسمت نہ نختہ تو شکایت کیا مونس تسلیم حشم ہے جو مزاج یار میں آئے
 عادت تو امیر اچھی ہے فریاد و فغاں کی امیر پر شیوہ تسلیم درضا اور ہی کچھ ہے
 سخت مشکل ہے شیوہ تسلیم حالی ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے
 ہر رنگ میں رضی برضا ہو تو مزادیکھ جوہر دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ
 اسلام کے پیرو میں نہ ہیں کفر کے بندے مولف ہم شیوہ تسلیم درضا کے ہیں پرستار

صبر

صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب حافظ عاقبت روزے بیابی کام را
 حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دھرم رنج دل فکر معقول بھنر مانگل بیچار کجاست
 حافظ صبور باش کہ در راہِ عاشقی دل ہر کس کہ جاں نداد جاناں نمی رسد
 صبر تلخ است ولیکن شیریں دارد

سرسید کا زمانہ شباب رنگین صحبتوں میں بھی گُذرنا تھا، وہ زندہ دل، بذلہِ سخن اور حاضر جواب
 تھے، اس زمانہ میں دہلی میں ایک مشہور طوائف شیریں تھی، حُسن میں یگانہ تھی لیکن اس
 کی ماں بذلکل تھی، ایک مجلس میں شیریں مع اپنی ماں کے گئی، سرسید بھی مجلس میں تھے

اور اُن کے ہاں اُن کے ایسے فاضل معارف و استقامت دیکھے ہوئے تھے، دستِ شیریں کی ما
کو کچھ کرم ملے "مادرِ شیریں" "بلخ است" سرسید نے مصرعہ بالا فقوڑی سی تبدیلی
نے سافادیوں پر لکھا تھا :

گر تپہ بلخ است ولیکن بر شیریں وار

دوستی

توئی تو ان شکستِ دلِ دوستانِ فزوا قناتی کیں نائنہ را کعبۂ تابلِ نہادہ اند
اور سب کچھ جہاں میں ملتا ہے معصنی لیکن اک آشنا نہیں ملتا
دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے جان کہ آتشِ دل سے دشمن کی شرکایت کا رگڑ جاتا رہتا
خیالِ خاطرِ اجاب چاہیے ہر دمِ انیس آئیں تیس نہ لگ جائے آئینوں کو
تجسسِ شرطیاں ملنے کو کیا ملتا نہیں امیر اگر نہیں ملتا تو صادق آشنا ملتا نہیں
کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں دکھایا ہے : پر کہیں دنیا میں صادق آشنا ملتا نہیں
ہے وہی دوست جسے جس سے محبت ہو جائے امیر یہ نہ اپنے پہ ہے موقوف نہ بیگانے پر
کسی نا آشنا کا کیا کہنا ولا آشنا کی جب آشنا نہ ملے
دوستی کیا اسی کو کہتے ہیں داغ آشنا کی جو آشنا نہ ملے
عرض کے آشاہیں آشناسب بزمِ عالم میں جلیل جہاں شیشہ ہوا خالی جدا پیمانہ ہوتا ہے
کسی استاد کا شعر ہے : ہ

بوقتِ تنگدستی آشنایگانہ میسرگرو
مرا حلی چوں شود خالی جدا پیمانہ میسرگرو

غالباً جلیلی نے اس شعر کے مفہوم کو سامنے رکھ کر شعر کہا ہے 'فارین طے کریں کہ کون
شعر بہتر ہے' مجھے تو فارسی کا شعر زیادہ پسند ہے، وہ شعر ہی نہیں بلکہ مطلع بھی ہے
بڑا دکھ دیا اگر دشمنِ جہنم نے اسی الدنی کہ احباب کو آزمانا پڑا

کرم

کریاں را بدست اندر دم نیست — خداوندانِ نعمت را کرم نیست
بناکرِ فقیروں کا ہم بھیس غالب غالب تماشا کے اہل کرم دیکھتے ہیں

نصیحت

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دست بردار
جوانانِ سعادت مند پند پیسر دانا را

نوار تلخ تر میزن چو ذوقِ نغمہ کم بینی عرقی جدی را نیز ترمی خواں چو محلِ اگران بینی
کرم کرم نہ سمجھ کر کسی غرض سے ہو شیفتہ ستم ستم نہ سمجھ کر ہو امتحان کے لئے
دل جلوں سے دلگی اچھی نہیں ریاض رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

طریقہ زندگی

دل بدست آور کبر است شمس تیزی با ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہِ حسیلِ آذر است ویں گذر گاؤِ حسیلِ اکبر است
آسائش دو گیتی تفسیر اس دو حرف است حافظ بادستانِ تلطف باد شمشاد مدارا

ہنگام تنگ دستی در پیش کوش دستی کیس کیمیا ہے ہستی قاروں اُندگہ را
 ماعاب غافیت نہ بہ لشکر گزشتہ ایم ماتحت و سلطنت نہ بہ بازو نہادہ ایم
 نہ نہادہ ایم بارہاں بڑل صنیعہ وین کار و بار بستہ یک سونہادہ ایم
 نہ کسی کو کڑی کھی ہسم نے نہ کسی کی کڑی اٹھائی بات
 کہی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا ^{بیرہتی} محمد اسمیل کہ جو تم سے کوئی کرتا نہیں ناگوار ہوتا
 نہیں معلوم کیا واجب کیا فرض میرے مذہب میں ہے تیری ضاقر ^{نہیں}

اخلاقیات کے مختلف پہلو

بزرگی سر اسر ز گفتر نیست فردوسی دو صد گفتہ چوں نیم کرد از نیست
 عیب است عظیم بر کشیدن خود را و ز جملہ خلق برگزیدن خود را
 از مرد مک دیدہ بیاید آموخت دیدن ہمہ کس او ندیدن خود را
 دوران جہاں چو باد صحر ا بگذشت تلخی و خوشی و زشت و زیب ا بگذشت
 پنداشت شکر کہ جفا بر ما کرد برگردن او بمسند و بر با بگذشت
 زاہد بہ نماز و روزہ خطے دارد عاشق بہ مئے دو سالہ بٹے دارد
 معلوم نشد کہ یار مسرور بکیست ہر کس بخیاں خویش خطے دارد
 درد ہر ہر آنکہ نیم نانے دارد وزیر بہشت استانے دارد
 نے خادم کس بود نہ محند م کے گوشاد بزی کہ خوش جہانے دارد
 منعم کہ کباب می خورد میگذرد و ز باد و ناب می خورد میگذرد
 درویش بہ کاسہ گدائی ناں را تر کردہ بہ آب می خورد میگذرد

آگے آپ کو سرد کی رباعی تقریباً ایسی ہی ملیگی، فرق صرف اس قدر ہے کہ سرد کی رباعی میں روانی زیادہ ہے،

در راہ چنان رو کہ سلامت نکلند	دلہ	در خلق چنان زری کہ قیامت نکلند
در مسجد اگر روی چنان رو کہ ترا		در پیش سخاوند و امامت نکلند
در دہر کسے بہ گلے زائے نرسید	دلہ	تا بر دلش از زمانہ خاکے نرسید
در شانہ نگہ کہ تا بصد شاخ نہ شد		دستش بہ سر زلف نگاہے نرسید
گر روی زین جسد آباد کنی	دلہ	چندان نہ بود کہ خاطرے نشاود کنی
گر بندہ کنی بلطف آزادے را		بہتر کہ ہزار بند آزاد کنی
خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر	اودھری	تو چہ دانی کہ در آن گہ و سواے باشند
خود بینی و خویشی پرستی	سعدی	رسمیست کہ در دیارِ یانست
تواضع نہ کر دن فرازان کوست	دلہ	گد اگر تو اضع کند خوئے اوست
منہ دل بریں دیر ناپائیدار	دلہ	زِ سعدی ہمیں یک سخن یادوار
ابر و باد و مه و خورشید فلک کارانہ	دلہ	تا تو نانے بکف آری بغفلت بخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار		شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نہری
نا خدا در کشتی ناگرہ نباشد گو مباحث	خسرو	ما خدا داریم و ما را نا خدا در کار نیست
آں شد کہ بارِ منتِ ملاح بردے	حافظ	گو ہر چہ دوست داد بدہر یا چہ حاجت است
تا صد ہزار خار نمی روید از زبیں	دلہ	از گلبنے گلے بہ گلستان نمی رسد
ہزار نکتہ بار بیکتر زِ مواہجاست	دلہ	نہ ہر کہ سر بنتر باشد قلندر ی داند
مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ ن	دلہ	ساکنِ تجنا نہ باش و مردم آزاری مکن

ہر کسے ناصح برائے دیگران۔۔۔۔۔ ناصح خود یا فتم کم در جہاں
ہمایوں ہندوستان سے پسا ہو کر ایران جاتا ہے اور شاہ ملہا نسپ کا ہمان ہوتا
ہے۔ ایک رات محفلِ رقص و سرود برپا ہوتی ہے، مغنیہ شاہ ایران کے سامنے
کھڑی ہو کر گاتی ہے : سہ

مبارک منز لے کاں خانہ رام ہے چینیں باشد
مبارک مملکت کاں ملک راشا ہے چینیں باشد
کیسا مطلع ہے اور کیسے موقع سے گایا گیا ! اس کے بعد مغنیہ آہستہ آہستہ جلیوں کے
سامنے جاتی ہے اور یہ شر گاتی ہے : سہ

زیرِ نچِ راحتِ گیتی مرغباں دل مشو حُشتم
کہ آئینِ جہاں نکابے چُناں نکابے چینیں باشد
شعر مخاطب کے کس قدر حسبِ حال بنے اور بابِ ذوق اندازہ کرتے ہیں کہ مغنیہ کا
ذہن کس قدر رسا ہو گا، اب زمانہ بدل چکا ہے !

آں قیجِ بشکست و آں ساقیِ نماذا !

آہستہ خرام بلکہ محسرام۔۔۔۔۔ زیرِ قدمت ہزار جان است
دل کہ رنجید از کسے خرسند کردن مشکل است۔۔۔۔۔ شیشہ بشکست را پیوند کردن مشکل است
نہ میتوان شکستِ دلِ دوستانِ مخوا فغانی کیس خانہ را بہ کعبہ معت ابل نہادہ اند
اکبر اعظم

از بارگنہ خمیدہ پُشتم چہ کنم نے راہ بہ مسجد کُنشتم چہ کنم
نے در صعبِ کافر نہ مسلمان جا یم نے لائقِ دوزخ نہ بہشتم چہ کنم

دوشینہ کو مے فروشان دلا پیمانہ مے بزر خسریدم
 اکنوں زِ خار سر گر انیم زرد ادم و دروِ خسریدم
 ہم سمندر باش وہم ماہی کہ درِ چونِ عشق عرقی رئے در با سلسبیلِ فقر دریا آتش است
 در میانِ کافران ہم بود ام نظیری یک کمر شاستہ ز ناز نیست
 ز ہولِ روز جزا آذری چہ می ترسی آذری تو کیستی کہ دران روز در شمار آئی
 بے نیازانہ زار باب کہ ہم میگزرم طالبِ آلی چوں سیہ چشم کہ بر سر مہ فروشان گذر
 بہر یک گل ز رحمتِ صد خاری باید کشید

جہانگیر کے دربار میں جاتی کا یہ مصرعہ کسی نے پڑھا، اس کی جستجو سے جہانگیر کو خیال
 ہوا کہ پوری غزل عمدہ ہوگی، دیوان نکلو کہ دیکھا، صرف یہی مصرعہ غزل کی کائنات
 تھی، جہانگیر نے خود جو مطلع کہا، وہ بھی خوب ہے، قارئین ملاحظہ فرمائیں :-

ساغر مے بزرِ رخ گلزاری می باید کشید

ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید

روشن دلاں خوشامدِ شاہاں نمی کنند بکیم آئینہ عیب پوش سکندر نمی شود

ہر کسے دارد و دیریں بازار سودائے دگر — ہر کسے بند بر آئین دگر دستار را
 گماں مبر کہ چو تو بگذری جہاں بگذشت — ہزار شمع بکشتند و انجمن باقیست
 بعضے بہ تماشائے خط و خال خوش اند — بعضے بہ تماشائے زرد و مال خوش اند
 اینہا ہمہ اسبابِ پریشانہاست — خوش حال کسانیکہ کہ بہر حال خوش اند
 ادب تا حیست از لطفِ الہی — بہر سر بر و ہر جا کہ خواہی

نہ شگوفہ ام نہ ثمر نہ درخت سایہ دارم — ہمہ حیرتم کہ مارا بچہ کار کشت و ہفتاں

زمین شدیم چه شد آسمان شدیم چه شد
 هیچ نوع دریں گلستان قرائے نیست
 یک ساعت یک لحظه یک دم
 پہلا مسعدہ کہیں کہیں یوں بھی دیکھا ہے :-
 برمیوہ رسیدہ زدن سنگ بلیست مرزا طاہر جید ز نہار از سوال مرغباں کریم را
 اگر حجاب کئی از خدا فرستہ شوی صاحب
 چنانکہ میکنی از مردمان تباہ دنیا
 وقت رفتن نیست در دنیاں چشم حشرش دلا
 ہر کہ پیش از خود فرستاد دست مال خویش را
 منہ بردل زار بار بھساں را دلا
 سبک ساز بر شاخ گل آشیان را
 چون شود ہموار دشمن احتیاط از کف مذ دلا
 مکر ہا در پردہ باشد آب زیر گاہ را دلا
 ممنوں شوم ز ہر کہ بمن کج نگاہ دلا
 تیر کج است آیہ رحمت نشانہ را دلا
 رزق ما آید بہ پایے میہماں از خوان غیب دلا
 بدوق مطرب و مے روز ہا بشت کردی دلا
 میزبان ماست ہر کومی شود مہمان ما دلا
 فردا چو عسقم زیادہ ز امروز می رسد دلا
 شے بدوق مناجات کردگار محسب دلا
 چون خطائے از تو سر زد در شیمانی گریز دلا
 امرو ز خوردن غم فردا چہ حاجت است دلا
 کامل ہنراں در وطن خویش غریب اند دلا
 از خطا نادم نگر دیدن خطائے دیگر است دلا
 راہ بہار است مردم را بغرب حق ولے دلا
 در پشت صدق گوہر شہو اتیم است دلا
 چوں رزق تو بر سفرۂ افلاک نوشتہ است دلا
 راہ نزد کش دل مردم بدست آوردن است دلا
 اے سستی یقیں اس ہما ندیشہ ناں صیت دلا
 نقش پاک زندگان ہموار سازد راہ را دلا
 مرگ را وایغ عزیزاں بر من آساں کردہ است دلا
 صاحب نصیحت است ز صاحب لالہ مرا دلا
 تا صلح ممکن است مکن اختیار بحث دلا

آشنای حق شد آن کس که ز بهاں بیگانه شد دل
 دور دستان را به احسان یا کردن بهت است دل
 دوستی با ناتوان مایه روشن نیست دل
 چون سر و در مقام مضایق اندر باش دل
 ز خازن را تعلق کشید داناں باش دل
 دیدی از انخواں چه خوار بها عزیز مصرید دل
 کسے که می نهد از حد خود قدم بیرون دل
 بهمت گوهر یکدانه چون مردان بدست آورد دل
 اعتماد نیست بر شیرازۀ موج شباب دل
 اگر نهفته نمی بود کارشیرائے دل
 در بهاں باش ولیکن ز بهاں فارغ باش دل
 بر تو وضع هائے دشمن تحکیم کردن ابلهیست غنی
 سنگین دل است هر که بظاہر ملائم است دل
 اتفاق ناتواناں مایه دولت بود دل
 فکر روزی بر نمی دارد مرا از جائے خویش دل
 اعتبار وعده هائے مردم و نیاید غلط دل
 آنکس که شراب می خورد می گذرد مرد
 سرمد که بکاسه گدائی ناں را مرد
 چیں بر جبین ز جنبش خیر حسن نمی زنند ساکب یزدی
 دریا دلاں چو آب گهر آرمیده اند

بس کن ز کبر و ناز کہ دید است روزگار — چین قبائے قیصر و طوف کلاہ کے

کار ساز مابھنکر کارما — کارما در منکر یا آزار یا

منعم بکود و دشت و بیابان غریبیت — ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

کفر است در طریقہ ماکینہ داشتن — آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

با دبا خوردن و بشیا نشستن سہل است — گر بدولت برسی مست نگر دی مردی

اگر دشمن دو تا گرد و بے تعظیمش مشو غافل — کمر خم کردن صیاد آفت جان مرغا

دیرین چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش است — زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

طبعی بہم رساں کہ بسازی بہ عالمی — یا ہمتی کہ از سر عالم تو اں گذشت

گر چہ از نیکان ہم خود را بہ نیکان بستہ ام — در ریاض آفرینش رشتہ نگدستم

ہیچ کارے نیست بے تصدیق و زریں فلک خالص — در دسردارد اگر صندل سر مالیدن است

حرص فانی نیست بیدل ورنہ اسباب ہماں بیدل — اچھ مادہ کار و ایم اکثرے ویکار نیست

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام عاگفتن دل — اجابت از دیر حق بہر استقبال می آید

ہر کہ شد خلوت گزین کیفیتے پیدا کند جرات — خم نشینی شیر و انگور را صہب کند

مدت شاد می غم نیست برابر ہماں دل — گر یہ شمع شے خند و صبح است دم

دور باید داشت از چینہا کشادہ جہہ را بے غلام علی زاباب حسن حشوق را بزنجیر کردن خوب نیست

نہ رسد رنج خاکساراں را زائر سایہ را بیم پائمالی نیست

خواہش ملک سلیمان الہی است نتیجہ بلگرامی دولت پایندہ در دست تہی است

بے تکلف و ر بلا بودن بہ از بیم بلاست نائب قہر دریا سلسبیل و رویے دریا آتش است

چھہ باید مرد را طبعی بلندے مشربے نابے اقبال دل گرم و نگاہے پاکبازے جان بنیابے

دادار را بخد مت ما افتیلج نیست لاہوتی خدمت بحسب خلق کن کہ بدادار می کنی

مفسی سب بہار کھوتی ہے ولی مرد کا اعتسبار کھوتی ہے

سودا نگاہ دیدہ تحقیق کے حضور سودا جلوہ ہر ایک ذرے میں ہے آفتاب کا

ہندو ہیں بت پرست مسلمان خدا پرست ولی میں پوجتا ہوں اُس کو جو ہوا آشنا پرست

بھلا گل تو تو ہنست ہے ہماری بے ثباتی پر ولی بتا روتی ہے کس کی ہستی مہموم پر شبنم

غفلت میں زندگی کو نہ کھو گر شور ہے ولی یہ خواب زیر سایہ بال طیور ہے

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام میر آفاق کی اس کار گرہ شیشہ گری کا

مجھ بے نوا کی یاد رہے تیر یہ صدا ولی اس میکہ میں رہیو بہت ہوشیار دوست

تیر صاحب زمانہ نازک ہے ولی دونوں ہاتھوں سے تھامے دستا

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے ولی سو بھی اک عسر میں ہوا معلوم

تیر صاحب تم فرشتہ ہو تو ہو ولی آدمی ہونا تو مشکل ہے میاں حاکم

رنگ گل بُوے گل ہوتے ہیں ہوا دونوں ولی کیا قافلہ جاتا ہے تو بھی جو چلا چاہے

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا بیان سُرُخ و سفید مائی کی مورت ہوئی تو کیا

یہ عجب مرزہ ہے یارو کہ بروز عید قرباں انشا وہی فوج بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

کیس کیس پہلا مصرعوں بھی دیکھا ہے :- یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں

بہن عجیب پر رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں متھنی وہی فوج بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

بھلا کرنے آئے بُرا کر چلے رنگیں ہم آئے تھے کیا کرنے کیا کر چلے کر

رنگ عشرت باغ عالم میں نظر آتا نہیں ناخ گل کو گلیں کا خطر طبل کو ڈر ہٹا دکا

انسان کو انسان سے کینہ نہیں اچھا ولی جس سینہ میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں اچھا

ہے بُروں کو عیش اور اچھوں کو ہے دنیا میں رنج
توڑتا ہے گل کو گلچیں چھوڑتا ہے خار کو

دل

سیہنجی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا، دل کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انسان سے
اس کے لطافت تو ہیں عام شہیدی سب پر شہیدی نہج سے کیا ضد تھی اگر تو کسی متاثر ہوتا
ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے دل دن عیش کے گھڑیوں میں گدھرتے ہیں

اور کوئی طلب ابنائے زمانہ سے نہیں آتش مجھ پہ احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں ہوتا
گفرو اسلام کی کچھ قید نہیں ہے آتش دل شیخ ہو یا کہ برہمن ہو پر نساں ہوئے
عمر ساری تو کٹی عشق تباں میں مومن مومن آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہونگے
بجا کے جسے عالم اُسے جسا سمجھو ذوق زبان حلق کو نعت ارہِ خدا بکھجو

لیتے ہیں ثمر شاخِ ثمرور کو جھکا کر دل جھکتے ہیں سخی وقتِ کرم اور زیادہ
اے ذوقِ تکلف میں ہے تکلیفِ سراسر دل آرام سے وہ ہیں جو تکلف نہیں کرتے
گلمائے رنگ سے ہے زینتِ چمن دل اے ذوق اس جہاں کو ہے زیبِ اختلاف
نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کی یہ شے دل عصا ہے پیر کو اور سیف، جواں کے لئے
یوں پھر یہ اہل کمالِ آشفقہ حالِ افسوس کے اے کمالِ افسوس ہے تجھ پر کمالِ افسوس کے

نظر آدمی اُس کو نہ جانے گا ہو وہ کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ ہے جسے طے پڑے عیشِ خفا نہ ہے

نظر

دو دن کی زندگی پہ نہ اتنا چل کے چل دل دنیا ہے چل چلاؤ کارِ سنہ بسنمل کے چل
نہیں ناداں کی دوستی بہتر دل بلکہ دانا کی دشمنی اچھی ہے
اے رشکِ مصیبت میں نہیں کوئی بھی پنا رشک اپنا نہیں جسا پنا بیگانے کو کیا کہئے

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا غائب
 غرہ براوج بنائے عالم امکان نہ ہو دل
 نعمائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے
 اگلے وقتوں کے ہیں لوگ انھیں کچھ نہ کہو دل
 رنج سے خوگر ہوا نساں تو مٹ جاتا ہے رنج دل
 در و کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں دل

نہ سونو گر بُرا کہے کوئی دل نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
 روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی
 کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے رھنما کرے کوئی
 غالب بُرا نہ مان جو دُعا عطا کرے دل ایسا بھی ہے کوئی کہ سب چھا کہیں جسے
 بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب دل کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے
 اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا دل سا غرجم سے مراجعہ سفاک اچھا ہے
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب دل مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے
 جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنئے دل جو ناسزا کہے اس کو نہ ناسزا کہئے
 سفینہ جب کہ کنارِ آب کب خدا سے کیا ستم جو ناسزا خدا کہئے

نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے
 سفر ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزلِ عدم
 نسیم دہوی

آرام سے ہے کون بہانِ خراب میں شیفۃ کلِّ سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

تنگدستی اگر نہ ہو سالک سالک نندرتی ہزار نعمت ہے
 کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ اتیس عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا
 صبح طالع ہوئی سو بھی اٹھے سو نیوالے — آفریں او میرے بیدار نہ ہونے والے
 یوں ہم نے اپنے گھر میں بسر کی تمام عمر — جیسے کسی کے گھر میں کوئی میہماں ہے
 اے داغ اپنی وضع ہمیشہ ہی رہی داغ کوئی کھینچا کھینچے کوئی ہم سے بلائے
 میر محبوب علی خاں آصف (نظام دکن)

دنیا کی منکر تجھ کو اگر سولگی رہے آصف یہ شرط ہے کہ ادھر لو لگی رہے
 بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر حالی ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں
 بسانِ آسیا پائے تو کل کو نہ لغزش دے اسی غازی پوری کہ منہ میں آہے گا خود بخود تفتیر کا دانا
 کبھی تدبیر سے غیر از مقدر مل نہیں سکتا جو ہے تفتیر کا دانا وہ ہے تدبیر کا دانا
 حسنِ صورت کے لئے خوبی سیرت ضرور دلہ گل وہی جس میں کہ خوشبو بھی ہو رنگت کے سوا
 زمانے میں جچ چیز ہے دیکھنے کی عبرت کو کھوپڑی نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں
 دل کو امید و یاس کی دنیا نہ کیجئے — خلوت کدے کو بزم تماشا نہ کیجئے
 کہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکو ناطق لکھنوی جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے
 پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیر کا جگر اقبال مردِ ناداں پر کلامِ نرم نازک بے اثر
 کب تنک طور پہ در یوزہ گرمی مثلِ کلیم دلہ اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر
 اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا ناز بھی کر تو باندازہٴ رعنائی کر
 برہمن سرشار ہے اب تک میے پنداریں دلہ شمع گو تم جل رہی ہے خانہٴ اغیار میں
 ہو حسنِ طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا جو ہر ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہ رسا دیکھ

صورتِ موج ہو سرگرم سفر اثر کھنوی ساحل آجلے تو کترا کے گذر
 انسان کی فطرت پہ کبھی غور کیا دلے مے سر جوش ابھی دردِ تہِ جام ابھی
 ام کر بلند ہو جس سے مذاقِ رست دلے دنِ زندگی کے گئے نہیں ماہ و سال سے
 تم کو ہے فکرِ تن آسانی اثر دلے زندگیِ مستربانیوں کا نام ہے
 و غم کہ عہدِ خوشی دونوں ایک ہیں محروم دونوں گزشتنی ہیں حسراں کیا بہا کیا
 ی گزشتنی ہے خوشی بھی گزشتنی فانی کر غم کو اختیار کہ گذرے تو غم نہ ہو
 نی اپنی جگہ اچھی ہے غم اپنی جگہ ————— یعنی تم اپنی جگہ اچھے ہو غم اپنی جگہ
 ہ میخوار گراں ہو جسے اندوہِ خار عباس زپوری کیا وہ گلچیں جسے تابِ خلش خار نہ ہو
 ملاط ہے اس کو نہ اختر از پسند فراق کو کھپو ابھی سمجھتے نہیں تم مزاجِ دنیا کو
 جب اُسے سوچا ہے دل تھا لیا میں دلے انسان کے ہاتھوں سے انسان پہ جو گذر
 مے جو اپنے فرائض تو ہم نشیں مولف جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے
 لم ہے اُدھر لبریز ہے پیمانہ ہستی مسعود ادھر ہم نشہ پنداریں سرشار بیٹھے ہیں
 عبرت کے لئے کیا کچھ نہیں عزیز یہ نہ سمجھے کوئی دنیا کچھ نہیں

صحیحہ محشر

ایک لمحہ نہ پرداخت مراد اور محشر ثنائی — این شکوہ جانسوز بہ حشرِ دیگر افتاد
 یارب بہ زہدان چہ حی حشد را نگاہ — جور بتان نذیدہ و دل خون نکر دس
 چون بگذرد نظیری خونیں کفن بہ حشر نظیری — خلقے فغاں کنند کہ این دادخواہ کسیت
 روز محشر چون بر آرم نالہ کاینک قالم فقور لاہجاں — شورِ خریزند کہ تہمت بر مسجا بستہ
 روز قیامت ہر کسے در دست گیر دنا — قدسی من نیز حاضر می شوم تصویر جانان در بخل
 قدسی ندانم چون شود سوائے بازار جزا — او نقد آمرزش بکف من جنس عصیان در بخل
 فتاد لرزہ بر اندام عاصیاں در حشر قتیل — بہ مجمعے کہ قستیل سیاہ کار آمد
 ز عاشق نالہ مستانہ در محشر چہ میخوای — اقبال تو خود ہنگامہ ہنگامہ دیگر چہ میخوای
 ہرزخم جگر داور محشر سے ہمارا میر — انصاف طلبت تری بیدا و گری کا
 دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز غالب — پھر ترا وقت سفر یاد آیا
 حد چاہے سزا میں عقوبت کے واسطے — و لا آخر گناہ نگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
 ناکر وہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے دا — و لا یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
 اب حشر میں ہو فیصلہ جو دستم بھی نیم دہوی — اللہ بھی ہے غیر بھی ہے تم بھی ہو ہم بھی
 پھرتے ہیں دادخواہ ترے حشر میں خراب — ساک تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں
 دھوم محشر میں ہوئی جب تری آمرزش کی اسیر — سیکنہ چھپ گئے مل بل کے گنہگاروں میں

میرے گنہ کو تولتی ہے رحمتِ خدا پیارے جنازہ قدسی الگ کھڑے ہیں ترازو لئے ہوئے
 پھر اُس کی شان کریبی کے حوصلے دیکھے ایسے گناہگار یہ کہہ دے گناہگار ہوں میں
 کہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی دلہائے کیسی اس بھری مجلس میں سوائی ہوئی
 شورِ محشر امیر کو نہ جھکا دلہا سو گیا ہے غریب سونے سے
 سہوا ہوئی ہیں مصیبتیں مجھ سے بیشمار دلہا یار بے حساب میں لاکھوں کی بھول ہے
 اُن کی میری حشر کے میدان میں ارشد ہو گئی صاحبِ سلامت دور سے
 اب کیوں نہ کریں لہ نہیں ڈرتے تو نہیں ہے داغ یہ عرصہ محشر ہے ترا گھر تو نہیں ہے
 بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ دلہا وہ سنتوں سے کہیں چپ رہو خدا کیلئے
 ہونے نہ پائی خشک بھی تر دامنِ مری محسن محشر میں دھوپ ڈھلنے لگی آفتاب کی
 کس سے محشر میں ہم کریں فریاد جلال داوڑ محشر ہو تمہیں نہ کہیں
 حشر میں چھپ نہ سکا حشر ویدار کا دلہا آنکھ کجخت سے پہچان گئے تم مجھ کو
 وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں اسی غازی پوری کہاں ہے اسی بیدل ہمارا
 نہ ستاری کو شرم آئے نہ غفاری کو غیرت ہو
 قیامت میں ترا بندہ ترے آگے فضیحت ہو ✓ دلہا

حشر میں منہ پھیر کر کنا کسی کا ہائے ملے دلہا اسی گستاخ کا ہر جرم ناخشید ہے
 اکبر خدا کے سامنے یونہی چلے چلو اکبر آبادی شکوہ ہولب پہ ہاتھ میں دامن ہو یار کا
 تیرے میکش حشر میں آئے کس انداز سے احمد کسند ڈی سرگراں ہے پانوں میں لغزشِ خوار آنکھوں میں
 اہل محشر دیکھ لوں قاتل کو تو پہچان لوں منظر لکھنوی بھولی بھولی شکل ہے اور کچھ بھلا سا نام ہے
 آئے ہیں اس ادا سے وہ میدانِ حشر میں حشمت جی چاہتا ہے خون کا دعویٰ نہ کیجئے

جنت و دوزخ کا جھگڑا حشر میں پیش ہے
 آؤ یہ کر لیں کہ دامن باندھ لیں دامن سے ہم
 کیا کروں شکوہ پیدا کروں یا نہ کروں خواہ نام الین داور حشر سے فریاد کروں یا نہ کروں
 اُٹھا ہوا جہان وہ میدان حشر میں ریاض چلنا وہ جھوم جھوم کے مجھ بادہ خوار کا
 ریاض ایسی یونگی روز حشر دلہ اے چھوڑ کجبت دامن کسی کا
 یاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الہی توبہ دلہ ہم تو سمجھے تھے کہ حشر میں تماشا ہوگا
 کچھ حد سے سوا حشر میں ہے نگ ترازد دلہ کچھ حد سے سوا آج ہے خون شہد اسرخ
 مجھے ہے خون کا دعوے مجھے ہے دلہ انہیں پر ہاں حسد اوند ا انہیں پر
 داد خواہوں میں دم حشر جو کچھ ہے یان دلہ پیار سے پوچھتے ہیں بھول گئے تم مجھ کو
 پی کے آنا تھا کہ ہے روز حساب دلہ میکشودیر میں فرصت ہوگی
 مزے کی چیز ہے یہ مجمع حشر دلہ حسین کیا کیا گزرتے ہیں نظر سے
 ریاض آئے تو کیونکر حشر میں آئے مرے مالک دلہ
 یہ اک دیوانہ ہے واقف نہیں آؤ اب محفل سے
 یہ ایک لطف لاکھ ستم کا جواب ہے دلہ محشر میں ہیں کہہ گئے کچھ داد خواہ سے
 یہ محشر ہے یہاں اب ہوش میں دیوانہ آتا ہے
 خداوند امرے لب پر مرا افسانہ آتا ہے
 فرشتے عرصہ گاہ حشر میں ہم کو سنبھالے ہیں دلہ
 ہمیں بھی آج لطف لغزش مستانہ آتا ہے
 نہ دیکھتے تھے کبھی جو نظر اٹھا کے مجھے دلہ وہ دیکھتے ہیں دم حشر مسکرا کے مجھے

مفطر خیر آبادی

قربان اپنی کثرتِ عصیاں کے لئے تپش دلہ محشر میں سب سے پہلے ہماری پکار ہے
 چاچکے دوزخ میں جانا تھا جھین باقی میں کچھ دلہ حشر کی اب گرمی بازار کچھ یونہی سی ہے
 شوخی سے جھک کر ادھر آئے ادھر آئے دلہ محشر میں بھی دیکھا تو تمہیں تم نظر آئے
 خوفِ محشر کس لئے آنکھوں کو دھوکا دیا ثاقب لکھنوی ایک ہی صورت کے ہونگے میرا قاتل اور آپ
 حقیقت کھل نہ جائے اب میں بیدار ہو کر دلہ نگاہیں پڑ رہی ہیں میری جانب اہلِ محشر کی
 اے کر دگارِ حشر مری داد مل گئی دلہ گردن جھکائے آج کوئی شہسار ہے
 میں سر جھکائے سوئے جھبسم چلا ہی تھا مرزا چاتی کچھ حرم آگیا مے پر دردگار کو
 اب ساتھ نہیں چھوڑتے ہشیار بڑے ہیں احسانِ بھائی وہ میرے برابر صفِ محشر میں کھڑے ہیں
 مظلوم ہوں مگر نہیں ملتا کوئی گواہ نوابِ دہلی آپ اہلِ حشر اس ستمِ ایجاد کی طرف
 مری طرہِ خموشی کہتی ہے اے دادِ محشر دقا کہیں دلدادہ نیرنگ پر شہنائے نہان ہو
 ادھر میں ہوں ادھر محشر میں تو ہو — جو ہونی ہو خدا کے ردِ بدو ہو
 میدانِ حشر میں بھی تھی اُمیدِ التفاتِ ثاقب کا پوری دامنِ آرزو مرا کتنا دراز ہوتا
 بن ٹھن کے پیشِ دادِ محشر چلے تو ہو نوابِ جعفر علی خان ہو جائے سامنا نہ کسی دادِ خواہ کا
 سنا ہے حشر میں شانِ کرم بتیابِ بکلیگی اصغر لگا رکھا ہے سینے سے متاعِ ذوقِ عصیاں کو
 حشر میں نامہ اعمال کی پیش ہے ادھر دلہ اور ادھر ہاتھ میں ٹکڑے ہیں گریبانوں کے
 نام اُن کا آگیا کہیں ہنگامِ باز پرس دلہ ہم تھے کہ اڑ گئے صفِ محشر لئے ہوئے
 حصولِ رحمتِ حق کے لئے کافی ہے محشر میں حرّت گُلِ عصیاں کو زیبِ طرہ دستار کر لینا
 پریش ہے میرے حال کی یارب جو روزِ حشر دلہ اتنا بھی اب یہ قصہ عنہم مختصر نہیں
 میں کہہ چلا تھا دادِ محشر سے حالِ دلِ رداں اک شرگیں نگاہ گلو گیر ہو گئی

محشر میں جبر و دوست سے طالبوں کا فانی آیا ہوں اختیار کی تمت لئے ہوئے
 حشر بھی گذرا حشر میں بھی یہ سوچ کے ہم نے کچھ نہ کہا
 غم کی حکمت کون سنے گا غم کی حکایت کیا کہئے

سہیل خستہ اپنا دامن تر لے کے آیا ہے سہیل تر از ورپیش خورشیدِ محشر آ زمانا ہے
 بھری محفل میں محشر میں کھلوائیں زبان میری اسد گو کھپوڑا لکھی ہے خون سے دامن پہ اُن کے استخوان
 محشر میں جور و ظلم کا شکوہ نہ کر سکے بسمل آباؤی شرمندہ ہو گئے نگہ شریگیں سے ہم
 مابلِ عجز قیامت میں وہ مغرور ہے آج خورشیدِ رحم آتا ہے ستگر پہ کہ مجبور ہے آج

بہشت

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس بڑے حافظ
 کہ مستحق کرامت گناہگار نہ ہند
 جنت چہ کند چارہ افسردگی دل غالب
 تعمیر باندازہ ویرانی مانیت
 بہشتے بہر پاکان حرم بہشت اقبال
 بہشتے بہر بابِ ہمم بہشت
 بگو ہندی سلمان اکہ خوشن باش
 بہشتے فی سبیل اللہ ہم بہشت
 تاش گر ہے نہ اہد اس قد جس مرغِ رضوں کا غالب
 وہ اک گلہ ستہ ہے ہم بے خودوں کے طاق نیل
 کم نہیں جلوہ گری میں تیرے کوچے سے بہشت دل
 یہی نقشہ ہے ولے اس متد را باد نہیں
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب بہشت دل
 لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو
 جس میں لاکھوں برس کی حورین مونس داغ
 ایسی جنت کو کیا کرے کوئی
 لذتِ معصیتِ عشق نہ پوچھ ~~نہ پوچھ~~
 حُسد میں بھی یہ بلا یاد آئی
 جنت میں خاک بادہ پرستوں کا دل لگے چلبست
 نقشے نظر میں صحبتِ پیر مغاں کے ہیں
 نشہ شراب میں ہے نہ مستی شباب میں حقیقتِ جالندہ اس رنگ سے بہشت میں رہنا عذاب

دُونِخ

ایہ

نگاہِ گرم سے مجھ کو نہ دیکھ اے دوزخ
خبر نہیں تجھے کس کا گناہگار ہوں میں

ملتان کاپتن: کتابستان الہ آباد

قیمت ۷ روپیہ ۸ آنہ،

باہتمام

جناب عبدالمجید صاحب در مطبع اسرار کوئی۔ الہ آباد
طبع شد

۱۹۵۷ء

.... حقوق محفوظہ....